www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے

عہد کے

تمدنی کارنامے

شائع کردہ

دار المصنفین شبلی اکیڈمی

اعظم گڑھ یو۔پی (ہند) ۲۷۶۰۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے

جس میں سلاطین دہلی اور شاہانِ مغلیہ کے عہد کے فنِ تعمیر، رفاہ عام کے کام، شہروں اور گاؤں کی آبادی، باغات، ترقی حیوانات، ترقی تعلیم، کاغذ سازی، کتب خانے اور خطاطی وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یو۔پی (الہند)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

© جملہ حقوق بحق دارالمصنّفین محفوظ

سلسلۂ دارالمصنّفین نمبر ۹۳

نام کتاب : ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے

شائع کردہ : دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

صفحات : ۳۱۹+۱۱=۳۳۰

جدید ایڈیشن : ۲۰۱۳ء

مطبع : معارف پریس شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

ناشر : دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یو، پی) انڈیا

قیمت : ۲۴۰ روپے

باہتمام : عبدالمنان ہلالی

ISBN: 978-93-82201-14-4
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O. Box No: 19
Shibli Road, Azamgarh - 276 001 (U.P.)
e-mail: shibli_academy@rediffmail.com
Website : www.shibliacademy.org

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے

مضمون	صفحہ
دیباچہ ازشاہ معین الدین احمد ندوی ۱-۲	۱
فن تعمیر از پروفیسر محمد مجیب صاحب جامعہ ملیہ دہلی ۳-۳۳	۳
رفاہ عام کے کام ازمولانا عبدالسلام ندوی ۳۴-۱۰۰	۳۴
شفاخانہ	۳۴
سرائے	۳۶
مہمان خانے	۴۲
لنگر خانے	۴۳
محتاجوں کی امداد کے مختلف طریقے	۴۶
نہر	۵۵
تالاب	۵۸
کنوئیں	۶۱
حمام	۶۲

مضمون	صفحہ
پل	۶۴
بازار	۶۶
راستوں اور گلیوں کی صفائی	۶۶
موذی جانوروں کا مارنا	۶۷
سودی قرض لینے کی ممانعت	۶۸
بے روزگاری کا انسداد	۶۸
ارزانی کا اہتمام	۷۰
عمارتیں	۷۶
امراء کی عمارتیں	۹۳
اعتقاد خان	۹۳
احمد نیازی خان	۹۴
خان دوراں نصرت جنگ	۹۴
رشید خاں انصاری	۹۴
سرفراز خان دکنی	۹۵
وزیر خان حکیم علیم الدین	۹۵
اسلام خان	۹۵
عالمگیری دور کی عمارتیں	۹۵
خان زمان	۹۷
عبدالنبی	۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
شفاخانے	۹۸
سرائیں	۹۸
حمام	۹۸
مساجد	۹۹
مقبرے	۹۹
نئے شہر، قصبے اور گاؤں از مولانا عبدالسلام ندوی ۱۰۱-۱۳۲	۱۰۱
رنگ پور بختیار خلجی ۶۰۲ھ	۱۰۱
اُچ سلطان التمش ۶۰۷ھ	۱۰۱
دولت آباد سلطان محمد تغلق شاہ	۱۰۱
شہاب پور (شہاب الدین غوری ۷۴۷ھ)	۱۰۳
لچھمی نگر	۱۰۳
جون پور فیروز شاہ ۷۵۲ھ	۱۰۳
قطب الدین پور (سلطان قطب الدین پور ۷۹۶ھ)	۱۰۳
احمد آباد (احمد شاہ ۸۱۳ھ)	۱۰۴
احمد نگر واحمد شاہ	۱۰۵
احمد آباد بیدر ۸۲۵ھ	۱۰۶
نعمت آباد احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ	۱۰۶
عہد سلطان زین العابدین ۸۲۶ھ	۱۰۷
برہان پور نصیر خان فاروقی ۸۳۳ھ	۱۰۷
زین آباد نصیر خان فاروقی ۸۳۳ھ	۱۰۷
مبارک آباد (مبارک شاہ ۸۳۷ھ)	۱۰۷

مضمون	صفحہ
پٹیالہ عہد بہلول لودی ۸۸۷ھ	۱۰۸
مصطفیٰ آباد سلطان محمود شاہ بیگڑہ	۱۰۹
محمود آباد	۱۱۰
محمد آباد	۱۱۰
دولت آباد	۱۱۱
شیر گڑھ شیر شاہ ۹۴۷ھ	۱۱۱
فیروز آباد	۱۱۱
احمد نگر احمد نظام شاہ ۹۰۰ھ	۱۱۱
اعتماد پور (دور اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۱
مول منوہر نگر (اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۲
لاہور (اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۲
الہ آباد (اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۴
آگرہ (اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۴
فتح پور سیکری (اکبر ۹۶۳ھ)	۱۱۸
آشتی برار عہد اکبری ۹۶۳ھ	۱۱۹
حیدر آباد سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۹ھ)	۱۲۰
بہادر پورہ (بہادر خان ۱۰۰۵ھ)	۱۲۰
شہر نورس پور (ابراہیم عادل شاہ ۱۰۰۸ھ)	۱۲۰
فتح آباد جہانگیر (۱۰۱۴ھ)	۱۲۲
مراد آباد عہد شاہ جہاں (۱۰۳۶ھ)	۱۲۲
مخلص پور	۱۲۲
وزیر آباد عہد شاہ جہاں (۱۰۳۶ھ)	۱۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دلی یا شاہ جہاں آباد	۱۲۳	معصوم پور	۱۳۱
ابراہیم آباد عہد شاہ جہانی (۱۰۳۶ھ)	۱۲۶	مراد گنج	۱۳۱
اشرف آباد عہد شاہ جہانی (۱۰۳۶ھ)	۱۲۷	دہاب گنج	۱۳۱
اورنگ آباد عالم گیر (عہد شاہ جہانی		سید پور	۱۳۱
۱۰۳۶ھ)	۱۲۷	چنگیز پور	۱۳۱
عظیم آباد عہد عالم گیر (۱۰۶۸ھ)	۱۲۷	بہادر گنج	۱۳۱
محمود پورہ عہد عالم گیری (۱۰۶۸ھ)	۱۲۸	اکرم پور	۱۳۱
بھکر	۱۲۸	مفاخر پور	۱۳۱
سامانہ	۱۲۹	علیم پور	۱۳۱
پورے	۱۲۹	فرح پور	۱۳۱
قاضی پور	۱۳۰	نور گنج	۱۳۱
حاجی پور	۱۳۰	زور آور پور	۱۳۱
دریا پور	۱۳۰	رسول آباد	۱۳۱
پناہ پور	۱۳۰	پورہ رضوی خان	۱۳۲
جہاں گیر پور	۱۳۰	عیش پور	۱۳۲
ہیبت پور	۱۳۰	خودن پورہ	۱۳۲
بی بی پور	۱۳۰	قطب پور	۱۳۲
نور اللہ پور	۱۳۰	قاسم پور	۱۳۲
سارنگ پور	۱۳۰	راجو پور	۱۳۲
افضل پور	۱۳۰	خان پور	۱۳۲
طوغان پور	۱۳۰	عثمان پور	۱۳۲
منجھن پور	۱۳۱	نورنگ پور	۱۳۲
بابی پورہ	۱۳۱	صلابت پور	۱۳۲
نواپورہ گنج پورہ سلطان پور	۱۳۱	شادمان پور	۱۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
شیخ پور	۱۳۲
سلطان پور	۱۳۲
باغات از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ۱۳۳-۱۵۴	۱۳۳
فیروز شاہ کا ذوق باغبانی	۱۴۰
باغ فردوس	۱۴۰
باغ شعبان	۱۴۱
محمود آباد کے باغات	۱۴۱
خراسانی صناع کا لگایا ہوا باغ	۱۴۲
بیلونجار کا لگایا ہوا باغ	۱۴۲
باغ نکودر	۱۴۵
باغ نور منزل	۱۴۵
عہد جہاں گیری کے باغات	۱۴۶
شالا مار باغ لاہور	۱۴۷
فرح بخش	۱۴۸
فیض بخش	۱۴۸
نور افزا	۱۴۸
بحر آرا	۱۴۸
نور افشاں	۱۴۸
باغ صفا	۱۴۸
باغ شاہ آباد	۱۴۸
باغ مراد	۱۴۸
باغ نشاط	۱۴۸

مضمون	صفحہ
باغ نسیم و باغ افضل آباد	۱۴۹
باغ ظفر خان	۱۴۹
باغ الٰہی	۱۴۹
باغ فیروز خان	۱۴۹
باغ خدمت خان	۱۴۹
باغ زیب النساء	۱۵۰
باغوں کے لگانے کے محرکات و اسباب	۱۵۱
زرعی پیداوار کی ترقی اور کسانوں کی حوصلہ افزائی	۱۵۱
سیر و تفریح اور آرائش و زیبائش	۱۵۲
دیہاتوں اور قصبوں کی رونق و آبادی	۱۵۳
سیر و شکار کے زمانے میں قیام و آسائش	۱۵۴
مقبروں کی زینت و رونق	۱۵۴
ترقی حیوانات از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ۱۵۵-۱۷۰	۱۵۵
فیروز شاہی عہد	۱۵۵
عہد سلطان زین العابدین	۱۵۷
مالوہ کے حکمران کی دلچسپی	۱۵۸
گجرات کے سلاطین کی دلچسپی	۱۵۸
شہنشاہ اکبر کی دلچسپی	۱۵۹
جہاں گیری عہد	۱۶۲
شاہ جہانی عہد	۱۶۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
عالم گیری عہد	۱۷۰
تعلیم کی ترقی	۱۷۱
از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ۱۷۱-۲۱۵	
مدارس اجمیر	۱۸۶
مدارس دہلی	۱۸۶
مدرسہ دارالبقا	۱۸۸
مدرسہ شاہ عبدالرحیم	۱۸۹
مدارس پنجاب	۱۹۰
مدرسہ درگاہ شیخ چلی	۱۹۰
مدرسہ نارنول	۱۹۱
مدارس آگرہ	۱۹۱
مدرسہ خس	۱۹۲
مدرسہ بیانہ	۱۹۲
مدارس فتح پور سیکری	۱۹۲
مدارس متھرا ونرداد	۱۹۲
مدارس بدایوں	۱۹۳
مدرسہ معزی	۱۹۳
مدرسہ دارانگر	۱۹۳
مدرسہ رام پور	۱۹۴
مدارس شاہ جہاں پور و بریلی	۱۹۴
مدارس صوبہ اودھ والہ آباد	۱۹۵
مدرسہ سہالی	۱۹۶
فرنگی محل لکھنو	۱۹۷

مضمون	صفحہ
مدرسہ فتح گڑھ	۱۹۸
مدارس فرخ آباد	۱۹۸
مدارس جون پور	۱۹۸
اٹالہ کی مسجد	۲۰۰
مدرسہ مولانا امان اللہ بنارس	۲۰۰
ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں	۲۰۳
ہندوؤں کی تعلیم	۲۰۹
تذکرہ نویس	۲۱۲
انشاء	۲۱۲
لغت	۲۱۲
کاغذ سازی	۲۱۶
از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی	
مولف تاریخ گجرات وغیرہ	
۲۱۶-۲۳۷	
عرب	۲۲۰
کشمیر	۲۲۲
گجرات	۲۲۵
دولت آباد	۲۲۷
بہار	۲۲۷
پٹنہ	۲۲۸
گیا	۲۲۸
بنگال	۲۲۸
مرشد آباد	۲۲۹
کاغذ سازی کی ترکیب	۲۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جون پور	۲۳۰	تغلق کے زمانہ میں کتب خانہ	۲۳۹
پنجاب	۲۳۰	نظام الدین اولیاء کا کتب خانہ	۲۴۰
کاغذ کے نمونے اور اس کی قسمیں	۲۳۲	فیروز شاہی کتب خانہ	۲۴۰
احمد آبادی	۲۳۲	تاتارخانی کتب خانہ	۲۴۱
کشمیری	۲۳۲	غازی خان کا کتب خانہ	۲۴۲
جہاں گیری	۲۳۳	بابر کا کتب خانہ	۲۴۲
حیدر آبادی	۲۳۳	ہمایوں کا کتب خانہ	۲۴۳
فیض آبادی	۲۳۴	اکبر کا کتب خانہ	۲۴۵
کان پوری	۲۳۴	خان خاناں کا کتب خانہ	۲۴۶
دولت آبادی	۲۳۴	خوش نویس	۲۴۷
بہادر خانی	۲۳۴	مصور و شبیہ ساز	۲۴۷
صاحب خانی	۲۳۴	جلد ساز	۲۴۸
مراد شاہی	۲۳۵	داروغہ کتب خانہ	۲۴۸
شربتی	۲۳۵	مترجم	۲۴۸
قاسم بیگی	۲۳۵	مصحح	۲۴۸
بالا پوری	۲۳۵	جدول ساز	۲۴۸
روبکاری	۲۳۶	ناظم	۲۴۹
غیر ملکی	۲۳۶	خصوصیات	۲۴۹
سمرقندی	۲۳۶	سلیمہ سلطانہ کا کتب خانہ	۲۵۱
اصفہانی	۲۳۶	منعم خان کا کتب خانہ	۲۵۱
خان بالغ	۲۳۶	نور جہاں کا کتب خانہ	۲۵۲
کتب خانے	۲۳۸	شیخ فرید کا کتب خانہ	۲۵۳
از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی		فیضی کا کتب خانہ	۲۵۳
مولف تاریخ گجرات وغیرہ		جہاں گیر کا کتب خانہ	۲۵۳
۲۳۸-۲۹۰		شاہ جہاں کا کتب خانہ	۲۵۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
عالم گیر کا کتب خانہ	۲۵۵
قطب الملک کا کتب خانہ	۲۵۵
نواب لوہارو کا کتب خانہ	۲۵۶
گجرات کا شاہی کتب خانہ	۲۵۶
عثمان پورہ کا کتب خانہ	۲۵۷
خانقاہ سرخیز کا کتب خانہ	۲۵۷
شاہ عالم کا کتب خانہ	۲۵۸
شاہ وجیہ الدین کا کتب خانہ	۲۵۹
مدرسہ پٹن کا کتب خانہ	۲۵۹
مخدوم ابراہیم کا کتب خانہ	۲۶۰
مدرسہ ہدایت بخش کا کتب خانہ	۲۶۰
مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ	۲۶۰
شیعہ بوہروں کا کتب خانہ	۲۶۱
کھنبایت کے کتب خانے	۲۶۱
احمد آباد کے محکمہ قضاۃ کا کتب خانہ	۲۶۲
شیخ حضری کا کتب خانہ	۲۶۲
بھروچ کے محکمہ قضاۃ کا کتب خانہ	۲۶۳
شیخ دائی کا کتب خانہ	۲۶۳
سورت کے نواب صاحب کا کتب خانہ	۲۶۴
خاندان عیدروس کا کتب خانہ	۲۶۴
سید قمر الدین کا کتب خانہ	۲۶۵
خانقاہ شاہ عبد العلیم کا کتب خانہ	۲۶۵
میسور کا شاہی کتب خانہ	۲۶۵
مدرسہ عربیہ خانقاہ کا کتب خانہ	۲۶۹
راجہ شتاب رائے کا کتب خانہ	۲۶۹
راجہ رام نرائن کا کتب خانہ	۲۷۰
صادق پور پٹنہ کے کتب خانے	۲۷۰
خانقاہ عباسی کا کتب خانہ	۲۷۰
سلاطین فاروقیہ کا کتب خانہ	۲۷۰
شاہان اودھ کا کتب خانہ	۲۷۱
فرنگی محل کا کتب خانہ	۲۷۵
راجہ سلیم پور کا کتب خانہ	۲۷۶
بلگرام کے کتب خانے	۲۷۷
والی فرخ آباد کا کتب خانہ	۲۸۰
نواب روہیلہ کا کتب خانہ	۲۸۰
رام پور کا کتب خانہ	۲۸۲
جون پور کے کتب خانے	۲۸۴
عادل شاہی کتب خانے	۲۸۶
کتب خانوں کا انتظام	۲۸۷
ناظم	۲۸۸
داروغہ یا مہتمم	۲۸۸
صحاف و وراق	۲۸۸
جلد ساز	۲۸۸
مصور	۲۸۹
خوش نویس	۲۸۹
کاتب	۲۸۹
مقابلہ نویس	۲۸۹
مصحح	۲۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جدول ساز	۲۹۰	خواجہ حسین احمد چشتی	۳۰۰
فراش	۲۹۰	محمد شریف شیریں رقم	۳۰۱
تیموری دور کی خطاطی	۲۹۱	قاضی احمد غفاری	۳۰۱
اور مشہور خطاط		مرزا محمد حسین	۳۰۱
از شاہ معین الدین احمد ندوی		احمد علی ارشد	۳۰۱
۲۹۱-۳۱۹		آقا عبدالرشید دیلمی	۳۰۲
خطاطی کی اہمیت	۲۹۱	عبدالباقی حداد	۳۰۳
اسلام میں خطاطی کی تاریخ	۲۹۲	مرزا جعفر المخاطب بہ کفایت خاں	۳۰۳
نستعلیق کی ایجاد	۲۹۴	مرزا عبداللہ خاں المخاطب بہ درایت خاں	۳۰۳
خط کی قسمیں	۲۹۵	میر مراد کشمیری	۳۰۴
تیموری عہد میں خطاطی	۲۹۶	میر محمد صالح و میر محمد مومن	۳۰۴
تیموری دور کے خطاط	۲۹۷	سید علی خاں جواہر رقم	۳۰۴
ملا عبدالرحیم عنبریں رقم	۲۹۸	ہدایت اللہ خاں زریں رقم	۳۰۵
شجاع	۲۹۸	میر محمد باقر	۳۰۵
بہبود مرزا	۲۹۸	میر محمد زاہد	۳۰۵
مرزا فتح اللہ شیرازی	۲۹۸	مرزا حاتم بیگ	۳۰۶
زین خان کوکہ	۲۹۸	محمد عارف	۳۰۶
میر معصوم بھکری قندھاری	۲۹۸	حاجی نامدار	۳۰۶
خواجہ عبدالصمد شیریں رقم	۲۹۹	محمد حفیظ خاں	۳۰۶
میر محمد اصغر	۲۹۹	محمد افضل لاہوری	۳۰۶
ملا عبدالقادر اخوند	۲۹۹	محمد افضل حسینی	۳۰۷
محمد حسین کشمیری	۲۹۹	میر محمد موسیٰ	۳۰۷
میر عبداللہ	۳۰۰	نواب مرید خاں محمد صادق طباطبائی	۳۰۷
ملا علی احمد مہر کن	۳۰۰	نواب مظہر خاں	۳۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قاضی عصمت اللہ خاں	۳۰۷	قاضی نعمت اللہ	۳۱۲
حافظ محمد علی	۳۰۷	ہندو خوش نویس	۳۱۳
میر ابوالحسن عرف کلن	۳۰۸	راجہ ٹوڈرمل کھتری	۳۱۴
غلام علی خاں	۳۰۸	رائے منوہر بن لونی کرن توسنی کچھواہا	۳۱۴
حافظ ابراہیم	۳۰۸	چندر بھان برہمن	۳۱۴
میر زین العابدین	۳۰۸	منشی سج بھان	۳۱۵
مولائی صاحب	۳۰۸	رائے پریم ناتھ کھتری	۳۱۵
مولوی غلام محمد دہلوی ہفت قلم دہلوی	۳۰۸	راجہ امید سنگھ اور راجہ شیر سنگھ	۳۱۵
میر مہدی	۳۰۹	کنور پریم کشور فراقی	۳۱۵
نواب عماد الملک غازی الدین خاں	۳۰۹	منشی لچھمن سنگھ غیوری	۳۱۵
مرزا ارجمند	۳۰۹	راجہ نند رام پنڈت	۳۱۶
سید محمد امیر رضوی پنجہ کش	۳۰۹	لالہ لچھی رام پنڈت	۳۱۶
مرزا عباد اللہ بیگ	۳۱۰	خوش وقت رائے	۳۱۶
آغا مرزا	۳۱۰	لالہ درگا پرشاد کایستھ	۳۱۶
اخوند عبدالرسول قندھاری	۳۱۰	شنکر ناتھ	۳۱۷
امام الدین احمد خاں	۳۱۰	لالہ سرپ سنگھ دیوانہ	۳۱۷
میر امام الدین	۳۱۰	کتبہ نگار اور طغرا نویس	۳۱۸
بہادر شاہ ظفر	۳۱۰		
لکھنؤ کے خوش نویس	۳۱۰		
نواب تفضل حسین خاں	۳۱۰		
میر عطا حسین تحسین	۳۱۱		
مرزا احمد طباطبائی	۳۱۱		
حافظ نور اللہ	۳۱۱		
مرزا محمد علی	۳۱۲		

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

مسلمان اگرچہ ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے لیکن اجنبی حکمرانوں کی طرح انہوں نے اس کو محض تجارت کی منڈی اور حصول دولت کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اس کو وطن بنا کر یہیں رس بس گئے، یہاں کی بہت سی رسوم و روایات تک اختیار کر لیں اور مرنے کے بعد بھی اس کی خاک کا پیوند ہوئے، اس لیے انہوں نے وطن ہی کی طرح اس کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے حکومت و سیاست، علم و فن، صنعت و حرفت، زراعت و تجارت، تہذیب و معاشرت، ہر حیثیت سے اس کو ترقی دے کر صحیح معنوں میں ہندوستان کو جنت نشان بنا دیا، اس کتاب میں اسی جنت کے نشانات دکھائے گئے ہیں۔

گو یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے، اردو اور انگریزی دونوں خصوصاً انگریزی میں اس پر مستقل کتابیں ہیں لیکن وہ خاص خاص پہلوؤں پر ہیں، کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے، جس میں تمام یا کم سے کم اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہو، اس لیے دارالمصنّفین کے تاریخ ہند کے سلسلہ میں اس کو بھی پیش نظر رکھا گیا اور اس کتاب میں ان کے علمی و تمدنی کارناموں کو دکھایا گیا ہے، لیکن ان کے یہ کارنامے اتنے گوناگوں ہیں کہ ایک جلد میں ان سب کا احاطہ ناممکن تھا، اس لیے اس جلد میں صرف عمارتوں، تعمیرات، رفاہ عام کے کاموں، شہروں اور قصبوں کی آبادی، باغبانی و باغات، حیوانات کی ترقی، تعلیمی نظام، مدارس، کتب خانے، کاغذ سازی اور فن خطاطی کے ابواب ہیں اس لیے یہ کتاب بھی جامع نہیں ہے پھر بھی اس میں بہت سے اہم پہلو آ گئے ہیں، انشاء اللہ آیندہ دوسرے پہلوؤں پر بھی لکھا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کے تمام ابواب دارالمصنفین ہی کے رفقاء و مصنفین کے لکھے ہوئے ہیں، جن کے ناموں کی تصریح ان ابواب میں کردی گئی ہے، صرف فن تعمیر کا باب شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا لکھا ہوا ہے، جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اس کتاب کی تالیف و اشاعت بھی حکومت ہند اور اس کے وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر کی امداد و علم دوستی کی رہین منت ہے، جس کے لیے کارکنان دارالمصنفین ان کے شکر گزار ہیں۔

معین الدین احمد ندوی

۱۶/اگست ۱۹۶۳ء

دارالمصنفین اعظم گڑھ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فن تعمیر

از پروفیسر محمد مجیب، جامعہ ملیہ، دہلی

انسان نے اپنے تخیل اور تخلیقی قوت کو سب سے پہلے عبادت گاہ اور قبر کی تعمیر میں آزمایا اور اس طرح فن تعمیر انسان کے عقائد، امیدوں اور آرزوؤں کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا، تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تہذیبیں جب عروج پر پہنچیں تو ایسی تعمیرات پر بھی توجہ کی گئی جن کا مصرف سماجی ضروریات کو پورا کرنا تھا، جیسے کہ یونانی اور رومن شہروں میں سیاسی جلسوں کے لیے فورم، ڈراموں وغیرہ کے لیے ایمفی تھیٹر، حمام، کئی منزلوں کی رہائشی عمارتیں مگر اب سے تین سو برس پہلے تک عبادت گاہیں اور مقبرے تعمیرات میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے، شاہی محل کو بھی شان و شوکت اور کسی قدر تقدس حاصل تھا، اس لیے کہ وہ حاکم کی حشمت، اس کے اقتدار اور اس کی سربلندی کی علامت مانا جاتا تھا، مگر محل صرف دنیاوی مرتبہ حاصل کر سکا، اس کی تعمیر میں قیمتی سامان اور فن آرائش کا کمال تو دکھایا جا سکا لیکن انسان کی جذباتی اور روحانی قوتیں بر روئے کار نہ لائی جا سکیں، اس کے برخلاف مقبرہ زندگی، موت اور ابدیت کا نقطہ اتصال تھا، قدیم زمانے میں بادشاہ کی شخصیت کے بارے میں جو عقائد تھے، انہوں نے شاہی مقبرے کو ایک دینی حیثیت دے دی اور اس زمانے میں بھی جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ بادشاہ اور دوسرے انسانوں میں نوعیت کا کوئی فرق نہیں ہے، شاہی مقبروں کی تعمیر میں پرانے عقائد کا اثر رہا، اسی طرح عبادت گاہ کے بارے میں جو قدیم تصورات تھے، ان کا پرتو اس وقت بھی عبادت گاہ کی تعمیر میں نظر آتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا، جب کہ عبادت سے بیشتر اور اسلام میں تمام سحر نمار سمیں خارج کر دی گئیں، ہندوستانی مسلمانوں کے فن تعمیر میں مسجد اور مقبرہ لامحالہ ہماری توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں، اگرچہ محلوں، میناروں، دروازوں اور دوسری تعمیرات میں حسن اور فنی کمال کی کمی نہیں ہے۔

مسلمانوں کے لیے ہر وہ چھوٹی بڑی جگہ جو صاف ستھری اور ہموار ہو عبادت گاہ کا کام دے سکتی ہے، لیکن چونکہ پنج وقتہ نماز باجماعت ہر موسم میں کھلے میدان میں ادا نہیں کی جا سکتی، اس لیے ابتدائی زمانہ سے ہی مسجدیں بنائی جانے لگیں، مسلمانوں کے اس عقیدے نے کہ رفتہ رفتہ تمام دنیا اسلام قبول کر لے گی اور مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ نے بھی مسجد کے نقشے پر اثر ڈالا، اس طرح کہ جس مسجد کی تعمیر میں سیاسی اور جماعتی مصلحتیں پیش نظر تھیں اس میں یہ خیال ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ عبادت کرنے والے بے شمار اور عبادت کا مقام غیر محدود ہے، شاہی مقبرہ کے ساتھ برکت کا کوئی تصور وابستہ نہ تھا، اس کے برعکس وہ شریعت سے انحراف کی مثال تھا، مگر اسی کے ساتھ وہ اولوالامر کی شخصیت اور اس قوت کی ایک علامت کا کام دیتا تھا، جو آویزشوں کے عالم میں جماعت کی خود اعتمادی کو قائم رکھنے کے لیے ضروری تھی، کیونکہ اس دنیا میں امن و آشتی کا مدار تدبر اور استقلال پر ہوتا ہے، معمولاً شاہی مقبرہ کے گرد باغ بھی ہوتا اور باغ کے ذریعے اس کی عمارت اور قدرتی ماحول کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی جاتی، شاہی مقبرہ کے دروازے ایسے ہوتے جو اس کا سلسلہ قلعہ، شہر اور رہائشی مکان سے ملا دیتے، مسجد اور مقبرے کے درمیان ایک معنوی تعلق تھا، جس سے دونوں کی حیثیت واضح ہوتی تھی اور انہیں ہم حقیقت، حسن اور قوت کے ایک ہم آہنگ تصور کے دو پہلو قرار دے سکتے ہیں، مدرسے، پل، حوض، باؤلیاں، سرائے اور شفا خانے بنانا نیک کام مانا جاتا تھا، جس کی بدولت بادشاہ اور دین دار لوگ انسانوں کی دعائیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے تھے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے فن تعمیر کی مخصوص قدروں کو دریافت اور واضح کرنے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ عام رجحان اس طرف ہے کہ اس کا سلسلہ ایک جانب اسلامی اور دوسری جانب بدھ متی اور ہندو فن تعمیر سے ملا کر یہ دکھایا جائے کہ اس میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی قدروں کی آمیزش کی گئی ہے، نقادوں میں کسی نے غیر ہندوستانی اسلامی عنصر کو کسی نے غیر مسلم ہندوستانی عنصر کو زیادہ نمایاں کیا ہے، دراصل یہ فن تعمیر ہندوستانی مسلمانوں کا اپنا اور جداگانہ ہے، اس میں ان جماعتی ''شخصیت'' اپنے خاص طریقے پر ظاہر ہوتی ہے، اسلامی اور قدیم ہندوستانی روایات کا اس میں اتنا ہی دخل ہے، جتنا کہ کسی ادیب کے اسلوب بیان میں علم لسانیات کو، فن تعمیر وہ میدان ہے کہ جس میں ہندوستانی مسلمان کے ذہن نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی قوت کا کمال دکھایا، یہ وہ آئینہ ہے کہ جس میں ہندوستانی مسلمان کی تہذیبی صورت پوری اور صاف صاف نظر آتی ہے، فن تعمیر کو اپنا آئینہ بنانے کے لیے ہندوستانی مسلمانوں نے جو ذریعے اختیار کیے ان کی حیثیت ضمنی ہے، ان کی وجہ سے ہمیں اصل حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے، اس اصل حقیقت کو کچھ تلاش کرنے کی بھی ضرورت نہیں، یہ بہت نمایاں ہے اور اس کا نقش ہمارے ذہن پر قائم رہتا ہے، اگر ہم زبردستی اس میں اور اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے نظریوں میں مطابقت پیدا نہ کرنا چاہیں۔

قدیم ہندوستان کا فن تعمیر، تجاری، سنگ تراشی اور مورت سازی کے فنون کے ارتقاء کا نتیجہ تھا، وہ بدھ متی عبادت گاہیں اور خانقاہیں جو چٹانوں کو کاٹ کر یہیں بنائی گئیں، فن تعمیر کی صحیح مثالیں ہیں لیکن جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوئے تو بدھ متی تعمیرات کا سلسلہ بند اور اس فن کو برتنے والے تقریباً ناپید ہو چکے تھے، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی میں جو مندر بنے وہ ایسے دینی جذبے کو ظاہر کرتے ہیں، جو نفسیاتی اعتبار سے اسلامی نظریے کی پوری پوری ضد ہے، بہت سے مندروں کی تعمیر میں انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا گیا لیکن مندر چاہے جتنا چھوٹا یا بڑا ہوتا، اس کا مرکز اس کا بت ہوتا تھا اور اس بت کو ہمیشہ ایک چھوٹے، تاریک کمرے میں رکھا جاتا جسے وِمَن کہتے ہیں، بت سے ہر بت پرست کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاملہ الگ ہوتا، ہر شخص بت کی پرستش پجاری کی رہنمائی میں اپنی غرض سے کرتا، مندر کے صحن، حوض، منڈپ سے (جہاں لوگ وِمَن میں جانے سے پہلے جمع ہوتے) مندر کی شان بڑھتی، مگر ان کی وجہ سے انفرادی پرستش کے اصول میں فرق نہیں پڑتا تھا انفرادی پرستش اور نماز باجماعت کے اصولوں کو کسی طرح ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا تھا، مندر اگر روایتی طرز پر بنایا جاتا تو اس کی بیرونی سطح مختلف قسم کی مورتوں اور شکلوں سے آراستہ ہوتی جن کے بنانے کا مقصد یہ تھا کہ عبادت کا شوق بڑھے، مندر کے اندر آرائش کی کوئی ایسی چیز نہ ہوتی، جو خیال کو باہر کی دنیا کی طرف لے جاتی بلکہ اس کی خاص کوشش کی جاتی کہ آدمی کی نظر اس کے اپنے دل پر جمی رہے، مسجد کا حسن زمین آسمان کی طرح نظر کے سامنے ہوتا ہے اور انسان کو خالق کائنات کی عظمت سے آگاہ کرتا ہے، چونکہ بنیادی تصور یہ ہے کہ تمام نوع انسانی کو خدا کے سامنے سربسجدہ ہونا چاہیے، اس لیے مسجد کے نقشے کا مدار نمازیوں کی مفروضہ تعداد پر ہوتا ہے، مسجد کی طرح مقبرہ کا بھی کسی قدیم ہندوستانی تصور یا روایت سے تعلق نہیں ہے، اگر یہ باتیں ذہن نشین ہو جائیں تو ہم ان بیل بوٹوں اور آرائش کی دوسری شکلوں کو بیجا اہمیت نہ دیں گے جن کی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کے فن تعمیر کا قدیم ہندوستانی فن سے رشتہ جوڑا جاتا ہے، مثلاً یہ خیال کہ محراب کا سلسلہ اس محراب نما روشن دان سے ملتا ہے جو بدھ مَتی غاروں میں بنایا جاتا تھا اور جو دراصل بانس کے روشن دانوں کی نقل ہے، تاریخ اور فن تعمیر دونوں کے ارتقاء کی غلط تشریح کرتا ہے، ہندو مندر کا در جس میں دیوار کا بوجھ پتھر (اور بالکل ابتداء میں لکڑی کی شہتیر یا لنٹل) پر ڈالا جاتا تھا، مسلمانوں کی عمارتوں میں بھی نظر آتا ہے، مگر تعمیر کا یہ طریقہ محراب کی جگہ کام نہیں دے سکتا تھا، اس کا استعمال صرف تنوع پیدا کرنے اور آرائش کے لیے کیا گیا۔

البتہ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے فن تعمیر کی کون سی خصوصیات اس کو اسلامی ملکوں کے فن تعمیر سے ممتاز کرتی ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں میں عقائد، تصورات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جمالیاتی معیار کا ایک رشتہ تھا جو کہیں پر ٹوٹا نہیں۔ پھر بھی اس کا اپنا الگ انداز ہے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، جیسے کہ قدرتی ماحول کا اثر یا یہ کہ پتھر کا کام جاننے والے سب ہندوستانی تھے یا یہ کہ مسلمانوں کو آرائش کے ہندوستانی طریقے خاص طور پر پسند آئے، غالباً سب سے بڑا سبب ان سیاسی، سماجی اور اخلاقی مسائل کا ردعمل ہوگا، جس سے مسلمانوں کو ہندوستان میں سابقہ پڑا، ان کے فن تعمیر میں اثبات خودی کی ایک کیفیت ہے، جو ان کے سیاسی اور مذہبی عمل میں نظر نہیں آتی، اس میں انسان اور حالات پر حاوی رہنے کا ایک حوصلہ مضمر ہے جس کا ان کی جدوجہد کے دوسرے میدانوں میں بس ایک ہلکا سا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ہم نے دوسرے سلسلوں میں اس تضاد کا ذکر کیا ہے، جس میں ہندوستانی مسلمانوں کا ذہن مبتلا رہا۔ اس سے رہائی اس کو شاعری اور فن تعمیر میں ملی، جب تک کہ شاعری کی زبان فارسی تھی، ایک بندھے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گذارنے اور معاملات کو سمجھنے اور سمجھانے کی قید سے رہائی، معشوق، ساقی، مے و مستی، وحدت وجود اور خودی کے استعاروں نے دلائی، مگر فارسی بہرحال ایک غیر زبان تھی۔ ہندوستانی مسلمانوں نے ایسی شاعرانہ روایتوں کے ہوتے ہوئے جو ان کے ماحول سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں، ملک کی زبانیں، جیسے کہ ہندی، بنگالی، گجراتی، سندھی اختیار کر کے اور خاص طور سے اردو کی طرح ڈال کر اپنے خاص مزاج کے لیے گنجائش نکالی، فن تعمیر میں ان کو شروع ہی سے پوری آزادی حاصل تھی، اس پر خوف اور نفرت کا کوئی اثر نہیں تھا، قانون اور رسم کی پابندیاں نہیں تھیں، اسے نصب العین اور اغراض کے تضاد سے کوئی واسطہ نہ تھا، استعداد ہوتی، وسائل ہوتے تعمیر کا مسالا ہوتا تو سب کچھ کیا جا سکتا تھا۔

ترک جب ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے تو فن تعمیر بہت ترقی پا چکا تھا۔ لوگ گچ اور چونے کے استعمال سے واقف تھے اور "صحیح" محراب اور گنبد بنا سکتے تھے، دشواریاں یہ تھیں کہ تعمیر کے لیے ضروری مسالا کیسے حاصل کیا جائے اور ایسے راج اور مستری کیسے پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جائیں جنہیں کام کا اتنا تجربہ ہو کہ ان شکلوں کو جو ترکوں کو مرغوب تھیں ہندوستان کے قدرتی ماحول سے مطابقت دے سکیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ شرعی ممانعت کے باوجود مندروں کو توڑ کر پتھر اور دوسرا مسالا حاصل کیا گیا اس تخریب کے لیے یہ عذر کافی نہیں ہے کہ اس زمانے میں موزوں قسم کے پتھر بہت کم یاب تھے اور نئی عمارتوں کو بنانے کے لیے پرانی تعمیرات کو توڑ ڈالنا عام دستور تھا، معماروں کی اس وقت کمی نہ ہوگی مگر ہندوستان کے معمار دراصل سنگ تراش تھے اور تعمیر کے نئے فن کو برتنے کے لیے انہیں کئی پشتوں تک مشق کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی، جمالیاتی نقطۂ نظر سے اس وقت کی کسی عمارت کو جانچنے کے لیے ہمیں اسی بات کو کہنا ہوتا ہے کہ فنی اصول اور طریقوں کو کس طرح قدرتی ماحول سے ہم آہنگ کیا گیا، کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں کو طبیعت اور ان کا مذاق ہم آہنگی کی ترکیبیں نکالنے میں ظاہر ہوا، دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوت الاسلام اپنی قسم کی پہلی عمارت تھی جسے مسلمانوں نے بنوایا، حالات کچھ ایسے ہوں گے کہ قاعدے اور اصول کا خیال نہیں کیا جا سکتا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مسجد کی شکل عبادت گاہ کے بجائے ایک سیاسی انقلاب کی سی ہے، اس سے دین کی قدریں ظاہر نہیں ہوتی ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مظاہرہ کیا گیا ہے کہ جبر کے ذریعے لوگوں کا رویہ اور قدروں کا نظام کیسے بدلا جا سکتا ہے، یہ مسجد مندروں کو توڑ کر بنائی گئی اور غالباً اگر اس کی ابتدائی شکل اب تک قائم رہتی تو ہم کو سیاسی انقلاب کی بے دردیاں زیادہ صاف نظر آتیں، دہلی کے فاتح قطب الدین ایبک نے ایک مینار بھی بنوایا جو غالباً مذنہ تھا مگر یہ لازمی تھا کہ اس مینار کو ایک سیاسی اور تہذیبی حیثیت حاصل ہو جانے اور اس کے نام کی وجہ سے اس کو لوگ چاہیں تو اس کے معمار کی طرف منسوب کریں یا ایک جماعت کے عزم اور استقلال کی طرف اپنی شکل کے اعتبار سے یہ مینار خالص ترکی اسلامی ہے، لیکن اس کے بنانے والے ہندوستانی معماروں کا ذہن حسن ملیح کے خاص تصورات میں ڈوبا ہوا تھا۔ قطب مینار میں اثبات خودی بلکہ مردانہ زور کی صفتیں نظر نہیں آتی ہیں، اس کی مختلف منزلوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سطح میں تنوع پیدا کر کے کتبوں اور بیل بوٹیوں کی پٹیاں ڈال کر ہر منزل پر چھجے اور ان چھجوں کے بوجھ کو سنبھالنے کے لیے محرابوں کے شگوفے بنا کر اس کی جسامت کو بڑی خوبی سے چھپایا گیا ہے، اس کی نزاکت اس کی بلندی کو نمایاں کرتی ہے اور اس کی مخروطی شکل اس کے بوجھ کو اس طرح بنیادوں پر ڈالتی ہے کہ اس کی مضبوطی بہت بڑھ گئی ہے، مینار کی اوپر کی دو منزلیں بعد کو بنائی گئیں اور ناموزوں ہیں۔

قطب الدین ایک خوش مذاق بھی تھا۔ اور اسے عمارتیں بنانے کا شوق بھی تھا۔ اس نے مسجد قوت الاسلام میں بعد کو ایک مقصورہ بنوایا جس کے بیچ میں ایک ۴۵ فٹ اونچی محراب ہے اور اس محراب کے بازوؤں پر دو دو چھوٹی محرابیں، ان میں سے بیچ کی اور دائیں جانب کی دو محرابیں اب تک کھڑی ہیں، بیچ کی محراب میں بہت ہی دلکش تناسب پایا جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے یہاں ایسی ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے جو تصور اور نقشے سے بالاتر ہے اور ہمیں حسن کے انجان عالموں میں پہنچا دیتی ہے، مقصورہ کی سطحی آرائش پھول پتیوں، بیلوں اور آیات قرآنی سے کی گئی ہے، گویا خدا کی آواز آدمی تک لپٹنے والی بیلیں سرگوشی کرتی ہوئی پتیاں پہنچا رہی ہیں، معماروں اور سنگ تراشوں پر جو کیفیت یہاں طاری تھی وہ اور کہیں نظر نہیں آتی۔ قطب الدین نے اجمیر میں ایک مسجد بنوائی جسے اڑھائی دن کا چھونپڑا کہتے ہیں۔ قوت الاسلام کی طرح یہ جلدی میں نہیں بنائی گئی اس کا پیمانہ بہت بڑا ہے اور اس میں سنگ تراشی کے بجائے فن تعمیر کی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں، قطب الدین کے جانشین التمش نے اجمیر کی مسجد کا مقصورہ بنوایا، بدایوں میں ایک مسجد، عیدگاہ اور حوض اور ناگور میں ایک شاندار دروازہ تعمیر کرایا مگر اس کا کارنامہ اس کا اپنا مقبرہ ہے جس کا گنبد گر گیا ہے اور رو کار بھی اپنی اصل صورت میں نہیں ہے، اندرونی حصہ جتنا محفوظ ہے، اس کی سطح اس طرح کتبوں سے سجائی گئی کہ معلوم ہوتا ہے، قدیم ہندو معیار کے مطابق ذرا سی بھی جگہ خالی چھوڑنے سے پرہیز کیا گیا اور کتبوں میں مختلف خطوط کی ایسی آمیزش ہے گویا ان سے بیل بوٹوں کا کام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا گیا ہے، التمش نے اپنے لڑکے ناصر الدین کا جو مقبرہ بنوایا وہ باہر سے قلعہ معلوم ہوتا ہے، اندر اس میں متانت اور سکون برستا ہے، غالباً پہلے قبر کے اوپر برج تھا اب صرف چبوترہ ہے اور مغرب کی طرف مسجد کا خاکہ سا ہے، عمارت میں غم کی فضا پیدا کرنے میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔

علاء الدین کے زمانہ تک کوئی ایسی عمارت نہیں بنی جسے فنی اعتبار سے اہمیت حاصل ہو، پھر بھی سلجوق طرز تعمیر کا اثر پڑ چکا تھا۔ اس کا بہت اچھا ثبوت علائی دروازہ کا حسین طرز ہے یہ قطب مینار کے قریب مسجد قوت الاسلام کی چہار دیواری کی جنوبی سمت میں ہے اور اس کی تعمیر کے ساتھ مسجد کا صحن نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے سبب سے بہت بڑھا دیا گیا، دروازے کو مسجد کے بقیہ حصے سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک چمکتے ہوئے ہیرے کی سی ہے، جو فولادی انگوٹھی میں جڑ دیا گیا ہو لیکن اس میں اتنی کشش ہے کہ نظر اسی پر جم جاتی ہے اور گردو پیش کا خیال نہیں رہتا۔

علائی دروازہ کی عمارت ساٹھ فٹ اونچی اور چوکور ہے اور اس کے اوپر ایک دبا ہوا گنبد ہے، بیرونی تین سمتوں میں محرابی در ہیں جو ایک وضع کے ہیں، چوتھا اور جس سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں بالکل الگ نوعیت کا ہے، بیچ کا حصہ ایک بڑا ہال ہے، بیرونی سمت کی تینوں محرابیں اونچی، پتلی اور بہت متناسب ہیں، اس قسم کی جسے کشتی کی ڈاٹ کہتے ہیں اور یہ بعد کی کسی عمارت میں نہیں ملتی ہیں، انہیں باہر کی طرف سنگ مرمر کے ابھرے ہوئے کتبوں کا حاشیہ دیا گیا ہے اور محراب کے شکم میں برچھیوں کی جھالر ہے، محرابوں کو مرمریں پاکھوں کا سہارا دیا گیا ہے اور باقی دیوار کی سطح سنگ مرمر کے مستطیل حاشیوں اور کتبوں سے آراستہ کی گئی ہے، جس کی تکرار بڑی حسین معلوم ہوتی ہے، سرخ اور سفید رنگوں کی آمیزش میں بہت خوش نما توازن ہے اور اگرچہ منبت کاری خاصی پیچیدہ ہے، اس سے نظر کو تھکن کے بجائے تسلی محسوس ہوتی ہے، کئی حاشیے اور بیل بوٹے ہندوستانی وضع کے ہیں اور چوتھے در کی نیم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دائرہ محراب کسی اسلامی طرز کے مطابق نہیں ہے، یہ بین طور پر معلوم ہوتا ہے کہ علائی دروازہ کے معمار نے کسی ایک وضع کی پابندی نہیں کی، مگر اس میں وہ انفرادیت اور انوکھا پن ہے جو فن کے ایک نئے اور کامیاب تصور میں ہوا کرتا ہے۔

ایک لحاظ سے علائی دروازہ وہ کیفیت ظاہر کرتا ہے جب سماج کی قوت اور خود اعتمادی حسن ملیح کی طلب پیدا کرتی ہے، غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ایسی حالت کا آئینہ ہے، جب یہ اندیشہ تھا کہ جماعت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور اس حالت میں نزاکت اور نفاست کی قدروں یا آرائش کے شوق کو بھی نمایاں کرنا گویا تہذیب و تمدن کو خطرے میں ڈالنا، تحفظ کے اخلاقی سہاروں کو کمزور کرنا تھا۔

غیاث الدین تغلق کا مقبرہ سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی عمارت ہے جو پہاڑی کی سنگین شاخ پر بنائی گئی، اس کی احاطہ بندی تناسب کو مدنظر رکھ کر نہیں بلکہ پہاڑی کی شاخ کی جو شکل تھی، اس کے مطابق کی گئی۔ احاطہ قلعہ کی دیوار معلوم ہوتا ہے اور اس کے داخلے کے دروازہ کو ایسا گھونگھٹ دیا گیا ہے، جس سے اندر جانے والے کو محسوس ہو کہ وہ موت کے منہ میں اپنا سر دے رہا ہے، پھر بھی اس میں سادگی کا خاص حسن ہے، مقبرہ خود چوکور ہے اور اس کی پشتہ نما دیواریں ۷۵ کا زاویہ بناتی ہیں، اس مخروطی بنیاد پر ایک بڑا سنگ مرمر کا گنبد قائم کیا گیا ہے، مقبرہ کے تین طرف جو در ہیں، ان میں محراب اور لنٹل کی وضع کو ملایا گیا ہے اور اس کا کلس ہانڈی اور خربوزہ کی خالص ہندوستانی شکل کا ہے، ایک نقاد نے مقبرہ کے کئی فنی عیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے، مثلاً درون کے سرے کو جس چوکھٹے میں رکھا گیا ہے، وہ کافی ابھرا ہوا نہیں ہے، کنگرے بہت چھوٹے ہیں اور سنگ مرمر کی جن تختیوں سے دیوار کی آرائش کی گئی ہے، وہ بہت حقیر معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ان تفصیلات کی طرف توجہ کی جاتی تو سادی مخروطی شکل پر ایک زبردست گنبد رکھنے سے جو اثر پیدا ہوا ہے وہ زائل ہو سکتا تھا اور چاہے عمارت کی خوبصورتی کچھ بڑھ جاتی اس کی وہ مردانی شان نہ رہتی جو اب نظر آتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تغلق عہد کی اور عمارتیں ہیں جنہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تنوع پیدا کرنے اور نئے طریقوں کو آزمانے کا سلسلہ جاری رہا، کھڑکی، مسجد اور کلاں مسجد کی اونچی کرسی اور قلعہ کی سی شکل انہیں ممتاز کرتی ہے، فیروز شاہ کے محل نے بعد کے محلوں کے لیے نمونے کا کام دیا، خان جہان تلنگانی کے مقبرے میں جدتیں کی گئی ہیں، فیروز تغلق کے حوصلے بہت بڑے تھے مگر وسائل کی کمی نے اس کی تعمیرات کو نمایاں خوبیوں سے محروم رکھا، اس کے مرنے کے بعد سلطنت ہی ختم ہوگئی، ۱۳۹۹ء میں امیر تیمور نے چند عمارتوں کو چھوڑ کر باقی سب کو مسمار کر دیا، شیر شاہ سوری کے زمانے تک دہلی میں کوئی عمارت نہیں بنی جسے فنی اعتبار سے ممتاز سمجھا جا سکتا ہے۔

سلطنت دہلی کے زوال کے بعد بنگال، جونپور، مالوہ، گجرات اور دکن میں جو حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے ہر ایک نے تعمیر کا اپنا الگ طرز اختیار کیا۔ ملتان میں شاہ بہاء الحق (وفات ۱۲۶۲ء) اور شاہ رکن عالم (وفات قریب ۱۳۲۰ء) کے مزار پنجاب کے فن تعمیر کے نمونے ہیں اور ان کا دہلی کے طرز پر اثر پڑا۔ مگر ان کی وجہ سے فن تعمیر کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوا، پنجاب میں ایسی فنی روایات بھی نہیں تھیں جن سے مسلمان معمار فائدہ اٹھا سکتے۔ بنگال میں آب وہوا، قدرتی ماحول، تعمیر کے مسالے اور قدیم فنی روایات نے مسلمانوں کے فن تعمیر کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا، عمارتوں کی خصوصیات کی بنا پر اس کے تین دور قائم کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا ۱۲۰۰ء سے ۱۳۴۰ء ایک اور تیسرا ۱۴۴۲ سے ۱۵۷۶ء تک پہلے دور کے بہت کم آثار ملتے ہیں، تربنی میں ایک مسجد بنی تھی جس نے سکندر شاہ ۱۳۸۹۔۱۳۵۸ء کی تعمیر کردہ آدینہ مسجد کے لیے خاکہ کا کام دیا اور ایک مینار کے بھی کھنڈر ملے ہیں، جو غالباً قطب مینار کی نقل تھا۔ موجودہ عمارتوں میں جو فن کے لحاظ سے نمایاں ہیں، سب دوسرے اور تیسرے دور کی ہیں اور پانڈوا اور گور میں پائی جاتی ہیں۔

پانڈوا کی آدینہ مسجد اور گور کا داخلی دروازہ دونوں اعلیٰ تخیل اور فنی حوصلہ مندی کا پتہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں، آدینہ مسجد نمازیوں کے ہجوم کو ذہن میں رکھ کر بنائی گئی تھی اور آج کل کی شکستہ حالت میں بھی اس سے عظمت اور قوت ٹپکتی ہے۔ اس کی محرابیں جو نیچے اور بہت موٹے پایوں سے گویا اوپر کی طرف جاتی ہیں، اپنی مثال نہیں رکھتیں، مغربی جانب کی دو کانیں بڑی خوش مذاقی کے ساتھ اسلامی اور ہندوستانی جمالیاتی تصورات اور روایتوں کی خوشہ چینی کی گئی ہے، داخلی دروازہ ساٹھ فٹ اونچا پچھتر فٹ چوڑا اور سامنے سے پیچھے کی طرف ۱۱۳ فٹ گہرا ہے، اس پرشکوہ جسامت کو دیدہ زیب بنانے کے لیے چاروں کونوں پر گاؤدم اور نمایاں پاکھے دیے گئے ہیں اور تقریباً ایسے ہی پاکھے در کے دونوں طرف ہیں۔ روکار کی سطح کو ابھار کر اور دبا کر دھوپ چھاؤں کی ایک موثر کیفیت پیدا کی گئی ہے، گور کی سونا مسجد، چھوٹا سونا مسجد اور نھو مسجد اور پانڈوا کی سونا مسجد سب اپنی اپنی جگہ حسن اور آرائش کی نزاکت کے ممتاز نمونے ہیں۔ قدم رسول مسجد اور فتح خان کی مسجد اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہیں کہ بانس کے جھونپڑوں کی طرح ان میں اینٹ اور نے سے ماہی پشت چھت بنائی گئی ہے۔

جونپور کے شرقی خاندان نے فن تعمیر کے بہت نمایاں منصوبے پورے کیے، ان سے دو، اٹالہ دیوی مسجد، جو ۱۴۰۸ء میں تیار ہوئی اور جامع مسجد جو ۱۴۷۰ء میں بنی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اٹالہ دیوی کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی نام کے مندر کی جگہ بنائی گئی۔ فنی اعتبار سے اس میں کئی جدتیں نظر آتی ہیں، اس کے مقصورہ کے مرکزی در کو اس طرح ابھارا گیا ہے گویا ساری عمارت بلندی کی طرف جارہی ہے اور اسے بلندی کی طرف تہذیب کی قوت نے نہیں مائل کیا ہے بلکہ انسان کے قوائے فطری کی بے پناہ طاقت نے۔ مسجدوں میں عام طور سے مغربی جانب یعنی پچھمیت کی روکار سپاٹ ہوتی ہے، اٹالہ دیوی میں کونوں پر گاؤدم پشتے بنا کر اور وسطی حصے گاؤدم پشتون کے علاوہ اس پورے حصے کو باہر کی طرف نکال کر بہت موثر انداز سے نقشے میں تنوع پیدا کیا گیا ہے۔ مجموعی حیثیت سے عمارت گھٹی ہوئی ہے اور قوت کے ذریعے حسن کے تصور کو پیش کرنے کی نہایت کامیاب کوشش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جامع مسجد کا نقشہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اٹالہ دیوی کا، مگر اس کا پیمانہ بہت بڑا ہے اور اس میں فن کا خاص کرشمہ دو ایوان ہیں جو پچاس فٹ لمبے، چالیس فٹ چوڑے اور پینتالیس فٹ اونچے ہیں۔ ان کی چھتیں محرابی شکل کی ہیں اور اس طرح ان کا سارا بوجھ دیواروں پر ڈال دیا گیا ہے، جونپور کی ان مسجدوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے بالائی حصہ میں عورتوں کے لیے الگ انتظام کیا گیا ہے۔

مالوہ کی عمارتوں پر دہلی کا طرز بہت اثر انداز ہوا۔ یہاں بھی ہمیں سلامی دار دیواریں، آہی شکل کی محرابیں، محراب اور لنٹل کی آمیزش اور دبے ہوئے گنبد ملتے ہیں۔ یہاں کی عمارتوں کی کرسی بہت اونچی دی گئی ہے اور اس کے علاوہ زمینوں کو آرائش اور زینت اور عمارت کو قدرت کے قریب تر لانے کا ذریعہ بنایا گیا ہے، مالوہ کی آب و ہوا دہلی سے بہت مختلف ہے اور وہاں کی نیچی نیچی پہاڑیاں درختوں اور سبزے سے اس طرح ڈھکی ہوئی ہیں کہ معمار کے دل میں نئے نئے طریقوں سے فن اور قدرت کو ہم آہنگ کرنے کے حوصلے پیدا ہوئے ہوں گے، مالوہ کے خاص طرز کی بیشتر عمارتیں مانڈو میں ملتی ہیں، جس کا مقام بہت حسین ہے اور یہاں کے بادشاہ اگرچہ وہ بھی خوں ریزی کی عادت میں اپنے معاصروں کی طرح گرفتار تھے، مجبور ہو گئے ہوں گے کہ مانڈو کو لطف و جمال کا گہوارہ بنائیں۔ معماروں کی اپنی استعداد کافی نہیں تھی یا انہوں نے جو مسالا استعمال کیا اس نے وفا نہیں کی، اس لیے مانڈو کی کئی عمارتوں کی چھتیں گر گئی ہیں مگر جو کچھ اس وقت موجود ہے اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ معماروں کی طبیعت پر قدرتی ماحول کا کتنا اثر تھا۔ اور ان میں عظمت کا احساس دلانے کے ساتھ حسن آفرینی کی خواہش کو پورا کرنے کی کیسی تڑپ تھی۔

مالوہ کے طرز کے پہلے نمونے دھار کی مسجدیں ہیں، جس میں سب سے ممتاز ملک مغیث کی مسجد ہے، یہ عمارت کے لحاظ سے آدھی مسلمان آدھی ہندو ہے اور اس میں ابتدائی مشق کی خامیاں پائی جاتی ہیں، اس مشق سے جو پختگی پیدا ہوئی وہ مانڈو کی عمارتوں میں نظر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتی ہے اور یہیں ہم تخیل کی وہ بے نظامی دیکھتے ہیں جو آخری دور کی خصوصیت ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرام طلبی اور جمالیاتی ذوق معقولیت کی حد سے گذر گیا تھا۔

مانڈو کی جامع مسجد جو پندرہویں صدی کے وسط میں بنی، مالوہ کے پختہ یا کلاسکی طرز کی پہلی اور شاید سب سے نفیس مثال ہے، اس کا بڑا دروازہ مشرق کی طرف ہے اور میدان سے ۵۵ فٹ آگے نکلا ہوا ہے، چونکہ کرسی بہت اونچی ہے، اس لیے زینوں کی بدولت دروازہ میں ایک خاص شان پیدا ہوگئی ہے، در کے دونوں مرمری پاکھوں کی منبت کاری بہت حسین ہے اور مشرق کی جانب کی روکار میں اس منبت کاری اور ان حاشیوں کے علاوہ جو سطح کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، کوئی اور آرائش نہیں ہے، مسجد کے صحن میں تین طرف دودری ایوان ہے اور ہر چار دروں کے اوپر ایک گنبد ہے، مسجد کے ڈھکے ہوئے حصے کو جو ۲۲۸ فٹ لمبا اور ۸۲ فٹ گہرا ہے، پایوں کی قطاروں کے ذریعے کئی ایوان میں تقسیم کیا گیا ہے، جن کی چھت ۵۸ گنبدوں پر مشتمل ہے مگر مرکزی حیثیت تین ایوانوں اور ان کے گنبدوں کو حاصل ہے، جن میں سے سب سے بڑا بیچ میں اور ایک دائیں ایک بائیں جانب ہے، آرائش میں بہت ضبط سے کام لیا گیا، اس لیے جتنی ہے اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

مانڈو کی جامع مسجد ہوشنگ شاہ نے تعمیر کرائی اور اس نے وہیں اپنا مقبرہ بھی بنوایا، مگر اس کی تکمیل اس کے لڑکے نے کی، غیاث الدین تغلق کے مقبرے کی طرح ہوشنگ شاہ کے مقبرے کی شان و شوکت اس کی سادگی میں ہے، ہوشنگ کا مقبرہ پیمانے میں زیادہ بڑا ہے، مگر جس قوت کا مظاہرہ تغلق کے مقبرے میں کیا گیا ہے، وہ یہاں کس قدر شائستگی کے رنگ میں رنگی ہے۔ مقبرہ ایک اونچے وسیع چبوترے کے بیچ میں ہے، وہ شکل میں مربع ہے اور اس کے اوپر بڑا بیچ میں کس قدر دبا ہوا گنبد ہے، چاروں کونوں پر مخروطی برجیاں ہیں جو صرف تنوع نہیں پیدا کرتی ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے سیاسی معنی بھی رکھتی ہیں، مقبرہ ناقص قسم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سنگ مرمر کا بنا ہے، مگر جامع مسجد سے اسے جو رابطہ دیا گیا ہے اور دونوں کے درمیان جو فنی ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے، وہ ایسے کمال کا ثبوت دیتی ہے کہ مغل اور دکنی معماروں نے ان دونوں عمارتوں کو مطالعہ اور مشاہدہ کا خاص موضوع بنایا۔

مانڈو میں اور عمارتیں بھی ہیں۔ جہاز محل اور ہندولا محل جنہیں غیاث الدین نے بنوایا۔ غیاث الدین کی عیش پرستی ضرب المثل تھی اور یہ عمارتیں فن تعمیر کی عجائبات میں شمار ہوتی ہیں۔ مگر وہ فنی خوبیوں سے خالی نہیں ہیں۔ ان کی تعمیر میں سادگی کی روایات کی پیروی کی گئی اور جسامت کے احساس کو قدرتی ماحول سے ہم آہنگ کر کے ایک لطیف کیفیت پیدا کی گئی ہے۔

ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت گجرات میں مسلمانوں کے فن تعمیر پر ہندو کاری گروں کے فنی تصورات اور ذوق کا بہت زیادہ اثر پڑا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ یہاں ڈاٹوں کا رواج اور فنی اعتبار سے اس کے جو فوائد ہیں ان کا یقین بہت آہستہ آہستہ ہوا، احمد آباد اور دوسرے مقاموں پر کوئی سو برس تک تجربہ کرنے کے بعد معماروں کو آہنی شکل کی محراب بنانے میں مہارت حاصل ہوگئی اور عمارتوں کے حسن میں اسلامی تعلیمات کا مخصوص جمالیاتی پرتو نظر آنے لگا لیکن احمد آباد کی جامع مسجد میں بھی جو ۱۴۲۳ء میں تیار ہوئی، یہ تصور کہ عبادت گاہ وہ جگہ ہے جہاں عبادت کرنے والے کندھے سے کندھا ملا کر سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں کھڑے ہوں، پرستش کے ہندو تصور پر حاوی نہیں ہو سکا ہے جس کے مطابق ہر شخص الگ پوجا کرتا ہے اور مسجد کے مرکزی حصہ میں ستونوں کا ایسا ہجوم ہے کہ نمازیوں کی جماعت چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

پٹن کی مسجد جو چودھویں صدی کے شروع میں بنی، گجرات کی مسجدوں کا پہلا نمونہ ہے۔ تعمیر کا یہ پہلا دور کوئی سو برس تک چلا۔ احمد شاہ (۱۴۱۱ء-۱۴۴۲ء) کے عہد کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتداء ہوئی، جس میں بڑے بڑے فنی حوصلے حسب منشا تکمیل کو پہنچے اور اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دارالسلطنت احمد آباد کا شماران شہروں میں ہوتا ہے جو فن تعمیر کے بہت سے حسین نمونوں سے آباد ہیں۔ احمد آباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ ''ایک زندہ'' بڑھتے ہوئے امیدوں سے لبریز طرز کی مثال ہے ....گویا عمارتوں کا بننا پھولوں کا کھلنا ہے، جس سے طبیعت کی شگفتگی عیاں ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنانے والوں کا خیال اور نظریہ زندگی خون کی طرح گردش کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کے ذریعے ان چیزوں میں پہنچ گیا ہے جو ان کے ہاتھوں نے بنائی ہیں''۔ اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے۔ اس لیے کہ روشنی کا پہلے رخ بدلا جاتا ہے، پھر اس کا عکس اس طرح سے ڈالا جاتا ہے کہ پوری مسجد میں روشنی یکساں پھیلتی ہے، مرکزی اور بغلی حصوں کی ترتیب کہ اس مسئلے کو بہت خوش نما طریقے سے حل کرتی ہے کہ بلندی کے رجحان سے روشنی کی ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے اور عمارت کی تقریباً ہر خصوصیت ایسی ہے کہ فن تعمیر سے کسی بھی دلچسپی رکھنے والے کو تعریف کرنے پر مجبور کردے گی۔ جامع مسجد سے احمد شاہ کے محل تک جو راستہ تھا اس پر تین دروازہ کے نام کا ایک فتح دروازہ ہے، اب اس کے گرد دوکانیں ہیں، جس کی وجہ سے اس کی شان جاتی رہی ہے مگر اس کے محرابوں کا حسن اب بھی نمایاں ہے۔

سلطان محمود بیگڑا کا عہد لمبا تھا اور خوش حالی کا زمانہ بھی۔ چمپانیر کو دارالسلطنت بنانے کی وجہ سے فن تعمیر کے لیے نئے منصوبے فراہم ہوگئے، چمپانیر کی جامع مسجد کا نقشہ کم و بیش احمد آباد کی جامع مسجد کا سا ہے، مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں کے بغیر بھی فن تعمیر کا کمال دکھایا جاسکتا ہے، کیونکہ اس مسجد میں سنگ تراش کی چھینی نے جو کچھ کردیا تھا اسی سے رنگ اور سونے اور پچے کاری کی چمک دمک پیدا ہوگئی تھی۔ اس مسجد میں آہنی ڈاٹ اور لنٹل کی بڑی خوبی سے آمیزش کی گئی ہے۔ مسجد اور صحن کی نسبت بہت اچھی ہے اور بڑے گنبد کی پخ دار چھت کے نیچے دوہری کھڑکیوں کے ذریعے روشنی کا انتظام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سلیقے سے کیا گیا ہے مسجد کا درمیانی حصہ تین منزلوں کا اور ۶۵ فٹ اونچا ہے اور ہر منزل پر حجرے ہیں جن میں سکون کے خواہش مند مراقبہ کر سکتے ہیں۔ شیدی سعید کی مسجد چھوٹی ہے مگر اپنی نفیس جالیوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے اور ان میں سے ایک جو ''کھجور اور طفیلی پودے'' کی وضع کی ہے، ساری دنیا میں ایک شاہ کار مانی جاتی ہے، رانی سپاری کی مسجد فن تعمیر میں ایک نگینہ کا درجہ رکھتی ہے لیکن اس میں ہندو ذوق کا اتنا گہرا اثر نظر آتا ہے کہ وہ بس کہنے کو مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے۔

گجرات کے مقبروں میں سب سے ممتاز شیخ احمد کھٹو، سید عثمان اور سید مبارک کے مزار ہیں۔ بائی حریر نے ۱۵۵۰ء میں ایک باغ، مسجد اور باؤلی بنوائی جو ایک مجموعے کے اعتبار سے بہت حسین ہیں۔ احمد آباد میں بہت سے حوض ہیں جن کے پانی روکنے اور نکالنے کے دروازوں کو بہت اہمیت حاصل ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چیز کو خوبصورت بنانے کی خواہش کتنی عام تھی۔

دکن کی ممتاز پرانی عمارتوں میں سے بیشتر گلبرگہ، بیدر، گولکنڈہ اور بیجاپور میں ہیں، شمالی ہندوستان سے جو انجینئر اور معمار دکن گئے یا جلاوطن کر کے بھیجے گئے، وہ اپنے مذاق اور فنی روایات کو ساتھ لے گئے، دکن کے فن تعمیر پر ایرانی تہذیب کا بھی بہت اثر پڑا، مگر دکن کی تعمیرات اپنی الگ نوعیت رکھتی ہیں، اگرچہ خارجی اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شروع کی عمارتوں میں گلبرگہ کی جامع مسجد نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اس کی انوکھی صفت یہ ہے کہ اس میں کوئی صحن نہیں، پوری مسجد ڈھکی ہوئی ہے۔ نظر کے سامنے گنبدوں کا ہجوم آتا ہے، جن پر مرکزی ایوان کا عالی شان گنبد چھایا ہوا ہے، اس کا قطر چالیس فٹ ہے اور اسے دریچوں کے پٹیا برج پر قائم کیا گیا ہے، مسجد کے داخلے کا دروازہ شمال کی طرف ہے اور اس دروازے کو بلندی دے کر محرابوں کی اس قطار میں جو مسجد کی روکار ہے، تنوع پیدا کیا گیا ہے، مسجد کا اندرونی حصہ چوکور ایوانوں پر مشتمل ہے، جن کی محراب دار چھتیں موٹے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضبوط پایوں پر قائم کی گئی ہیں جو وزن اور استقلال کی مثال معلوم ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس عمارت میں خیال کی شوخی زیادہ ہو اور حسن نسبتاً کم مگر وہ حوصلہ مندی اور فنی جدت کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔

۱۴۲۵ء میں گلبرگہ کے بجائے بیدر بہمنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا گیا اور ۱۴۸۸ء کے بعد اس سلطنت کے چار خود مختار حصے ہو گئے، تعمیرات کے نقطہ نظر سے ان حصوں میں سب سے اہم بیجاپور ہے، بیدر میں محمود گاوان کا مدرسہ جس طرز پر بنا ہے وہ بالکل اجنبی ہے، قطب شاہی مقبروں میں ایرانی مذاق کے مطابق رنگین مائیل لگا کر حسن آفرینی کی کوشش کی گئی ہے، بیجاپور کی عمارتوں کے علاوہ ممتاز حیثیت صرف حیدر آباد کے چار مینار کو حاصل ہے، جس کی تعمیر ۱۵۹۱ء میں ہوئی، یہ ایک عظیم الشان فتح دروازہ ہے، رقبہ میں سو مربع فٹ اور اس کے چاروں کونوں پر مینار ہیں جن کی چوٹی زمین سے ۱۸۶ فٹ اونچی ہے، اس کی وضع بہت موثر اور اس کی تزئین پر تکلف ہے، مگر اس میں تہذیبی انحطاط کا رنگ بھی ہے۔

بیجاپور کی عمارتوں میں ایک نرالا پن ہے، جس کا کوئی خاص سبب ہوگا، مگر اس کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا، جامع مسجد، ابراہیم روضہ، گول گنبد اور مہتر محل وہاں کے مثالی نمونے ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ ہم کسی قدر مشترک کی طرف اشارہ نہیں کر سکے، سوائے اس کے کہ ہر ایک اپنی جگہ پر فنی استعداد اور جمالیاتی ذوق کا مظہر ہے، بیجاپور کے گنبدوں میں دائرے کی گولائی ہے.......... مگر یہاں کے معماروں نے کسی بات کو عادت نہیں بنایا، معلوم ہوتا ہے ان میں اس کی قدرت تھی کہ ہر وضع اور طرز سے حسن آفرینی کا مقصد پورا کرلیں۔

بیجاپور کی جامع مسجد کا نقشہ بہت سادہ اور سلجھا ہوا ہے، اس میں تزئین کی طرف بھی کچھ نمایاں توجہ نہیں کی گئی ہے، مگر دیکھنے والے پر اس کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے، مسجد کی تعمیر علی عادل شاہ (۱۵۵۸-۱۵۸۰) کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کی تکمیل ایک صدی بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت کے زوال کے وقت ہوئی، پھر بھی اس میں حسن کامل کا رنگ نظر آتا ہے، مسجد کی سب سے ممتاز صفتیں اس کا گول سجیلا گنبد اور دو منزلہ محرابوں کا ایوان ہے اور اس کے مرکزی ایوان کی وسعت اور ہلکی آرائش دینی اور جمالیاتی ذوق کو تسکین پہنچاتی ہے، ابراہیم روضہ دو جوابی عمارتوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک مقبرہ ہے، دوسری مسجد اور دونوں ایک باغ کے اندر چبوترے پر بنی ہیں جو ۳۶۰ فٹ لمبا اور ۱۵۰ فٹ چوڑا ہے، یہ صاف ظاہر ہے کہ عمارتیں بنانے کا مقصد ایسی تخلیق تھی جو ہر اعتبار سے کامل ہو اور ہندوستان کی بہت کم عمارتیں ہیں جن میں چھوٹی سی چھوٹی بات پر اتنی توجہ کی گئی اور ہر کام اتنی نفاست سے کیا گیا، جتنی کہ ان دو عمارتوں میں بروئے کار لائی گئی، مسجد کے مقابلہ میں مقبرہ زیادہ پر تکلف ہے، اس کا حسین دائرہ نما گنبد دریچوں کے ایک برج پر تاج کی طرح رکھا گیا اور دریچوں کے برج کو محرابوں کے دو منزلہ اٹھائے ہوئے ہے، اندر سے مقبرہ سرتا سر مزین ہے مگر آرائش کی افراط میں وہ نظم اور خوش اسلوبی ہے کہ کوئی چیز ضرورت سے زائد نہیں، تعمیر، منبت کاری اور تزئین کی قدروں کو اس طرح ہم آہنگ کرنے کی بہت کم مثالیں ملیں گی۔

غالباً اس وجہ سے کہ ابراہیم روضہ سے بہتر عمارت بنانا ممکن نہیں تھا، ابراہیم عادل شاہ کے جانشین محمد عادل شاہ ۱۶۵۷-۱۶۲۷ نے طے کیا کہ اپنے لیے ایسا مقبرہ بنائے جس سے ابراہیم روضہ کا کسی طرح مقابلہ کیا ہی نہ جا سکے، اس کا مقبرہ جسے عرف عام میں گول گنبد کہتے ہیں، علم ہندسہ کی بنیادی شکلوں کا ایک عظیم الشان مجموعہ ہے جس میں دو سو فٹ کے مربع پر ایک گول گنبد ہے، جس کا قطر ۱۴۴ فٹ ہے اور کل عمارت کی بلندی دو سو فٹ ہے، اس کا گنبد غالباً دنیا میں سب سے بڑا ہے، روم کی مشہور عمارت میں تھیون سے اس کا رقبہ بہرحال زیادہ ہے، گول گنبد میں آرائش سے پرہیز کیا گیا ہے، اس کا چوڑا چھجہ، کنگورے چاروں کونوں کے برج دیکھنے میں بہت بوجھل معلوم ہوتے ہیں، وضع کے اعتبار سے ابراہیم روضہ سے زیادہ مختلف کوئی عمارت ہو ہی نہیں سکتی اور گول گنبد کو خالص فنی نقطۂ نظر سے دیکھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو وہ زیادہ موثر کارنامہ ہے، کیونکہ اتنے بھاری گنبد کے بوجھ کو محرابوں اور دیواروں پر تقسیم کرنا بڑا ہی مشکل کام تھا۔

جو عمارت مہتر محل کے نام سے مشہور ہے، دراصل ایک مسجد کا دروازہ ہے، غالباً دروازہ اور مسجد دونوں کی تعمیر ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں کی گئی اور وہ اس دور کے طرز اور خوش مذاقی کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔ مہتر محل کی روکار دو نازک پشتوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ یہ پشتے اوپر جا کر حسین برجیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ عمارت کی سب سے نمایاں چیز ایک دریچہ ہے، جس کے آگے ایک توڑون پر قائم کی ہوئی شہ نشین نکلتی ہے اور جس کے اوپر چوڑا سا سائبان ہے.......... ہر ہر چیز کو خوش نما بنایا گیا ہے اور اس پر بڑی دیدہ ریزی سے منبت کاری کی گئی ہے گویا سنگ تراش کے ہاتھ میں پتھر موم ہو گیا۔

صوبائی ریاستوں کے ساتھ ان کا طرز تعمیر بھی ختم ہو گیا، دہلی میں خاندان سادات اور لودھیوں نے تعمیر کا سلسلہ تو جاری رکھا مگر ان کے وسائل بہت محدود تھے، ان کے زمانے میں جس طرز کی ابتداء ہوئی اس کی تکمیل شیر شاہ کی تعمیرات میں ہوئی۔ جنھوں نے فن اور حسن کاری کے لیے نئے راستے بھی نکالے۔ ان تعمیرات میں سب سے ممتاز شیر شاہ کا مقبرہ اور پرانے قلعے کی مسجد ہے

شیر شاہ کا مقبرہ ایک بہت بڑے حوض کے بیچ میں بنا ہے۔ اس کی بنیادیں ڈھائی سو مربع ہیں اور بلندی ڈیڑھ سو فٹ ہے، اس کی عظیم الشان جسامت کا اثر ان تمام ترکیبوں کے باوجود قائم رہتا ہے، جو اسے ایک خاص شکل دینے کی خاطر کی گئی ہیں۔ اس کی مربع کرسی اور بنیاد پر ہشت پہل عمارت کھڑی کی گئی ہے اور اوپر برجیوں میں سے گنبد اٹھایا گیا ہے، جس کی چوٹی پر کلس ہے، ساری عمارت سے قوت اور مردانگی ٹپکتی ہے اور اس کا فوراً ذہن پر اثر پڑتا ہے، اس کی تعمیر سنگ ڈامر سے کی گئی ہے اور شروع میں اس کی آرائش نیلے، سرخ اور زرد ٹائلوں کی پٹیوں سے کی گئی تھی، گنبد سفید تھا اور کلس سنہرا۔ اب اس کا رنگ بھدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی نہیں بلکہ ناگوار سہی، پھر بھی شاید وہ اس شخصیت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جس کے آثار یہاں دفن ہیں۔ ممکن ہے گول گنبد فنی اعتبار سے زیادہ ندرت رکھتا ہو مگر وہ تعمیر کا کرشمہ ہے، اس سے عمارت اور شخصیت، انسان اور اس کی یادگار کی ہم آہنگی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف شیر شاہ کے مقبرہ کو دیکھ کر اس کی شخصیت، اس کے حوصلوں اور اس کی کارگذاری کا خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے، شیر شاہ "شاہ ابن شاہ" نہیں تھا۔ ایک معمولی فوجی افسر اور جاگیردار کا لڑکا تھا، حالات بھی اس کے لیے کچھ بہت سازگار نہ تھے، اس کے باوجود وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی کر کے پٹھانوں کا قائد بن گیا، اس نے ہمایوں کو شکست دے کر ملک کے باہر نکال بھگایا اور پورے شمالی ہندوستان کا فرماں روا بن گیا، اس نے شکست خوردہ اور مایوس پٹھانوں کو یقین دلایا کہ وہ مغلوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور اپنی پانچ سال کی حکومت میں ایسی اصلاحات کیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعل راہ بن گئیں۔ فن جنگ میں اس کی قابلیت اتنی تھی کہ اس نے مغلوں کے توپ خانے کو جس کے بل پر بابر نے فتوحات حاصل کی تھی، بے اثر کر دیا، شیر شاہ کے مقبرے میں اس کے بلند پرواز حوصلے، اس کی اعلیٰ ہمت، اس کی نمایاں کامیابیاں مجسم ہیں، غالباً انہیں اس طرح مجسم کرنا اس کا مقصد بھی تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالاروں کو اپنے سوچے ہوئے طریقوں کے مطابق لڑنا سکھایا اور فن تعمیر کے ماہروں سے ویسی عمارتیں بنوائیں جیسی کہ اس کے ذہن میں تھیں۔

پرانے قلعے کی مسجد شیر شاہ کی شخصیت کے ایک اور پہلو پر روشنی ڈالتی ہے، یہ مسجد خاص بادشاہ کے لیے بنی تھی، دینی یا سیاسی علامت نہیں تھیں، اسی وجہ سے اس کا پیمانہ بھی چھوٹا رکھا گیا مگر چھوٹے ہونے کی وجہ سے وہ اور گٹھی گٹھی اور مضبوط گویا قوت اور استقلال کا نمونہ معلوم ہوتی ہے، فنی اعتبار سے وہ اس سلسلے کی تکمیل کرتی ہے جس کی کڑیاں موٹھ کی مسجد، جمالا مسجد اور کھڑکی مسجد ہیں اور اگرچہ وہ ان تینوں سے کہیں زیادہ حسین ہے مگر اسی ایک سانچے میں ڈھلی ہوئی لگتی ہے، اس میں کچھ شباہت قلعہ سے ہے جس کا مقصد کسی خیالی دشمن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مرعوب کرنا نہیں بلکہ مومن کی لازوال قوت ایمانی اور اس کے ذوق کو ظاہر کرنا ہے، اس کی روکار پانچ گنبدی محرابوں پر مشتمل ہے، جس کے مہرے بہت متناسب مستطیل ہیں۔

اندر کا حصہ پانچ ایوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور آرائش کی شکلوں کی ایسی تکرار ہے جو پر سکون ہم آہنگی کا احساس دلاتی ہے اور ایسی وحدت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو وجدان اور معرفت کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔

ابراہیم روضہ، گول گنبد اور قطب شاہی مقبروں کی تعمیر کے زمانہ ہی میں شمالی ہندوستان میں مغلوں کی حکومت تھی اور دکن اور شمالی ہند کی اس دور کی عمارتوں کا مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو اس طرز تعمیر کی خصوصیات واضح ہو جائیں گی۔ جو مغلوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ابراہیم روضہ اور مہتر محل میں انتہائی شائستگی اور حسن مذاق نظر آتا ہے، مدرسۂ محمود گاوان اور قطب شاہی مقبرے ایرانی طرز تعمیر اور تہذیب عمارت کو بغیر کسی تبدیلی کے اختیار کرنے کی مثالیں ہیں، مغل شہنشاہوں نے کسی روایت اور کسی معیار کی آنکھ بند کر کے پابندی نہیں کی مگر اپنے تخیل اور خوش مذاقی کی بدولت پرانی روایات میں ایک نئی جان ڈال دی، سلطنت دہلی ایسے زمانے میں قائم ہوئی جب تاتاری حملوں نے اسلامی دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام کو تہ و بالا کر دیا تھا اور موقع کے لحاظ سے جس اثبات خودی کی ضرورت تھی اس کا عکس اس دور کی سیاست کی طرح اس کی تعمیرات میں بھی نظر آتا ہے، مغل سلطنت کے بانی بابر کو بہت سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جب کہ اس کے وسائل حقیر اور ساتھی ناقابل اعتبار تھے، مگر یہ تدبیر اور تقدیر کے کھیل تھے جو مرد آدمی کھیلا کرتے تھے اور ان کی ہمت کا اندازہ اس سے کیا جاتا تھا کہ وہ کامیابی اور ناکامی سے کیا اثر لیتے۔ اکبر اور شاہ جہاں کو اثبات خودی کی وہ کیفیت جو تغلق کے مقبرے میں نظر آتی ہے، بھونڈی لگتی اور اس شان کو دیکھ کر جو شیر شاہ کے مقبرہ میں ہے، وہ مرعوب نہ ہوتے، وہ عمارت کو تہذیب اور کردار کی شائستگی، نفاست اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوت کے ایک نئے تصور کا ترجمان بنانا چاہتے تھے اور اگرچہ ان کا حوصلہ یہ تھا کہ ایسی چیز بنائیں جس پر زمانہ کے گذرنے کا اثر نہ ہو، وہ اس کی پوری کوشش کرتے تھے کہ عمارت پر بے حرکت اور بے جان مسالا ہونے کا گمان نہ ہو۔ انسانی شخصیت کا جو خاکہ ان کے ذہن میں تھا۔ اس میں حوصلہ اور کارپردازی کے ساتھ وہ قدریں بھی شامل تھیں جو زندگی میں حسن اور دلربائی پیدا کرتی ہیں اور جو کچھ معمولاً محنت اور صبر سے حاصل ہوتا ہے، اسے وہ جمالیاتی احساس کی شدت سے حاصل کر لینا چاہتے تھے، مغلوں کی تعمیرات میں صرف دولت کے کرشمے اور فن کی خوبیاں نہیں نظر آتی ہیں بلکہ شخصیت کا ایک نصب العین، شعر کی لطافت، باغ اور پھول اور بہتے پانی کا مزہ۔

مغلوں کی اہم تعمیرات کا سلسلہ ہمایوں کے مقبرہ سے شروع ہوتا ہے جسے اس کی ملکہ حاجی بیگم نے بنوایا۔ مقبرہ ایک رسمی باغ اور نہروں کا مرکزی نقطہ ہے، باغ کی چہار دیواری میں آمنے سامنے چار دروازے ہیں اور خاص دروازہ مغرب کی طرف ہے، باہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ ایک آرائشی اوٹ (SCREEN) ہے، جو آسمان سے اتار کر لگائی گئی اور جس کے در سے مقبرہ کے حسن اور نزاکت کا جلوہ نظر آتا ہے، مقبرہ کی ادا ایرانی ہے، کیونکہ اس وقت تک ایسے گنبد، گنبدی محرابیں، کمرے اور غلام گردشیں صرف ایران ہی میں بنتی تھیں، اس میں ہندوستانی رنگ چاروں کونوں پر برجیاں بنا کر اور آرائش میں ضبط اور سادگی سے کام لے کر پیدا کیا گیا ہے، مگر ایرانی اور ہندوستانی ذوق کی آمیزش ایسی کامل ہے کل عمارت اور اس کے اجزاء کا تناسب ایسا صحیح ہے کہ اس کے حصوں یا خصوصیات کو الگ الگ کر کے ان کا جائزہ لینا کچھ بے جا سا معلوم ہوتا ہے، ہمایوں کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی بات معلوم نہیں جو اس کی شخصیت کو ممتاز کرتی ہو، اس کے مقبرے میں جو عظمت ہے وہ اسے نصیب تھی اور خیال ہوتا ہے کہ اس کے اپنے اوصاف نے نہیں بلکہ کسی کی محبت نے اسے ایسی یادگار کا مستحق بنا دیا۔ تہذیبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہی محبت تھی جس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکام تدبیروں، بھگوڑے کی زندگی، فریب اور بربادی کے مجموعے کو اپنی قوت تخلیق کی بدولت ایسی عمارت کی شکل دے دی جو استقلال، حسن اور شاعرانہ لطافت کا بے مثل نمونہ ہے۔

ہمایوں کے مقبرے کی تعمیر جب شروع ہوئی تو اکبر کو تخت پر بیٹھے آٹھ سال ہو چکے تھے اور دارالسلطنت دین پناہ (دہلی) سے آگرہ منتقل ہو گیا تھا، دہلی میں اس کے بعد چند عمارتیں بنیں جیسے کہ ادھم خان یا اتکا خان کے مقبرے، مگر انہیں کوئی اہمیت نہیں حاصل ہے، تعمیرات کے کام آگرہ، فتح پور سیکری، لاہور، الہ آباد اور اجمیر میں ہوئے۔

اکبر کی بنوائی ہوئی عمارتیں اس کے سیاسی اور دینی تصورات کی مگر ان کے علاوہ اس کی سیرت کی اور خصوصیات کی بھی ترجمانی کرتی ہیں، اس نے تعمیر کے لیے بیشتر سرخ پتھر استعمال کیے اور سوائے سیکری کی جامع مسجد کے اندرونی حصہ اور اس کے مقبرہ کے دروازے کے، سنگ مرمر صرف اس حد تک استعمال کیا گیا ہے کہ رنگ کی یکسانیت نظر کو ناگوار نہ ہو۔ اس کی طبیعت افراط کو ناپسند کرتی تھی اور یہ بات کہ اس نے کئی اقامتی قلعے بنوائے سمجھ میں آجاتی ہے، اگر ہم یاد رکھیں کہ اس وقت بڑے شہروں میں بادشاہ کے رہنے کے لیے محل نہیں تھے، غالباً سیکری میں محل، سرکاری دفتر اور بڑے عہدہ داروں کے مکان بنوانے کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ بننے کے چند سال بعد یہ چھوڑ دیے گئے لیکن اکبر کے دل میں کوئی ایسی چیز بنانے کا حوصلہ، جو تصور کے لحاظ سے اور دیکھنے میں بھی اعلیٰ ہو، ایسا شدید تھا کہ وہ اس پر قابو نہ پا سکا، جب ایک نیا شہر آباد کرنے کا موقع نظر آیا۔

سیکری کی عمارتیں قریب ساڑھے تین سو برس سے بیکار پڑی ہیں اور اب بھی ان میں مسالے اور پتھر سے زیادہ وہ تصور نمایاں ہے جس کی بدولت وہ وجود میں آئیں، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعمیر کا سبب کوئی بہت ہی موثر جذبہ ہوگا۔

اکبر کی تعمیرات کا سلسلہ آگرہ کے قلعے سے شروع ہوتا ہے، جہاں پانچ سو سے اوپر گجرات اور بنگال کے طرز پر بنی ہوئی نفیس عمارتیں کھڑی کی گئیں، اکبر کا ذوق کسی قسم کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات کا پابند نہیں تھا۔ اس نے سارے ملک سے معمار اور کاریگر جمع کیے اور اپنے منصوبوں کو ان کے لیے اظہار خودی کا ذریعہ بنایا، افسوس ہے کہ شاہ جہاں نے ان سرخ پتھر کی عمارتوں کو شاہی محل کے قابل نہ سمجھا، جب کہ بہتر مسالا اور زیادہ وسائل فراہم تھے اور اس نے انہیں ہٹا کر اپنے منشاء کے مطابق عمارتیں بنوائیں۔ اب اکبر کے دور کی ان عمارتوں میں سے صرف قلعے کی فصیل اور دروازے اور جہاں گیری محل باقی ہے، یہ محل رہائشی کمروں اور دالانوں کے مجموعے کا نام ہے اور اس میں ہندو طرز تعمیر کو مسلمانوں کے طریق زندگی کے لیے مناسب بنانے کی کوشش کی گئی ہے، قلعے کی فصیل ڈیڑھ میل کے قریب لمبی اور ستر فٹ اونچی ہے اور اسی کے ساتھ اس کے کنگروں، موکھوں اور راستہ کو دیکھیے تو وہ فن کا ایک اعجوبہ معلوم ہوتی ہے، دروازوں میں سے دہلی دروازہ عام آمد و رفت کے لیے تھا، باہر سے یہ شائستہ قوت اور استقلال کا پتہ دیتا ہے اور اندر سے کشادگی اور متانت کا۔

فتح پور سیکری کی فضا اب خانہ خالی کی سی ہے، اس کی عمارتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک مشتمل ہے دیوان عام، دیوان خاص، حرم، بارہ دریوں، صحنوں، دفتروں اور عہدہ داروں کے مکانوں پر، دیوان عام ایک بہت بڑا گھیرا ہے جو دربار اور فوج کے معائنہ کے لیے تھا، اس کے برخلاف دیوان خاص بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور اس میں بادشاہ کے لیے ایسا مقام رکھا گیا ہے، گویا اس کا ایک مصرف بادشاہ پرستی بھی تھی۔ صحنوں میں سے ایک میں بہت بڑی چوسر پچیسی کی بساط ہے، جس میں مہروں کی جگہ لونڈی، غلاموں کو رکھا جاتا تھا، عمارتوں کے دوسرے حصہ میں جامع مسجد، اس کے دروازہ اور شیخ سلیم چشتی کے مزار کو شمار کیا جا سکتا ہے، جامع مسجد اور اس کے صحن میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں، دروازہ اندر کی طرف سے صحن کی وسعت کو دیکھتے ہوئے کچھ بہت بڑا نہیں لگتا، باہر کی طرف سے وہ ایسا شاندار ہے کہ اس کا جواب دنیا میں شاید ہی کہیں ملے۔ شیخ سلیم کا مزار سنگ مرمر کا ہے، اس کے برآمدے کی چھت گجراتی وضع کے توڑون پر جمائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی ہے اور جالیوں میں کاریگری کا کمال دکھایا گیا ہے، جامع مسجد میں محرابی اور شہتیری طرز تعمیر کو بڑی خوش اسلوبی سے ہم آہنگ کیا گیا ہے اور اس کے مرکزی اور بغلی دالانوں میں جو تہذیب اور منبت کاری کا کام کیا گیا ہے، اس پر ایک بارگی نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے شگفتہ پھولوں کا ہجوم سامنے آ گیا ہے۔

جامع مسجد کا جنوبی دروازہ جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، گجرات کی فتح کی یادگار کے طور پر بنوایا گیا اور اس کی تعمیر کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی نسلیں اکبر کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ بالکل نیچے سے زمینوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ بیالیس فٹ اوپر دروازہ کی بنیادوں تک جاتا ہے، دروازہ خود ایک سو چونتیس فٹ اونچا ہے، اس کی رو کار کے تین حصے ہیں، ایک مرکزی، دو بغلی اور بغلی حصے پیچھے کی طرف مڑے ہوئے ہیں، مرکزی حصہ ایک عالی شان گنبدی محراب پر مشتمل ہے، جو دروازے کی فنی اور جمالیاتی اعتبار سے سب سے ممتاز صفت ہے، نیم گنبد کی گولائی پانچ درجوں سے گزرتی ہے اور بنانے والے نے بڑی خوبصورتی سے ان پانچ درجوں کے ذریعے گنبدی محراب کی بلندی کو قد آدم در کی پستی سے ملایا ہے، بالکل اوپر کنگورے ہیں اور ان کے پیچھے نازک برجیوں کی ایک قطار، یہ گویا تاج ہے ایسے حوصلے کا جو صرف سیاسی نہیں بلکہ تہذیبی مقاصد کا علم بردار تھا۔

اکبر کے مقبرے کو اس کی شخصیت اور نصب العین کا آخری اور سب سے مکمل نقش ہونا چاہیے تھا۔ ایک لحاظ سے وہ ہے بھی۔ اکبر کی اصل قبر زمین کی سطح پر ہے، مقبرہ پانچ منزلوں کا اور ہر منزل کے مرکزی نقطے پر ایک نمائشی تابوت ہے، آخری منزل پر تابوت ایک کھلے صحن میں ہے، اس کے اوپر نہ گنبد ہے نہ برجی، صحن کے چاروں طرف جالی کی دیوار ہے اور کونوں پر سنگ مرمر کی نازک سی برجیاں، یہاں موت کوئی راز یا اچنبھے کی بات نہیں معلوم ہوتی، قدرت کا ایک عاشق اس کی گود میں سو رہا ہے، اسے دھوپ چھاؤں، سردی گرمی سے کوئی مطلب نہیں، وہ ایک گہری نیند سو رہا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی اسے اٹھائے لیکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمارت کے مجموعے میں یہ خیال کچھ دب سا گیا ہے، مقبرہ کا دروازہ صنعت کا کرشمہ ہے، اس میں سنگ سرخ کی سرخی مرمری بیلوں میں اس طرح گم ہو ہو جاتی ہے، گویا گوشت و پوست کھل کر خالص روح بن گئے ہیں، پھول اپنی ہی خوشبو میں حل ہو گئے ہیں، چار حسین مینار ہماری نظروں کو اوپر کی طرف لے جاتے ہیں، مادی دنیا کو اپنے جمال کے سہارے فضا کی بلندیوں میں گم کر دیتے ہیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس دروازے کو کھڑے دیکھتے رہیں، قیاس کہتا ہے کہ اس سے آگے اور اس سے بہتر کچھ ہو ہی نہیں سکتا، مگر قدم ہیں کہ آگے لیے چلے جاتے ہیں اور ہمیں دروازے سے گزار کر مقبرہ کے باغ میں پہنچا دیتے ہیں، یہاں نظر کچھ مایوس ہوتی ہے، مقبرے کی کرسی ایک وسیع چوکور چبوترا ہے، جو گنبدی محرابوں کی قطاروں پر قائم کیا گیا ہے اور ہر طرف بیچ میں گنبدی محراب کو اونچا کر کے اور اس کے اوپر مرمری برجی بنا کر قطاروں کی یکسانیت کو دور کیا گیا ہے مگر جو شان کرسی میں ہے، وہ اصل عمارت میں نہیں ہے، کیونکہ اس کی منزلیں نیچی نیچی ہیں اور تعمیر کی کوئی خصوصیت اسے ممتاز نہیں کرتی۔

اکبر کا مقبرہ جہاں گیر کے زمانہ میں بن کر تیار ہوا۔ جہاں گیر کو خاص شوق مصوری اور باغات کا تھا۔ ویری ناگ اور چشمہ شاہی چشموں کو محصور کر کے بنائے گئے اور ان کا حسن صرف ان کی اپنی نہروں اور پھولوں میں نہیں ہے بلکہ اس منظر اور طلوع اور غروب کی کیفیتوں میں ہے جس کا لطف وہاں بیٹھ کر اٹھایا جا سکتا ہے، تعمیرات میں اکبر کے مقبرے کے علاوہ صرف اعتمادالدولہ کا مقبرہ قابل ذکر ہے، اس نفیس گٹھی عمارت کے پچے کاری کے کام اور جالیوں کی بہت تعریف کی گئی ہے مگر اس میں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ تعمیر کے فن پر تہذیب عمارت کا فن بالکل غالب آ گیا ہے۔ اعتمادالدولہ کی طرح جہاں گیر کے اپنے مقبرے میں بھی خاص چیز آرائش اور تہذیب کا کام ہے۔

شاہ جہاں کے عہد میں تعمیرات کا ایک دور شروع ہوا جس میں فنی روایات کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیروی کی گئی ہے مگر بہت سوچ سمجھ کر اور سلیقے سے اور جدتوں میں ان اقدار کا لحاظ رکھا گیا ہے جو تعمیر کے مسالے میں مضمر ہیں۔ تعمیر میں نئی چیز جس کا دل کھول کر مگر بغیر اصراف کے استعمال کیا گیا، سنگ مرمر ہے جس کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مکرانہ میں دستیاب ہو گیا تھا، شاہ جہاں نے پہلے آگرہ کے قلعے میں ترمیمیں اور اضافے کیے، دیوان عام بالکل نئے سرے سے بنایا گیا، اس کے در کشادہ ہیں، اس لیے سبک معلوم ہوتے ہیں اور ستونوں اور مرغولوں کی باریک سنگ موسیٰ کی لکیروں سے مرصع کاری ایک عجیب رونق پیدا کر دیتی ہے، دیوان خاص کی محرابیں اپنے تناسب کی وجہ سے بہت حسین معلوم ہوتی ہیں اور یہاں یہ جدت کی گئی ہے کہ محرابوں کے پائے دہرے کر دیے گئے ہیں لیکن قلعہ کی عمارتوں میں شاہ جہاں نے جو اضافے کیے ان میں سب سے زیادہ موثر اور ممتاز موتی مسجد ہے، اس کے در اور ایوان، سبک برجیاں، مقابلے اور جواب کی کیفیتیں، حسن، توازن اور صفائی کی وہ فضا پیدا کرتی ہیں جو عبادت کرنے والے کے دل پر طاری ہونی چاہئیں۔

مگر شاہ جہاں کی حوصلہ مند طبیعت موتی مسجد جیسی عمارتیں بنا کر بھی مطمئن نہیں ہوسکتی تھی، اس کی ملکہ ممتاز محل کا ۱۶۳۱ء میں انتقال اور اسی وقت سے وہ ایک ایسی عمارت کا خواب دیکھنے لگا جو بظاہر مقبرہ لیکن معنوی اعتبار سے ممتاز محل کی شخصیت اور محبت کو اس طرح سے عیاں کرے کہ دنیا اسے صدیوں تک ذوق اور حیرت سے تکتی رہے، جس زمانے میں یہ مقبرہ، جس نے تاج محل کا نام پایا بن رہا تھا، شاہ جہاں نے دہلی میں قلعہ، مسجد اور شاہ جہاں آباد نام کے ایک نئے شہر کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا، آگرہ میں اس نے اپنی لڑکی جہاں آرا کے نام سے ایک مسجد بنوائی جس کی ۱۶۴۸ء میں تکمیل ہوئی۔ اسی دوران میں وہ آگرہ اور لاہور کے قلعوں میں پرانی عمارتوں کو ہٹا کر اپنے نزدیک بہتر عمارتیں بنواتا اور چھوٹے موٹے اضافے کرتا رہا۔

دہلی کے لال قلعے کی فصیل ایک مستطیل بنائی ہے، جو تین ہزار ایک سو فٹ لمبی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساڑھے سولہ فٹ چوڑی ہے، اس فصیل میں دو دروازے ہیں، ایک جنوب میں خاص محل والوں کی آمدورفت کے لیے اور ایک مغرب میں دربار اور سرکاری کاموں سے آنے جانے والوں کے لیے دروازہ کا نقشہ بہت سادہ اور سلجھا ہوا ہے، پھر بھی اس میں فوجی مصلحتوں اور تعمیری حسن کا جس طرح لحاظ رکھا گیا ہے، وہ اسے فنی اعتبار سے ایک کامل نمونہ بنا دیتا ہے، دروازہ سے گذرتے ہی ہم ایک بلند اور چوڑے چھتے میں پہنچتے ہیں اور اس کے بعد ایک چوراہہ ہے، جہاں جنوبی دروازہ سے آنے والی سڑک ملتی ہے، اس کے آگے ایک احاطہ سا ہے، جس کے اندر شاہی اور حرم سرا کی عمارتیں ہیں، سب سے پہلے نوبت خانہ ہے، جہاں دن کے پہروں کو راگوں اور راگنیوں کے ذریعے بتایا جاتا تھا اور اسی کے مقابلے پر دیوان عام ہے، دائیں اور بائیں جو کچھ تھا، وہ اب موجود نہیں ہے اور لال قلعہ کی قسمت سے کچھ بہت ہی بدنما فوجی بیرک کھڑے کر دیے گئے ہیں، جنہیں دیکھ کر طبیعت الجھتی ہے، دیوان عام کے مشرق میں ایک باغ ہے، جس کے شمالی حصہ میں نہریں، حوض اور ساون بھادوں کے نام کی چودریاں ہیں، محل کی عمارتیں اس باغ کے مشرقی جانب دریا کے کنارے بنی تھیں اور ان میں دیوان خاص، رنگ محل اور حمام ممتاز ہیں، یہ سب سنگ مرمر کی ہیں، ان کے درون کی محرابیں ان کی قیمتی مگر نپی تلی آرائش ان کی نہریں اور اتھلے، خوش نما حوض زندگی کے ایسے حسن کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو مادیت سے بالکل پاک ہو، حقیقت کچھ اور تھی، یہ محل بلا وجہ آبادی اور چہل پہل سے محروم نہیں ہوئے لیکن فن تعمیر کے کمال نے ان میں ایسی جان ڈال دی کہ اب بھی در و دیوار سے شان و شوکت ٹپکتی ہے۔

لال قلعہ کی دنیاوی عظمت کا دینی جواب دہلی کی جامع مسجد اب بھی نماز اور نمازیوں سے آباد ہے، رقبہ کے لحاظ سے یہ ہندوستان کی سب سے بڑی مسجد ہے اور اسے اتنی اونچی کرسی دی گئی ہے کہ وہ شہر پر حاوی ہوگئی ہے، فنی اعتبار سے یہ ایک کامل نمونہ اور تنقید سے بالاتر ہے لیکن اس میں ہر چیز کا حساب اتنا صحیح ہے کہ اس کا حسن ذوق سے خالی معلوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے، اس میں عبادت تو خدا کی ہوتی ہوگی مگر اس بات کا اثر بھی عمارت میں آگیا ہے کہ چاروں طرف مغل شہنشاہ کی حکومت تھی، اس کے برخلاف آگرہ کی جامع مسجد پر جو رقبہ میں دہلی کی جامع مسجد کی آدھی ہے، عبادت گاہ کا رنگ غالب ہے اور اسے دیکھ کر خیال نہ شہنشاہیت کی طرف جاتا ہے، نہ دنیا کے بھروسوں کی طرف۔

دہلی کی جامع مسجد اور تاج محل میں تعمیر کی دو شکلیں، مسجد اور مقبرہ، اپنے کمال کو پہنچ گئیں، دونوں کی خصوصیتیں ارتقائی منزلوں میں صدیوں پیچھے تک مختلف عمارتوں میں دیکھی جاسکتی ہیں لیکن اگر ایک طرف جامع مسجد کا حسن بے عیب ہے تو دوسری طرف تاج محل میں معمار کا تصور ان بلندیوں تک پہنچ گیا ہے، جہاں عمارت شعر اور نغمہ مل کر وجد کی ایک کیفیت بن جاتے ہیں، تاج محل کی مادی خصوصیات بیان کی جاسکتی ہیں، اس کا نقشہ اتنا سادہ ہے کہ کہا جاسکتا ہے، اس میں کوئی بات ہی نہیں، وہ جمنا کے کنارے بنا ہے، ایک احاطہ کے اندر جس کے رقبہ اور مقبرہ کی عمارت کے درمیان صرف وہ تناسب نہیں ہے جو دو شکلوں کے درمیان ہونا چاہیے، بلکہ وہ ہم آہنگی ہے جو سروں میں ہوتی ہے، احاطے کے جنوب میں ایک عالی شان دروازہ ہے اور توازن کے لیے اس طرف دونوں کونوں پر ہشت پہل بارہ دریاں ہیں، دروازے سے گذر کر تاج محل پر نظر پڑتی ہے تو وہ خاصا چھوٹا سا لگتا ہے، اس لیے کہ باغ کی چوڑائی ایک ہزار فٹ ہے، دروازہ سے تاج تک جو راستہ ہے اس کے بیچ میں ایک چوڑی نہر ہے اور باغ کے بیچ میں زمین سے اوپر اٹھا ہوا حوض ہے، جس میں ہر وقت تاج کا عکس پڑتا رہتا ہے، مقبرہ ایک اونچے چبوترے پر ہے، یہاں بھی توازن کے خیال سے مشرق اور مغرب میں جوابی عمارتیں ہیں جن میں سے ایک مسجد ہے اور دوسری مہمان خانہ کہلاتی ہے، مقبرہ کا چبوترہ بائیس فٹ اونچا اور چوکور ہے اور اس کے ہر کونے پر ایک مینار ہے، مقبرہ کی عمارت بھی چوکور ہے اور اس کے اندر کمروں اور غلام گردشوں کی ترتیب ویسی ہی ہے، جیسے کہ ہمایوں کے مقبرہ کی لیکن تاج کا گنبد مختلف ہے، گنبد کے نیچے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ یعنی پٹیا برج زیادہ اونچا ہے اور کلس بھی الگ سے لگائی ہوئی چیز نہیں بلکہ عمارت کا جزو معلوم ہوتا ہے، کلس کو شامل کر کے تاج کی بلندی ۱۸۷ فٹ ہے۔

تاج میں جو سنگ مرمر لگا ہے، وہ بھی اس کی خوبیوں میں سے ہے، کیونکہ یہ پتھر روشنی اور فضا کی بدلتی ہوئی کیفیتوں کا اثر اس طرح لیتا ہے، گویا وہ ان کا آئینہ بن گیا ہے لیکن یہی پتھر دوسری عمارتوں میں بھی استعمال کیا گیا اور وہاں اس میں یہ صفت نظر نہیں آتی، دراصل تاج کے نقشہ کا حسن ہی پتھر میں اتر آیا ہے، اس شخص کے لیے جو ہندوستانی مسلمانوں اور خاص طور سے مغلوں کے فن تعمیر کا منزل بہ منزل مشاہدہ کرتا آیا ہو اسے تاج محل میں اس فن کی تمام قدروں کی تکمیل نظر آئے گی اور اسے محسوس ہوگا کہ یہاں فن تمام بندشوں سے آزاد ہو گیا ہے، مسالا، چونا، پتھر، وہ تمام ٹھوس مادی چیزیں جن کا عمارت کی مضبوطی اور پائداری کی خاطر بہت صحیح حساب لگانا پڑتا ہے، تاج میں ایسی لطیف ہیئت اختیار کر لیتی ہیں کہ مادیت کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا، ہمایوں کے مقبرہ میں شعر کا رنگ ہے اور خانخاناں کے مقبرہ میں کلاسکی ضبط کا تو تاج محل ایک شاعرانہ خیال ایک داردہ قلبی ہے، جو الفاظ اور بیان کا محتاج نہیں، جو لوگ ہندوستانی مسلمانوں کے یا کہیں کے بھی فن تعمیر سے واقف نہیں ہیں، تاج محل ان کی آنکھیں بھی کھول دیتا ہے، گویا وہ کسی ایک ملک اور کسی ایک قوم کی چیز نہیں ہے بلکہ ہر زمانے اور ہر تہذیب میں پرورش پائے ہوئے انسان اسے اپنا کہہ سکتے ہیں، وہ ان تمام لوگوں کی آرزو پوری کرتا ہے، جن کے دلوں میں محبت ہے اور ان کے جسم خاک ہو جائیں گے، تو ان کی روحیں محبت کے اس نقش کو محفوظ رکھیں گی، اس طرح تاج کا زمان و مکان سے تعلق صرف ایک حد تک ہے، وہ ایک بادشاہ اور اس کی ملکہ کی محبت کی یادگار نہیں بلکہ نوع انسانی کو اس کا یقین دلانے کا ذریعہ ہے کہ عشق میں لازوال حسن بن جانے کی قدرت ہے۔

تاج محل کے بعد بھی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا، لاہور میں وزیر خان کی مسجد اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہی مسجد میں نئے طرز کو آزمایا گیا، لال قلعہ میں اورنگ زیب نے موتی مسجد بنوائی، اٹھارہویں صدی کے وسط میں صفدر جنگ کا مقبرہ تعمیر ہوا، ان سب عمارتوں میں اپنی اپنی خوبیاں ہیں مگر کوئی ممتاز صفت نہیں ہے، تاج محل میں جو قوت تخلیق اپنی معراج کو پہنچتی تھی، وہ پھر زمین پر واپس نہ آسکی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفاہ عام کے کام

از: مولانا عبدالسلام ندویؒ

تمدن کے ضروری اجزاء میں چند چیزیں ایسی ہیں، جن سے تمام مخلوق یکساں طور پر فائدہ اٹھاتی ہے اور اس میں امیر وغریب، ہندو اور مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہوتی، انہی چیزوں کو رفاہ عام سے تعلق ہوتا ہے اور مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں رعایا کے آرام و آسائش کے لیے ہندوستان میں نہایت وسیع پیمانے پر تمدن کے ان ضروری اجزاء کو ترقی دی، چنانچہ ان سب کی تفصیل یہ ہے:

شفاخانہ: اسلامی عہد حکومت میں سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے جو ۷۵۲ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ایک بہت بڑا شفاخانہ جس کو صحت خانہ بھی کہتے تھے، قائم کیا اور اس میں بہت سے طبیب، جراح اور کحال مقرر کیے، مریضوں کی دوا اور غذا کا انتظام کیا اور شفاخانے کے مصارف کے لیے بہت سے دیہات وقف کیے۔(۱)

تاریخ فیروز شاہی میں صرف اسی ایک شفاخانہ کا حال لکھا ہے لیکن تاریخ فرشتہ میں ہے کہ فیروز شاہ نے پانچ شفاخانے قائم کیے تھے۔(۲)

اس کے بعد سلطان علاء الدین بن سلطان احمد شاہ بہمنی المتوفی ۷۵۷ نے احمد آباد بیدر میں ایک نہایت عمدہ شفاخانہ قائم کیا اور مریضوں کی دوا و غذا کے مصارف کے لیے اس پر چند گاؤں وقف کیے۔(۳)

(۱) تاریخ فیروز شاہی، حصہ دوم، ص ۳۵۳ تا ۳۵۹۔ (۲) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۵۱۔ (۳) ایضاً، ص ۳۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ دکن میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین پہلا شخص تھا، جس نے دکن کے شہروں میں شفاخانے قائم کیے اور اطباء کی تنخواہ اور دوا کے مصارف کا انتظام سرکاری خزانہ سے کیا۔(۱)

اسی صدی میں سلطان محمود خلجی نے جو ۸۳۹ھ میں یعنی سلطان علاء الدین کی تخت نشینی کے چند ہی سال بعد مالوہ کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ۸۴۹ھ میں شادی آباد میں ایک شفاخانہ قائم کیا اور دوا اور دوسرے ضروری سامان کے لیے اس پر چند گاؤں وقف کیے اور حکیم مولانا فضل اللہ کو مریضوں اور مجنونوں کے علاج و نگرانی کے لیے مقرر کیا۔(۲)

ان بادشاہوں کے بعد سلاطین تیموریہ میں سب سے پہلے جہاں گیر نے شفاخانوں کے قیام کی طرف توجہ کی اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی جو احکام جاری کیے، ان میں نواں حکم یہ تھا:

> ''نہم در شہر ہائے کلان دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماران تعین نمایند، وانچہ صرف وخرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند''۔(۳)

اس کے علاوہ دور اکبری و جہاں گیری میں ایک مشہور طبیب حکیم علی تھے جو ذاتی طور پر تقریباً ٦ ہزار سالانہ کی دوائیں مستحقین کو تقسیم کرتے تھے۔(۴)

جہاں گیر کے بعد شاہ جہاں کا دور حکومت شروع ہوا تو گو اس نے خود کوئی جدید شفاخانہ نہیں قائم کیا لیکن امرائے شاہ جہانی میں وزیر خاں نے جو سات سال سے زیادہ مدت تک پنجاب کے صوبہ دار رہے، اپنی یادگار میں جو آثار خیر چھوڑے ان میں شفاخانے بھی تھے۔(۵)

---

(۱) تاریخ دکن، ص ۸۷۔ (۲) فرشتہ، ج ۲، ص ۲۴۸۔ (۳) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۵۔

(۴) مآثر الامراء، حصہ اول، ص ۵۷۳۔ (۵) ایضاً، حصہ سوم، ص ۹۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم گیر کے زمانہ میں بھی متعدد شفا خانے قائم تھے، اگرچہ تاریخوں میں اس کا مفصل حال مذکور نہیں ہے تاہم جابجا ضمنی طور پر ان کا تذکرہ آجاتا ہے، مثلاً مرآۃ احمدی میں ایک موقع پر لکھا ہے:

''ویک ہزار و پانصدہ ہشتاد روپیہ بموجب برآورد بنا بر ترمیم مدرسہ، مسجد و حمام و دار الشفائے بنا کردہ سیف خان تنخواہ گردید''۔(۱)

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے:

''وخدمت دار الشفاے بلدہ از تغیر حکیم محمد تقی شیرازی بحکم رضی الدین مقرر گشت''۔(۲)

عالم گیر کو چونکہ یہ خاص خیال تھا کہ تمام سرکاری کام نہایت دیانت اور ایمانداری کے ساتھ انجام پائیں، اس لیے اس نے ایک بار ایک سوانح نگار اور شفا خانے کے ایک طبیب کو جو ان اوصاف سے معرا تھے، برطرف کر دیا، ملا سعد اللہ نے جو بندر سورت میں رہتے تھے اور عالم گیر کو ان کے ساتھ اس قدر عقیدت تھی کہ وہ جن لوگوں کی سفارش کرتے تھے، ان کو ضرور قبول کرتا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے خطوط کا جواب لکھتا تھا، ان دونوں کی بحالی کی سفارش کی اور عالم گیر نے ان کی سفارش سے ان کو بحال کر دیا، تاہم اس کی عقیدت میں بہت کچھ فرق آگیا، پہلے ان کے خطوط کا جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا لیکن اس معاملہ میں اہل کاروں سے خط لکھوایا کہ آپ جیسے فاضل فقیر اور پرہیز گار کو صرف فقراء وعلماء کی سفارش کرنی چاہیے، یہ ظالم لوگ ہیں اور ظالموں کی اعانت ممنوع ہے، بہرحال اس دن سے ان کے خطوط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھنا کم کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم گیر کو اور تمام محکموں کی طرح شفا خانوں کے انتظام کا کس قدر خیال تھا۔(۳)

سرائے: اسلامی دور حکومت میں سب سے پہلے سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانہ میں جو

---

(۱) مرآۃ احمدی، ج۱، ص۲۰۹۔ (۲) ایضاً ص۳۷۵۔ (۳) خافی خاں، ج۲، ص۴۱۱ و ۵۶۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۲۵ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، سرایوں کا پتہ چلتا ہے، جب اس کے عہد میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، تو اس نے ایک ایسے شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہا، جو دائرے کے ساتھ مرکز کی نسبت رکھتا ہو، تا کہ وہاں ممالک محروسہ کی تمام بری بھلی خبریں یکساں طور پر پہنچتی رہیں اور اگر کوئی حادثہ یا کوئی مرض پیدا ہو جائے تو اس کا تدارک و علاج آسانی کے ساتھ کیا جا سکے، راجہ بکرماجیت نے اوجین کو جو وسط ہند میں واقع ہے، اسی غرض سے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا اور سلطان محمد تغلق شاہ کو بھی اس کے ارکان دولت نے یہی مشورہ دیا لیکن بعض لوگوں نے اس مقصد کے لیے دیوکر کا انتخاب کیا اور بادشاہ نے بھی اسی رائے کو پسند کیا اور حکم دیا کہ دلی کے تمام لوگ دیوکر میں جا کر آباد ہو جائیں، اب دیوکر کا نام دولت آباد قرار پایا اور دلی اور دولت آباد کے درمیان ہر منزل میں سرائیں بنائی گئیں اور راستوں کے کنارے سایہ دار درخت نصب کیے گئے تا کہ مسافروں کو آمد و رفت میں آسانی ہو۔(۱)

اس کے بعد سلطان محمود بیگڑہ نے گجرات میں مسافروں کے آرام و آسائش کے لیے نہایت کثرت سے عمدہ عمدہ سرائیں بنوائیں (۲)، اسی صدی میں سکندر لودی نے جو ۸۹۴ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ان تمام مقامات میں جہاں ہندو اشنان یعنی غسل کرتے تھے، سرائے، مسجد، مدرسہ اور بازار بنوائے۔(۳)

سکندر لودی کے بعد شیر شاہ المتوفی ۹۵۲ھ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس کے فاصلے پر سرائیں بنوائیں اور حکم دیا کہ ان میں مسافروں کو کھانا دیا جائے۔(۴)

خافی خان لکھتا ہے:

”در سراہا طعام پختہ و خام برائے مسافرین و مترددین مسلمین و ہنود وقرار دادہ جہت پختن آن غلامان و نوکران نگاہ داشتہ بود گویند آش پران

(۱) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۳۶۔ (۲) مرأت سکندری، ص ۷۵۔ (۳) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۸۶۔ (۴) ایضاً، ج ۲، ص ۱۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سراہائے ہند کہ بہ بھٹیارہ و بھٹیاری زبان زد مردم ہند گردید، انداز اوراہما نہا ماندہ اند و مقرر نمودن اسپان سرکار در سراہا برائے زود رسیدن اخبار مختلفہ روزگار بدربار بطریق ڈاک از اختراع اوست"۔(۱)

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شیر شاہ نے بنگالہ اور سنار گاؤں سے آب سند تک جس کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس کی ہے، کوس کوس بھر کے فاصلے پر سرائیں بنوائیں اور ہر سرائے میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے کھانے کا انتظام کیا اور راستہ میں دو طرفہ پھل دار درخت مثلاً جامن اور کھرنی وغیرہ نصب کرائے، اسی طرح آگرہ سے مندو تک جس کی مسافت تین سو کوس کی ہے، سرائیں اور مسجدیں بنوائیں اور راستہ میں میوہ دار درخت لگوائے (۲)، اس حساب سے بنگال اور سند کے راستہ میں ڈیڑھ ہزار اور آگرہ سے مندو تک تین سو سرائیں تعمیر ہوئیں۔

شیر شاہ کی وفات کے بعد جب سلیم شاہ اس کا جانشین ہوا تو اس نے بنگال کے راستہ میں شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہر دو سراؤں کے درمیان ایک اور سرائے کا اضافہ کیا اور ہر سرائے میں شیر شاہ کی طرح مسافروں کے لیے کھانا مقرر کیا، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:

"از نیلاب تا بنگالہ درمیان سراہائے شیر شاہ یک سرائے دیگر آبادان ساخت و در ہر سرا طعام پختہ و خام بطریق شیر شاہ جہت مسافران خواہ فقیر خواہ غنی مقرر کردہ بود"۔(۳)

خافی خان لکھتا ہے:

"مابین دو سرا از سراہائے شیر شاہ سرائے دیگر ساختہ بدستور پدر طعام پختہ و خام مقرر نمودہ بود"۔(۴)

---

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۱۰۲۔ (۲) فرشتہ، ج ۱، ص ۲۲۸۔ (۳) ایضاً، ص ۲۴۲۔ (۴) خافی خان، حصہ اول، ص ۱۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا تو اس نے جا بجا نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں، ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

''وسراہا کہ سرمایۂ آسودگی جہان نوردان، آسائش جائے غریبان کم مایہ است جا بجا ساختہ گردد''۔(۱)

اکبر کے علاوہ اس کے عہد حکومت میں اس کے امراء و متوسلین میں بھی بعض لوگوں نے سرائیں بنوائیں، چنانچہ امرائے اکبری میں ایک شخص شیخ عبدالرحیم لکھنوی تھے، جنھوں نے ایک عورت کو گھر میں ڈال لیا تھا، جب ان کا انتقال ہوگیا تو اس عورت نے بہت سے پرتکلف مکانات، باغ، سرا اور تالاب بنوائے اور جس باغ میں شیخ موصوف دفن تھے، اس کے اردگرد کے گاؤں کو لگان پر لے کر اس باغ کی رونق بڑھاتی رہی اور پنج ہزاری منصب داروں سے لے کر سپاہی تک جب اس راستہ سے گذرتے تھے تو حسب حیثیت ان کو پرتکلف دعوت دیتی تھی، صاحب مآثرالامراء ان واقعات کو لکھ کر لکھتے ہیں:

''شیوۂ مرضیہ را از دست نداد تا شصت سال کم وبیش احیائے نام شوہر خود نمود ع

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد''۔(۲)

امرائے اکبری میں ایک اور شخص صادق محمد خان ہروی تھے، جنھوں نے دھول پور میں جو آگرہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے، توطن اختیار کرلیا تھا اور اس میں ایک سرائے، ایک عمارت اور ایک مقبرہ بنوایا تھا اور اس کے اردگرد کے دیہات آباد کیے تھے۔(۳)

اکبر کے بعد جہانگیر کا دور حکومت آیا تو اس نے اپنے جلوس کے ساتھ ہی جو احکام جاری کیے، ان میں تیسرا حکم یہ تھا کہ جو لوگ لاوارث مرجائیں، ان کے مال و جائداد سے سرکاری طور پر مسجدیں اور سرائیں بنوائی جائیں، ٹوٹے ہوئے پلوں کی مرمت کی جائے اور

---

(۱) آئین اکبری، ج۱، ص۱۱۵۔ (۲) مآثرالامراء، حصہ دوم، ص ۵۶۵-۵۶۴۔ (۳) ایضاً، ص ۷۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تالاب اور کنوئیں کھدوائے جائیں، انہی میں دوسرا حکم یہ تھا کہ جن راستوں میں چوری اور راہ زنی واقع ہوتی ہو اور وہ آبادی سے دور ہوں، وہاں اطراف و جوانب کے جاگیردار سرائے، مسجد اور کنوئیں تیار کرائیں تاکہ وہاں آبادی قائم ہو جائے اور کچھ لوگ ان سرایوں میں جا کر آباد ہو جائیں۔(۱)

جہاں گیر کے زمانہ میں اس کے امرائے سلطنت نے بھی متعدد سرائیں بنوائیں، چنانچہ امرائے جہاں گیری میں سعید خان چغتا جو پنجاب کے صوبہ دار تھے، خواجہ سراؤں کے بڑے شیدائی تھے اور ایک ہزار سے زیادہ خواجہ سرا جمع کر رکھے تھے، جن میں دو خواجہ سرا یعنی اختیار خان اور اعتبار خان ان کے سب سے زیادہ معتمد تھے اور ان میں اختیار خان نے پٹنہ اور بہار میں پل اور سرائے بنوائی تھی۔(۲)

امرائے جہاں گیری میں ایک اور بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری تھے، جنہوں نے بہ کثرت سرائیں بنوائی تھیں، مآثر الامراء میں ہے:

"رباط و سرا بسیار بنا گذاشتہ"۔(۳)

ایک اور امیر اللہ وردی خان تھے، جن کو جہاں گیر نے معتقد خانی کا خطاب دیا تھا اور قراول بیگی کی خدمت پر مامور تھے اور سیر و شکار میں ہمیشہ جہاں گیر کے ساتھ رہتے تھے، انہوں نے دلی میں ایک باغ اور ایک سرائے بنوائی تھی۔(۴)

شاہ جہاں کے زمانہ میں اکبر و جہاں گیر کے دور حکومت کی طرح اس کے امرائے سلطنت نے بھی بہت سی سرائیں بنوائیں، چنانچہ اعظم خان نے اسلام آباد متھرا میں ایک سرائے بنوائی(۵)، خان دوران نصرت جنگ نے سرونج سے برہان پور تک دس دس کوس کے فاصلہ پر(۶) اور قلیج خان تورانی نے لاہور سے ملتان تک بہ کثرت سرائیں بنوائیں۔(۷)

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۵۔ (۲) مآثر الامراء، ج ۲، ص ۴۰۸۔ (۳) ایضاً، ص ۶۳۹۔

(۴) ایضاً، ج ۱، ص ۲۱۵۔ (۵) ایضاً، ص ۱۷۹۔ (۶) ایضاً، ص ۷۵۸۔ (۷) ایضاً، ج ۳، ص ۹۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تمام سرایوں کے باوجود ہندوستان کے بہت سے راستے سرایوں سے خالی تھے، بالخصوص اورنگ آباد سے اکبرآباد تک اور لاہور سے کابل تک کے راستے میں مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس لیے جب عالم گیر کا دور حکومت آیا تو اس نے عام حکم دیا کہ جن راستوں میں سرائے اور رباط نہ ہو، ان میں خاص سرکاری خزانے سے پختہ اور وسیع سرائیں جو بازار، مسجد، پختہ کنوئیں اور حمام پر مشتمل ہوں بنوائی جائیں اور ہر مرحلے میں منزل گاہیں تیار کرائی جائیں، جہاں مسافر اتر کر اپنے مال واسباب کو حفاظت کے ساتھ رکھ سکیں، اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ جو پرانی سرائیں مرمت طلب ہوں ان کی مرمت کرائی جائے۔(۱)

امرائے عالم گیری میں بھی بعض لوگوں نے سرائے بنوائی، چنانچہ ایرج خان نے ایلچ پور کے قریب ایک سرائے بنوائی اور ایک گاؤں آباد کیا۔(۲)

عالم گیر کے بعد بھی بہت سی سرائیں تعمیر ہوئیں، چنانچہ شاہ عالم کے زمانہ میں ان کے وزیر خان خاناں نے چاہا کہ ہر شہر میں ان کے نام سے ایک سرا، ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر ہو اور اس غرض سے جابجا صوبہ داروں کے نام احکام بھی پہنچ گئے اور ساتھ ساتھ روپیہ بھی روانہ کیا گیا اور وسیع پیمانہ پر کام بھی شروع ہو گیا لیکن ان کے انتقال سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔(۳)

محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن سنبھل میں ایک نہایت عمدہ سرائے بنوائی (۴)، حسین علی خان نے بھی جو سادات بارہہ میں تھے، اپنے وطن میں ایک سرائے بنوائی، خافی حان لکھتا ہے:

"در وطن بارہہ نیز بنائے سرا و پل و دیگر بنا ہائے عاقبت بخیر گذاشتہ"۔(۵)

---

(۱) عالم گیر نامہ، ص ۱۰۸۴۔ (۲) مآثر الامراء، ج ۱، ص ۲۷۱۔ (۳) خافی خان، ج ۲، ص ۶۷۵-۶۷۶۔

(۴) مآثر الامراء، ج ۱، ص ۳۵۸۔ (۵) بقیہ خافی خان، ص ۹۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی عہد میں نواب آصف جاہ نے جو بیس سال تک دکن کے چھ صوبوں کے حاکم رہ چکے تھے، ایک کارروان سرا بنوائی، مآثر الامراء میں ہے:

''و مسجد و کاروان سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود''۔(۱)

مہمان خانے: سرائیں اکثر راستوں میں قائم کی جاتی تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ مسجد، بازار، کنوئیں اور حمام بھی تیار کرائے جاتے تھے، بلکہ بعض سرایوں کے متصل دیہات بھی آباد کرائے جاتے تھے، تاکہ مسافروں کی ضروریات کے تمام سامان آسانی کے ساتھ میسر آسکیں لیکن مہمان خانے سرایوں سے مختلف ہوتے تھے اور وہ راستوں کے بجائے شہروں میں قائم کیے جاتے تھے اور ان میں مسافر مستقلاً قیام کر سکتے تھے لیکن ہمارے مؤرخین نے ان کا ذکر مہمان خانے کے نام سے نہیں کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں یہ کام رباطوں اور خانقاہوں سے لیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں سرایوں کے ساتھ ساتھ جابجا رباط کا ذکر بھی آتا ہے، مثلاً:

''رباط و سرا بسیار بنا گذاشتہ''۔(۲)

اس قسم کی ۱۲۰ خانقاہیں فیروز شاہ نے دہلی اور فیروز آباد میں اس غرض سے قائم کی تھیں کہ جو مسافر یہاں آئیں، وہ ہر خانقاہ میں تین روز تک جو مہمانی کی شرعی مدت ہے، قیام کر سکیں اور اس طرح ۱۲۰ خانقاہوں میں تین تین روز قیام کر کے سال بھر کی پوری مدت بسر کر سکیں، کیونکہ سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور وہ ۱۲۰ خانقاہوں کے سہ روزہ قیام سے پورے ہو جاتے ہیں۔

ان تمام مہمان خانوں کے متولی و عہدہ دار سنی ہوتے تھے اور ان کے مصارف سرکاری خزانہ سے ادا ہوتے تھے، تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

''و خانقاہا و رباطہا برائے صادر و وارد بنا کردہ در شہر دہلی و فیروز آباد

---

(۱) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۸۸۲۔ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۶۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صد و بست خانقاہ برائے آسایش بندگان الہ برآوردہ بدین نیت کہ چوں مسافران از اطراف و اکناف جہان درین مکان بیایند، در ہر خانقاہ کسان سہ روز مہمان باشند، ودر ہر خانقاہ سلطان فیروز شاہ متولیان سنی و عہدہ داران سنی تعین کردہ وخرچ خانقاہا نقد از خزانہ دیا یندہ"۔(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ مہمانوں کے مستقل قیام سے بعض اوقات یہ خانقاہیں مستقل آبادی کی صورت اختیار کرلیتی تھیں، اگرچہ تاریخوں میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے، تاہم ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں ایک موضع خانقاہ کے نام سے موسوم ہے اور غالباً وہ اسی طرح آباد ہوا ہے۔

لنگر خانے: فرماں روایانِ اسلام نے ہندوستان میں فقیروں اور محتاجوں کی اعانت و امداد کے لیے مالوہ میں لنگر خانے قائم کیے تھے، جہاں سے ان کو خام غلہ یا پکا پکایا کھانا ملتا تھا، چنانچہ سلطان محمود خلجی نے بہت سے لنگر خانے قائم کیے تھے، جن سے فقراء و مساکین کو غلہ اور کھانا ملتا تھا۔(۲)

علاء الدین سید حسین شریف مکی المتوفی ۹۲۷ھ نے بنگال میں بکثرت لنگر خانے قائم کیے تھے اور بعض لنگر خانوں پر متعدد گاؤں وقف کیے تھے، ریاض السلاطین میں ہے:

"و مساجد و لنگر خانہ در ہر سرکار جا بجا تعمیر و مقرر ساختہ، فقراء و عزلت گزینان را املاک بسیار عنایت فرمود و بجہت خرچ لنگر خانہ قدوۃ المشائخ شیخ نور قطب العالم قدس اللہ سرہ، مواضع متعددہ تعین فرمود و آثار خیر اودرین ملک مشہور افواہ خواص و عام است"۔(۳)

اس کے بعد جہاں گیر نے تمام بڑے بڑے شہروں مثلاً احمد آباد، الہ آباد، لاہور،

(۱) تاریخ فیروز شاہی، حصہ دوم، ص ۳۰۳۔(۲) فرشتہ، حصہ دوم، ص ۲۴۴، در برہان پور لنگر طعام جاری داشت، ص ۳۶ و ۱۰۰۔(۳) ریاض السلاطین، ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگرہ اور دہلی وغیرہ بلکہ تمام ممالک محروسہ میں فقراء کے لیے غلہ خانے قائم کیے (۱)، جن سے فقیروں، مجاوروں اور مسافروں کو غلہ اور کھانا ملتا تھا۔

یہ لنگر خانے تو مستقل تھے لیکن قحط کے زمانہ میں تمام شہروں بلکہ قصبوں میں ان کے علاوہ عارضی لنگر خانے قائم کردیے جاتے تھے اور ان سے قحط زدہ لوگوں کو بڑی مدد ملتی تھی، چنانچہ ایک بار سلطان بہادر گجراتی کے زمانہ میں جو ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا، گجرات میں سخت قحط رونما ہوا تو اس نے فقراء ومساکین کی امداد واعانت کے لیے ہر شہر میں کئی کئی لنگر خانے قائم کیے اور اس کے ساتھ حکم دیا کہ جو شخص اس کی سواری کے وقت سوال کرے اس کو ایک مظفری دی جائے اور اس غرض سے اس زمانہ میں چوگان بازی کے لیے دوبار سوار ہوتا تھا تاکہ مستحقین کو اس فیاضی سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملے، فرشتہ اس واقعہ کو لکھ کر لکھتا ہے:

"در ترفیہ احوال برعایا کوشش می نمود، تادران مدت در بلاد گجرات رونق رواج تازہ پدید آمد"۔(۲)

ایک بار شاہ جہاں کے زمانہ میں دکن اور گجرات میں سخت قحط پڑا تو اس نے برہان پور، احمد آباد اور سورت میں بکثرت لنگر خانے جاری کیے اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ خاص برہان پور میں جہاں ان کا قیام تھا، ہر دوشنبہ کو (یہ شاہ جہاں کے جلوس کا دن تھا اور اس وجہ سے ایام متبرکہ میں شمار کیا جاتا تھا) پانچ ہزار روپیہ مستحقین کو دیا جائے، چنانچہ اس حساب سے ۲۰ ہزار روپے ماہوار کے حساب سے مستحقین کو پانچ مہینہ میں ایک لاکھ روپے تقسیم کیے گئے، چونکہ احمد آباد میں قحط کا اثر اور مقامات سے زیادہ تھا، اس لیے اس صوبہ کے ناظموں کو حکم ہوا کہ قحط زدہ لوگوں کو مزید پچاس ہزار روپے بھی دیے جائیں، اس کے علاوہ دوسال کے لیے ستر لاکھ روپے مال گزاری میں سے معاف کردیے۔(۳)

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۶، ۱۰۰۔ (۲) فرشتہ، حصہ دوم، ص ۲۱۵۔ (۳) بادشاہ نامہ، حصہ اول، ص ۳۶۳، ۳۶۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس زمانہ میں بعض امراء نے بھی شاہ جہاں کی تقلید میں لنگر خانہ جاری کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامراء میر جملہ کے حال میں لکھتے ہیں:

"دران ہنگام میر جملہ ثانی، بسخاوت برآورد، شب در وز در برہان پور لنگر طعام جاری داشت"۔(۱)

ایک بار کشمیر میں سخت سیلاب آیا اور تمام فصل برباد ہوگئی، بلکہ غلہ کے پرانے ذخیرے بھی ضائع ہوگئے، ۳۰ ہزار قحط زدہ لوگ دار السلطنت میں آکر فریادی ہوئے تو شاہ جہاں نے ان کو ایک لاکھ روپے دیے اور حکم دیا کہ ان غریبوں کے لیے دو تین جگہ لنگر خانے قائم کیے جائیں، ان کے علاوہ مزید ۳۰ ہزار روپے کشمیر کے مستحقین کو عطا فرمائے اور تربیت خان کو ان کی ہمدردی و نگرانی کے لیے مقرر کیا لیکن چونکہ ان سے یہ کام بن نہ آیا، اس لیے ظفر خان کو کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا اور ۲۰ ہزار روپے مستحقین کشمیر کو دیے(۲)، اس کے بعد ظفر خان کی عرض داشت سے معلوم ہوا کہ اس ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی امداد سے قحط کا اثر بالکل زائل ہوگیا اور قحط کے دن عید اور نوروز کے دن سے بدل گئے لیکن مویشیوں کے خریدنے اور تخم ریزی کے لیے اگر ۳۰ ہزار روپے اور دلوائے جائیں تو ویران شدہ مواضع بالکل آباد ہوجائیں، شاہ جہاں نے فوراً یہ درخواست منظور کر لی۔(۳)

ایک بار پنجاب میں اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے اپنے لڑکوں کو فروخت کردیا، بلکہ ذبح کر کے کھا گئے، شاہ جہاں کو اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ دس مقامات پر دس لنگر خانے جاری کیے جائیں اور ہر لنگر خانہ پر روزانہ دو سو روپیہ صرف کیا جائے، چنانچہ دو ہزار روپیہ روزانہ کے صرف سے یہ لنگر خانے جاری ہوگئے اور پچاس ہزار روپے نادار لوگوں کو تقسیم کیے گئے اور حکم ہوا کہ جس شخص نے اپنے لڑکے کو فروخت کیا ہو، اگر وہ اس کا پتہ چلا سکے تو خزانہ شاہی سے اس کی قیمت واپس کردی جائے اور لڑکا اس کے ماں باپ کے حوالہ

---

(۱) مآثر الامراء، حصہ سوم، ص ۴۱۶۔ (۲) خافی خان، حصہ اول، جلد اول، ص ۵۸۷۔ (۳) ایضاً، ص ۵۹۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا جائے۔(۱)

محتاجوں کی امداد کے مختلف طریقے: قحط کے ساتھ جنگ و جدل، فتنہ و فساد اور فوجوں کی آمد و رفت کا جو سلسلہ جاری رہتا تھا، اس کی وجہ سے بعض اوقات سخت گرانی پیدا ہو جاتی تھی اور لوگ سخت مفلوک الحال ہو جاتے تھے، ایک بار عالم گیر کے عہد حکومت میں ان تمام اسباب نے لوگوں کو اس قدر مفلوک الحال بنا دیا کہ اکثر پرگنے ویران ہو گئے اور دارالسلطنت میں محتاجوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستے بند ہو گئے، عالم گیر کو اس کا حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ علاوہ مستقل غلہ خانوں کے شہر میں دس لنگر خانے اور جاری کیے جائیں اور تمام امراء بھی حسب دستور لنگر خانے جاری کریں، ان کے علاوہ دارالسلطنت کے اطراف اور مزاروں کے آس پاس ۱۲ غلہ خانے قائم کیے جائیں، اس کے ساتھ غلوں کی فراہمی کے لیے محصول کی معافی کے احکام صادر کیے۔(۲)

عالم گیر کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، چنانچہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں امیر الامراء سید حسین علی خان المتوفی ۱۱۳۲ھ نے بہت سے غلہ خانے قائم کیے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

> ”ودر ہمت و مروت یکتا وفور طعام و کثرت اطعام سرکار او مشہور
> است اجرائے بلغور خانہا از غلہ خام و پختہ واحداث مجلس یازدہم و دوازدہم
> ہر ماہ در بلاد عظیمہ دکن نمودہ کہ تا حال جاری است“۔(۳)

لنگر خانوں کے علاوہ فرماں روایان اسلام نے اہل حاجت کی اعانت و امداد کے سیکڑوں طریقے اختیار کر رکھے تھے، مثلاً سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں جو ۶۶۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا، ملک الامراء فخر الدین کوتوال ایک نہایت فیاض اور عالی حوصلہ امیر تھے،

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۶۲۰۔ (۲) خافی خان، حصہ دوم، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔ (۳) مآثر الامراء، جلد اول، ص ۳۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا دستور یہ تھا کہ جو لباس ایک بار زیب تن کر لیتے تھے، اس کو دوبارہ نہیں پہنتے تھے، بلکہ صدقہ و خیرات کر دیتے تھے، اسی طرح بستر اور پلنگ اور فرش وفروش وغیرہ ہمیشہ نئے استعمال کرتے تھے اور جو سرمایہ اس طرح جمع ہوتا تھا، اس کو یتیموں اور مستحق لوگوں کی لڑکیوں کی شادی کے مصارف میں صرف کرتے تھے، تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ اس طرح وہ ہر سال ایک ہزار نادار لڑکیوں کی شادی کا سامان کرتے تھے۔(۱)

اس کے بعد فیروز شاہ تغلق نے نادار لڑکیوں کی نکاح کے لیے ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس میں متدین اور ایمان دار عہدہ دار مقرر کیے اور حکم دیا کہ جن نادار اشخاص کے یہاں بالغ لڑکیاں ہوں وہ اس محکمہ میں آ کر اس کی اطلاع دیں اور اس محکمہ کے عہدہ دار اس کی پوری تحقیق کر کے ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب مالی امداد دیں۔

اس مالی امداد کے تین درجے مقرر کیے گئے تھے:

درجہ اول	پچاس تنکہ نقرئی
درجہ دوم	تیس نکتہ نقرئی
درجہ سوم	پچیس نکتہ نقرئی

چنانچہ اس محکمہ کے قائم ہو جانے کے بعد ہزاروں محتاج مسلمانوں اور بیوہ عورتوں نے اپنی اپنی لڑکیوں کے نام درج رجسٹر کرائے اور مالی امداد حاصل کی۔(۲)

فیروز شاہ کے بعد دور اکبری میں شیخ فرید مرتضٰی خان بخاری نے گجرات میں سادات کے تمام ذکور و اناث کی فہرست مرتب کی اور ان کے لڑکوں کی شادی کا سامان اپنی سرکار سے کیا، یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کو روپیہ دیا کہ وہ اس کو امانۃً رکھیں اور جب بچے پیدا ہوں تو ان کی شادی میں صرف کریں۔(۳)

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، ص ۱۱۷۔ (۲) تاریخ فیروز شاہی، حصہ دوم، ص ۳۴۹۔ (۳) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۶۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ جہاں کا معمول یہ تھا کہ روزانہ قیلولہ اور نماز ظہر سے فارغ ہونے کے بعد نقد وجنس اراضی مزروعہ اور تقرر وظیفہ کے ذریعہ سے بے شوہر اور بوڑھی عورتوں کی حاجت روائی کرتا تھا، کنواری اور بیوہ عورتیں جن کے ساتھ غربت وافلاس کی وجہ سے کوئی شخص نکاح کرنا پسند نہیں کرتا تھا، ستی النساء خانم کے ذریعہ سے روزانہ اس کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں اور وہ ان کے نکاح کا سامان کرتا تھا اور زیور اور لباس وغیرہ سب کچھ دیتا تھا اور اکثر اوقات جو لوگ اس خدمت پر مامور تھے، وہ خود شاہ جہاں کے حکم سے ان کے اقران وامثال سے ان کا نکاح کرا دیتے تھے اور اس کار خیر میں روزانہ کافی روپیہ صرف ہوتا تھا، چنانچہ محمد صالح کنبوہ عمل صالح میں لکھتا ہے:

''چنانچہ مبلغہاے گرانمند، ہر روزہ باین رہ گذر کہ ہمیں طریق خیرات ومجاری میراث است صرف می شود''۔(۱)

نادار لڑکیوں کے علاوہ بوڑھے، یتیم، اندھے، اپاہج، بیوہ عورتیں اور جسمانی عیوب رکھنے والے لوگ اعانت وامداد کے محتاج ہوتے ہیں اور فرماں روایان اسلام کا فیض عام ان تمام لوگوں کو شامل تھا، تاریخ فیروز شاہی میں فیروز شاہ تغلق کی نسبت لکھا ہے:

''وصدقات خداوند عالم بر پیران وزالان و بیوگان و یتیمان ذکوران ومعیوبان وجائے ماندگان علی الدوام والاستمرار میرسد''۔(۲)

فیروز شاہ کے بعد محمود شاہ بہمنی نے گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلچ پور، دولت آباد، خیبر، جیول، وابل اور دوسرے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں یتیموں کی تعلیم کا خاص انتظام کیا اور اندھوں کے مشاہرے مقرر کیے اور اس میں اس قدر فیاضی سے کام لیا کہ لوگ قصداً آنکھیں پھوڑ پھوڑ کر اندھے بنتے تھے اور ماہوار تنخواہ لیتے تھے۔(۳)

سلطان محمود کے بعد سکندر لودی نے فقراء ومستحقین کی امداد واعانت کا خاص نظام

(۱) عمل صالح، جلد اول، ص ۲۴۹۔ (۲) فیروز شاہی، جلد اول، ص ۵۶۱۔ (۳) فرشتہ، جلد اول، ص ۳۰۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کیا اور حکم دیا کہ سال میں دو بار تمام ملک کے فقراء و مستحقین کے نام کی فہرست اس کی خدمت میں پیش کی جائے، چنانچہ جب یہ فہرست پیش کی جاتی تھی تو ہر شخص کی حالت و حیثیت کے مطابق اس کے پاس ششماہی کی رقم روانہ کر دیتا تھا، اس کے ساتھ جاڑوں میں ان کو شال اور کپڑے دیتا تھا، ہفتے میں جمعہ کے روز فقرائے شہر کو جمعگی کے نام سے بھی ایک رقم مرحمت کرتا تھا اور روزانہ مختلف مقامات پر خام غلہ اور پکا پکایا کھانا تیار کرا کے شہر میں تقسیم کرواتا تھا اور کوئی سال ایسا نہیں گذرتا تھا کہ فتوحات اور کامیابی کے بہانہ سے فقیروں کو چند بار معقول رقمیں نہ دیتا ہو، ذاتی فیاضیوں کے علاوہ اہل دولت اور ارباب جاہ میں سے جو لوگ فقیروں اور مسکینوں کے لیے وظائف مقرر کرتے تھے، ان کو نہایت معزز سمجھتا تھا اور اس اعزاز کے حاصل کرنے کے لیے بہت سے لوگ مستحقین کو شریعت کے مطابق مال و دولت دیتے تھے۔(۱)

سکندر لودی کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودی اس کا جانشین ہوا اور اس معاملے میں اس نے بھی اپنے باپ کی روش کو قائم رکھا، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

”ونیز بر فقراء و مساکین ابواب خیرات و میراث کشادہ وظائف مقرر فرمود و رارات ائمہ را زیادہ کردہ بگوشہ نشینان و متوکلان فتوح و نذرو فرستادہ“۔(۲)

سلطان ابراہیم لودی کے بعد سلطان محمود خان ثانی نے جو ۹۴۳ھ میں گجرات کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، فقیروں اور محتاجوں کی خبر گیری کے لیے بہت سے مکانات بنوائے اور وہاں اس غرض سے ملازم مقرر کیے کہ فقیروں اور محتاجوں کے رنج و راحت سے باخبر رہ کر ان کی ضروریات کے سامان مہیا رکھیں، اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جو غذا اس کو پسند آتی تھی، اس کی نسبت پوچھتا تھا کہ فقیروں کو بھی اس قسم کی غذائیں میسر آتی ہیں، حاضرین جواب دیتے

---

(۱) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۸۶۔ (۲) ایضاً، ص ۱۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ بھلا ان غریبوں کو اس کا مقدور کہاں، اس کے بعد حکم دیتا تھا کہ اس قسم کی غذا نہایت عمدہ طریقہ پر پکوا کر فقراء کے پاس بھیجی جائے، جو نیک لوگ مسجدوں اور مدرسوں میں قیام رکھتے تھے، ان کو جاڑوں میں نہایت عمدہ قبائیں اور لحاف انعام دیتا تھا، چونکہ بعض قلاش لوگ ان کو فروخت کر ڈالتے تھے، اس لیے حکم دیا کہ ایسے لحاف بنوائے جائیں جن کو ایک جماعت اوڑھ سکے اور سب کے سب اس کے فروخت کرنے پر متفق نہ ہوں، راتوں کو تمام گلیوں اور بازاروں میں بہت سی لکڑیاں جلواتا تھا تا کہ جاڑوں میں بے سروسامان لوگ آگ تاپ سکیں، معمول تھا کہ تمام موسمی میوے پہلے فقیروں کے پاس بھیجے جاتے تھے، اس کے بعد شاہی محل میں آتے تھے۔ (۱)

سلطان محمود خان ثانی کے بعد امرائے اکبری میں شیخ فرید بخاری نے اس معاملے میں نہایت فیاضی سے کام لیا اور اپنا یہ خاص معمول کر لیا کہ جب دربار کو جاتے تھے تو راستے میں فقراء کو قبا، کمبل، چادر اور جوتے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ (۲)

اس کے بعد جہاں گیر نے موسم سرما میں فقرائے کشمیر کے لباس کا خاص انتظام کیا، چنانچہ جب اس کو اطلاع دی گئی کہ فقرائے کشمیر جاڑوں کے موسم میں سخت تکلیف برداشت کرتے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ صوبہ کشمیر کا ایک گاؤں جس کی مال گذاری تین چار ہزار روپیہ ہے، ملا طالب اصفہانی کے حوالہ کیا جائے تا کہ اس سے فقراء کے لباس اور مسجدوں میں پانی گرم کرنے کا انتظام کریں۔ (۳)

عالم گیر کا دور حکومت آیا تو اس کے سامنے سلطان محمود کی نظیر تھی اس لیے اس نے عام حکم دیا کہ جاڑوں کے موسم میں ہر سال ڈیڑھ ہزار قبا اور ڈیڑھ ہزار کمبل صوبہ احمد آباد کے فقراء و مساکین کو بطور خیرات کے دیے جائیں اور اس پر تین ہزار روپیہ صرف کیا جائے،

---

(۱) مرأت احمدی، جلد اول، ص ۹۱۔ (۲) مآثر الامراء، حصہ دوم، ص ۲۳۹۔ (۳) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حساب سے فی قبا ڈیڑھ روپے اور فی کمل آٹھ آنے پڑتے تھے۔(۱) جس سے ہم اس زمانے میں کپڑوں کی ارزانی کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں، عالم گیر ہی کے زمانہ میں نواب منعم خان خاناں المتوفی ۱۰۷۳ھ کے بعد نواب امیر الامراء شایستہ خان ممالک بنگالہ کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور شرفاء اور غرباء کی بیواؤں کی خاص طور پر پرورش کی اور دیہات اور زمینیں معافی میں دے کر ان کو صاحب جائداد بنا دیا، ریاض السلاطین میں ہے:

> ''بیوہائے شرفاء و نجباء و بے مایگان را، دیہات و زمینہا معاف کردہ مالک املاک ساخت''۔(۲)

سلاطین تیموریہ کے یہاں فقراء و مستحقین کی اعانت کی ایک مستقل صورت یہ تھی کہ سال میں دو بار یعنی شمسی اور قمری دونوں سنوں کے حساب سے اپنی سالگرہ کا جشن مناتے تھے اور اس موقع پر زر و گوہر اور دوسری قیمتی اشیاء سے اپنا وزن کراتے تھے اور ان تمام چیزوں کو خیرات کر دیتے تھے، جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

> ''دو مرتبہ خود را بہ طلاء نقرہ و سائر فلزات و از قسم ابریشم و پارچہ و از اقسام حبوبات وغیرہ وزن می کنم یک مرتبہ در ہر سال شمسی و یک مرتبہ در ہر سال قمری و از ایں وزن را بہ تحویلداران علاحدہ می سپارم کہ بہ فقراء و ارباب احتیاج رسانند''۔(۳)

یہ طریقہ اکبر کے زمانہ سے شروع ہوا اور عالم گیر کے زمانہ تک قائم رہا، چنانچہ اس دور کے تمام مورخین اس جشن کا ذکر مزے لے لے کر کرتے ہیں، عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں لکھتا ہے:

> ''چون صدقات در دفع مضار بدنی و جانی و جلب منافع روحانی و

(۱) مرأت احمدی، جلد اول، ص ۲۵۹۔ (۲) ریاض السلاطین، ص ۲۲۲۔ (۳) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسمانی باتفاق اصحاب ملل ونحل واطباق ارباب دین ودول، نتائج وآثار دارد، حضرت عرش آشیانی آئین زریں وزن اختیار نمودہ ذات مقدس خویشتن را دو مرتبہ یکے بعد از انقضائے سال شمسی و دیگرے، پس از انتہائے سنہ قمری وزن می فرمودند لیکن در وزن شمسی دوازدہ بار نخستین بار بہ طلا و یازدہ بارے دیگر اشیاء او روز قمری ہشت بار اولیں بار نقرہ وہفت بار باشیائے دیگر وزن فرزندان کامگار یکبار باعتبار سال شمسی بوقوع می آید ووجوہ وزن در مصاف تصدق صرف می شد و حضرت جنت مکانی پیروی حضرت عرش آشیانی نمودہ ہر سال رسم ایں منفعت وسم را بعمل می آوردند از آنجا کہ ایں کار میمنت آثار سبب روائی حاجات نیاز مندان است، حضرت جہاں بانی دو مرتبہ شخص اکمل خود را وزن می فرمایند واز افزونی جود گستری در ہر مرتبہ وزن طلا ونقرہ مقرر نمودہ اند، در وزن شمسی نخستین بار بطلا ودوم بار بہ نقرہ ودہ بار باجناس دیگر ودر وزن قمری اولین بار بطلا ودیگر بار بہ نقرہ وشش بار بہ دیگر اجناس و پادشاہ زادہ ہائے سعادت پرور را یک مرتبہ بری سنجند"۔(۱)

متفرق صدقات وخیرات کی اس قدر کثرت تھی کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب لکھنی پڑے گی، اس لیے ہم صرف تزک جہاں گیری سے چند واقعات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جہاں گیر لکھتا ہے:

"میں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ راتوں کو ارباب استحقاق اور درویش میرے سامنے پیش کیے جائیں، تا کہ ہر ایک کی حالت کو دیکھ کر زمین، روپیہ، نقد، پوشاک ان کو مرحمت کروں۔(۲)

(۱) بادشاہ نامہ، عبدالحمید لاہوری، جلد اول، ص ۲۴۴۔ (۲) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ میں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو درویش اور ارباب حاجت میری درگاہ میں جمع ہوں، ان کو دو پہر رات گذر جانے کے بعد میرے سامنے پیش کریں، اس لیے میں نے اس سال اسی طریقہ پر اپنے سامنے اور اپنے ہاتھ سے ۵۵ ہزار روپیہ، ایک لاکھ نوے ہزار بیگہ زمین، چودہ گاؤں، ۲۶ ہل اور ہزار کھلیان دھان درویشوں کو دیے"۔(۱)

یہ فیاضیاں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ ان سے ہندو بھی یکساں طور پر متمتع ہوتے تھے، چنانچہ جہاں گیر ایک موقع پر لکھتا ہے:

"میں نے شیخ فضل اللہ اور راجہ دھیر دھر کو روپے دیے کہ راستہ میں فقیروں اور برہمنوں کو دیں"۔(۲)

دوسرے موقع پر لکھتا ہے:

"ہردوار ہندوؤں کی ایک مسلم تیرت گاہ ہے اور بہت سے برہمن اور تجرد پسند لوگ اس جگہ عزلت گزیں ہو کر اپنے دین کے اصول کے مطابق خدا پرستی کرتے ہیں، میں نے ہر ایک کو ان کے استحقاق کے موافق نقد و جنس بطور صدقہ کے دیے"۔(۳)

شاہ جہاں کے زمانہ میں صدقات و خیرات کی مذہبی حیثیت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے:

"ضعیفوں، اپاہجوں، یتیموں، بوڑھی عورتوں، بوڑھے سپاہیوں کو روزانہ جو کچھ ملتا ہے اور خزانہ عامرہ سے جو کچھ تمام دنیا کے حاجت مندوں کو بطور انعام کے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں از روئے تخمین و قیاس کے کہہ سکتا ہوں کہ ولایت ہندوستان کا عشر جو ایران اور توران کے

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۳۸۔ (۲) ایضاً، ص ۲۸۔ (۳) ایضاً، ص ۳۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خراج کے برابر ہے، علماء، صلحاء، ارباب عمائم، اصحاب سعادت اور ائمہ کی جاگیر و وظائف کے لیے مقرر ہے، اس کے علاوہ اس ماہ مبارک رمضان میں موسوی خان صدر الصدور کو ازسر نو تاکیدی حکم دیا کہ ہمیشہ فقراء، مساکین اور ارباب استحقاق کو خدمت میں پیش کرتے رہیں کہ اگر کوئی پریشان روزگار بدقسمتی سے ہماری فیاضی سے محروم رہ گیا ہو تو اس کی حالت کے مطابق نقد روزیانہ سالیانہ گاؤں اور کھیت بطور مدد معاش کے دیا جائے، اس مہینہ میں خصوصاً اور ہر سال کے رمضان میں عموماً جمعرات کو پریشان حال حاجت مندوں کو باری باری درگاہ والا میں حاضر کر کے ۳۰ ہزار روپیہ عطا کریں، اسی طرح مولود مسعود کے زمانہ میں ۱۲ر ہزار روپے شب برات اور نیز شب معراج میں بھی اسی قدر روپیہ ارباب استحقاق پر خیرات کیا جائے"۔(۱)

سلاطین کے ساتھ اگر امراء و اعیان دولت کی فیاضیوں کے واقعات لکھے جائیں تو یہ داستان اور طویل ہو جائے گی، اس لیے ہم صرف ایک واقعہ کے لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، صاحب مآثر الامراء شیخ فرید بخاری کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"شجاعت را با سخاوت جمع نمودہ بخشش عام او در فیض بروے خلق باز کردہ ہر کہ باو رسیدے چہرۂ نامی در آئینہ خیال ندیدے تا رسیدن دربار قبا و کمل و چادر او پا افراز بدرویشان رہ گذرے قسمت می شد و ریزگی اشرفی و روپیہ بدست خودمی داد، روزے درویشے ہفت مرتبہ از شیخ گرفت نوبت ہشتم آہستہ بدو گفت کہ آنچہ ہفت مرتبہ گرفتہ مخفی دار تا درویشان از تو نشانند باہل خانقاہ و ارباب توکل و احتیاج و بیوہ زنان در یومیہ تا سالانہ مقرر داشتہ

---

(۱) عمل صالح، جلد اول، ص ۲۸۸ و ۲۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

در حضور و غیبت او سندہ پروانگی، مجددی رسید در جاگیرش پیشتر مدد معاش بود اطفال آنہا (کہ در نوکری او مردہ بودند) در خور ہر کدام در ماہہ مقرر کردہ مثل فرزندان در کنار و بغل شیخ بازی می کردند و معلم نگاہ داشتہ تربیت می نمود ، اما بیاد فروش و کاونت نمی داد"۔(۱)

نہر: رفاہ عام کی جن چیزوں کا ذکر اوپر کیا گیا، اگرچہ ان کا فیض نہایت وسیع و عام تھا، تاہم خاص خاص طبقات تک محدود تھا، شفا خانوں سے صرف مریض فائدہ اٹھا سکتے تھے، سرایوں اور مہمان خانوں سے صرف مسافروں کو فائدہ پہنچتا تھا اور لنگر خانوں سے صرف فقراء و مساکین متمتع ہوتے تھے لیکن نہر، تالاب، کنوئیں اور پل وغیرہ کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس سے مریض و صحیح اور غریب و امیر سب یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور فرماں روایانِ اسلام نے ہندوستان میں اس قسم کے بہ کثرت آثار خیر اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

ان چیزوں میں ہندوستان جیسے زرعی ملک کے لیے نہریں سب سے زیادہ ضروری ہیں اور غالباً سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے متعدد نہریں جاری کیں، چنانچہ اس نے ۷۵۵ھ میں جب دلی کے پاس دریائے جمنا کے کنارے فیروز آباد کو آباد کیا تو ستلج سے جھجھر تک جس کی مسافت ۴۸ کوس ہے، ایک بڑی نہر نکالی اور ۷۵۷ھ میں دریائے جمنا سے ایک نہر نکال کر اس کے ساتھ سات نہریں اور ملائیں اور ان کو ہانسی تک لے گیا اور اس کے بعد حصار فیروزہ کے نام سے ایک حصار قائم کیا اور اس حصار کے نیچے محل کے پاس ایک تالاب کھدوایا اور اس کو نہر کے پانی سے پر کیا، آب کہکر سے ایک اور نہر نکالی اور اس کو حصار سرستی سے آگے بڑھا کر نہر سرکھترہ تک پہنچایا اور اس جگہ فیروز آباد کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور جمنا سے ایک نہر نکال کر اس شہر کے تالاب میں ملایا (۲)، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر میں نہایت کثرت سے زرعی نہریں جاری کیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ

(۱) مآثر الامراء، حصہ دوم، ص ۶۳۹۔ (۲) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۴۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے:

”اکثر اوقات او بہ تعمیر ولایات و تکثیر زراعات و برآوردن آبہا بجائے رود مصروف می گشت (۱)، در کالپورو غیران آبہا، ز دور آوردہ جونہا می کند، وپلہا می بست و زراعتہا بسیاری فرمود، و در مملکت کشمیر ہیچ زمینے بے آب و زراعت نماند“۔(۲)

اس کے بعد تیموری دور میں ایرانی طرز کی نہروں کا رواج ہوا اور اکبر کے دور حکومت میں اس کی ابتداء ہوئی، ایران میں نہریں اور چشمے باغوں اور گھروں میں جاری رہتے ہیں اور لوگ ان سے بآسانی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن ہندوستان میں اس قسم کی نہروں اور چشموں کا وجود نہ تھا، چنانچہ بابر تزک میں لکھتا ہے:

”در باغ و عمارتہا آب روان نے“۔

یہاں کے لوگوں کا دارومدار صرف کنوؤں، تالابوں اور ندیوں کے پانی پر تھا، جن کی نہایت کثرت تھی اور بعض شہروں اور دیہاتوں کے متصل واقع تھیں لیکن ان سے نہریں اور چشمے نکال کر گھروں اور باغوں میں نہیں لائے جاتے تھے، بلکہ لوگ کنوؤں اور تالابوں کی طرح ندیوں سے پانی نکال کر اپنے گھروں میں لاتے تھے اور اس کو استعمال کرتے تھے لیکن دور تیموری میں خان خاناں نے بالکل ایرانی طرز پر برہان پور میں اس قسم کی ایک نہر نکالی اور لعل باغ سے مسجد جامع تک جو برہان پور کے میدان کے پہلو یعنی وسط شہر میں واقع ہے، اس کو پختہ کرایا اور مسجد میں ایک حوض اور ایک عمارت تیار کرائی کہ اس میں اس نہر کا پانی جمع رہے اور لوگ آسانی کے ساتھ وضو کرسکیں اور وہاں سے اہل شہر اپنے مکانوں میں پانی لے جاسکیں اور وہ اہل شہر کے اکثر مکانوں میں جاری ہوسکے۔

مولانا فرید الدین منجم دہلوی نے اس نہر کی تاریخ بنا یہ نکالی ہے:

---

(۱) فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۴۲۔ (۲) ایضاً، ص ۳۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سپہ سالار گیتی خان خاناں ستونِ بارگاہِ شہر یاری
کفِ راوش پلِ رودِ سوال است نم و ششش زجو و ابر بہاری
روان کردہ بہ شہر اندر قناتے کزو سیراب شد سوقی و داری
در ایام جہاں گیر جہاں بخش کہ از فرقش نیاز و تاج داری
گرفت انجام کار چشمۂ خیر مباد انجام جریانش ز باری
بود چوں دولت نامیش لا زال بود تا دور ہاے روز گاری
دلِ دانا ز تار تخش بہ پرسید جوابش داد ہاتف خیر جاری (۱)

۱۰۲۴ھ

اس کے بعد ۱۰۴۹ھ میں علی مردان خان کشمیر سے شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے ساتھ ایران کے چند اشخاص ہیں، جو نہروں کے کھودنے میں مہارت رکھتے ہیں، اگر حکم ہو تو دریائے راوی سے ایک نہر نکال کر شہر میں لائی جائے، جس سے شہر کے مزروعات اور باغات سرسبز و شاداب ہوں اور شہر کی رونق کے ساتھ زمینوں کے محاصل میں بھی اضافہ ہو، شاہ جہاں نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس کے مصارف کے لیے لاکھ روپے عطا کیے، علی مردان خان نے اس کام کے لیے ایک معتبر شخص کو مقرر کیا اور اس نے ۴۹ کوس جریبی کی مسافت سے کہ راوی اور لاہور میں اسی قدر فاصلہ تھا، نہر نکالنی شروع کی (۲) لیکن چونکہ اس سے لاہور کے آس پاس کے باغوں میں اچھی طرح پانی نہیں پہنچتا تھا، اس لیے شاہ جہاں نے لاکھ روپے اور دیے لیکن اس سے بھی نہر کی مرمت نہ ہو سکی اور پچاس ہزار روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اب ملا علاء الملک تونی نے جو فنون ریاضی کے ماہر تھے اور علم آب ترازو سے بھی واقفیت رکھتے تھے، اس نہر کو پانچ کوس تک قائم رکھ کر ۳۰ کوس تک اور کھدوایا اور اس ترمیم و اصلاح کے بعد شہر میں کافی پانی آنے لگا۔ (۳)

(۱) مآثر رحیمی، جلد ۲، ص ۶۰۲ و ۶۰۳۔ (۲) خافی خان، جلد اول، ص ۵۷۱۔ (۳) مآثر الامراء، جلد ۳، ص ۶۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد قطب الملک سید عبداللہ خان نے جو فرخ سیر کے وزیر اعظم تھے، ۱۱۲۷ھ میں شاہ جہاں آباد میں ایک نہر نکالی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

''از آثار اوست نہر پٹ پر گنج واقع شاہ جہاں آباد (کہ از بے آبی حکم کربلا داشت) قطب الملک در سنہ (۱۱۲۷ھ) سبع وعشرین ومایۃ والف نہرے از اصل نہر شاہ جہاں بریدہ آوردو آں خطہ را در وفور آب احیا نمود''۔

میر عبدالجلیل بلگرامی نے اس نہر کے متعلق دو شعر کا ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے:

بحر جود و فیض قطب الملک عبداللہ خان — نہر خیرے کرد جاری آن وزیر محتشم
بہر آن عبدالجلیل واسطی تاریخ گفت — نہر قطب الملک مد بحر احسان و کرم(۱)

تالاب: نہروں کی طرح آب پاشی اور دوسری ضروریات کے لیے تالابوں کی بھی ضرورت ہے اور فرماں روایان اسلام میں سلطان علاء الدین خلجی نے سب سے زیادہ اس طرف توجہ کی اور دوسری عمارتوں کے ساتھ بہ کثرت تالاب کھدوائے، چنانچہ فرشتہ میں ہے:

''آن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد و خانقاہ و حوض و منار و حصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ''۔(۲)

اس کے بعد تیموری دور میں شہنشاہ اکبر نے تعمیرات کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ سے بہ کثرت تالاب کھودے گئے، آئین اکبری میں ہے:

''وفراوان آب گیر و چاہ کہ جان دارد مئے زندگان و آبروے زمینہا است بروے کار آید''۔(۳)

اس محکمہ کے علاوہ دور اکبری میں انفرادی کوششوں سے بھی متعدد تالاب کھودے گئے، چنانچہ امرائے اکبری میں شیخ عبدالرحیم لکھنوی نے ایک عورت کو گھر میں ڈال لیا تھا اور

(۱) مآثر الامراء، حصہ ۳، ص ۱۴۰۔ (۲) فرشتہ، جلد اول، ص ۲۱۔ (۳) آئین اکبری، جلد اول، ص ۱۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ان کا انتقال ہوا تو اس نے بہت سے پر تکلف مکانات بنوائے اور تالاب کھدوائے (۱)، اسی دور میں شاہ قلی خان المتوفی ۱۰۱۰ھ نے اپنے وطن نارنول میں ایک بہت بڑا تالاب کھدوایا۔(۲)

امرائے اکبری میں ایک اور نہایت فیاض بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان تھے، انہوں نے دلی میں فرید آباد کو آباد کیا تھا اور اس میں بہت سی عمارتوں کے ساتھ ایک تالاب بھی اپنی یادگار میں چھوڑا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے۔

"در دہلی فرید آباد با عمارات و تالاب یادگار گذاشت"۔(۳)

امرائے اکبری میں اعتماد خان نے بھی آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں اعتماد پور کے نام سے آباد کرایا اور اس میں ایک تالاب کھدوایا اور اسی گاؤں میں اپنا مقبرہ بھی تعمیر کرایا (۴)، جو آج زیارت گاہِ عام و خاص ہے۔

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دیہاتوں کی آبادی اور رونق کا ایک ضروری جزو تالاب بھی تھے، اس لیے جو لوگ دیہاتوں کو آباد کرتے تھے، وہ وہاں اور چیزوں کے ساتھ تالاب بھی کھدواتے تھے۔

اکبر کے بعد جہاں گیر نے تالابوں کے کھدوانے کا ایک خاص نظام قائم کیا اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی عام اعلان کیا کہ:

"در ممالک محروسہ از کافر و مسلمان ہر کس کہ فوت شود مال و منال او بورثہ او وا گذارند، ہیچ کس در ان دخل نسازد و اگر وارث نداشتہ باشد بجہت ضبط آن اہوال مشرف و تحویلدار علاحدہ تعین نمایند تا آن وجہ بمصارف شرعی کہ ساختن مساجد و سراہا و مرمت پلہاے شکستہ احداث تالابہا و چاہ ہا

(۱) مآثر الامراء، حصہ دوم، ص ۵۶۵۔ (۲) ایضاً، ص ۶۰۸۔ (۳) ایضاً، ص ۶۳۹۔ (۴) ایضاً، حصہ اول، ص ۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باشد صرف شود"۔(۱)

اسی زمانے میں ملک عنبر نے دکن میں ایک تالاب کھدوایا اور اس سے ایک گاؤں کی رونق و آبادی میں اضافہ کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"بااین ہمہ فساد و ہنگامہ (کہ پیوستہ با فوج مغل و لشکر دکن زد و خورد داشتہ) موضع کھر کی پنچ کرد ہے، دولت آباد (کہ الحال بہ خجستہ بنیاد اورنگ آباد موسوم است) باحداث تالاب و طرح باغ و عمارت عالیہ معمورۂ عظیم ساخت"۔(۲)

جہاں گیر کے بعد شاہ جہاں نے عمارتوں اور باغوں کی رونق و سرسبزی کے لیے متعدد حوض و تالاب بنوائے، چنانچہ حافظ رخنہ نے سرہند میں اکبر کے زمانہ میں ایک نہایت عمدہ باغ لگوایا تھا، ایک بار شاہ جہاں نے اس میں قیام کیا تو اس کے متصل ایک نہایت عمدہ تالاب کھدوایا (۳)، اسی مقام پر دیانت خان فوج دار سرہند کو حکم دیا کہ ایک نہایت عمدہ عمارت تیار کرائیں، جس کے ایک طرف باغ اور دوسری طرف تالاب ہو(۴)، کشمیر کے ایک گاؤں اچول میں جس کا نام شاہ جہاں نے صاحب آباد رکھا تھا، جہاں گیر نے جو شاہی عمارتیں تیار کرائی تھیں، وہ شاہ جہاں کو پسند نہ آئیں، اس لیے حکم دیا کہ ان کے بجائے دوسری عمارتیں آبشاروں اور حوضوں کے ساتھ تعمیر کرائی جائیں۔(۵)

شاہ جہاں کے بعد اگرچہ عالم گیر نے خود کوئی حوض یا تالاب نہیں کھدوایا لیکن امرائے عالم گیری میں خان زمان نے قصبہ نارنول میں ایک عظیم الشان تالاب کھدوایا، جس کے سامنے شاہ قلی خان کے تالاب کی کوئی وقعت نہیں رہی، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"و در ظاہر آن قصبہ خلیل ساگر تالابے برساخت کہ تال شاہ قلی خان

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۵۔ (۲) مآثر الامراء، حصہ سوم، ص ۹۔ (۳) بادشاہ نامہ، حصہ دوم۔ (۴) ایضاً، ص ۹۔ (۵) ایضاً، حصہ دوم، ص ۱۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محرم راپیش اوآبرونماند"۔(۱)

عالم گیر کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں حسین علی خان نے اورنگ آباد میں ایک حوض بنوایا، جس کو عضد الدولہ عوض خان المتوفی ۱۱۴۳ھ نے اور بھی زیادہ وسیع کیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"حوض آب در خجستہ بنیاد بنا گذاشتہ اوست، اگرچہ عضد الدولہ عوض خان بہادر در وسعت ارتفاع عمارت مسجد افزودہ اما اصل بانی بنائے خیر جاری آن خوض دریا موج در ایام تابستان از قلت آب سکنہ خجستہ بنیاد درعذاب بودند حسین علی خان گرویدہ"۔(۲)

کنوئیں: فرماں روایانِ اسلام نے ہندوستان میں تالابوں کی طرح نہایت کثرت سے کنوئیں بھی کھدوائے، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے اپنے دور حکومت میں ڈیڑھ سو کنوئیں کھدوائے تھے(۳)، اس کے بعد شیر شاہ نے بنگال سے لے کر اکبر آباد، مانڈو اور سمپت تک مسافروں کے لیے راستوں میں پختہ کنوئیں تیار کرائے (۴)، شیر شاہ کے بعد اکبر نے ایک مستقل محکمہ تعمیرات قائم کیا اور اس کے ذریعہ بہ کثرت کنوئیں کھدوائے۔(۵)

خلاصۃ التواریخ میں ہے کہ اکبر نے اجمیر سے فتح پور تک ایک ایک کوس کے فاصلے پر پختہ کنوئیں کھدوائے تھے تاکہ وہ کوس کی علامت قرار پائیں اور اسی کے ساتھ منارے بھی بنوائے تھے اور ان پر شکار شدہ ہرنوں کی سینگیں لگوائی تھیں" تاکہ رہروان را اعتقادے و دلیلے بودہ باشد"۔

اکبر کے بعد جہاں گیر نے ایک عام قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ جو لوگ لاوارث مر جائیں،

---

(۱) مآثر الامراء، حصہ اول، ص ۷۸۶۔ (۲) خافی خان، حصہ سوم، ص ۵۴۲۔ (۳) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۵۱۔ (۴) خافی خان، جلد اول، ص ۱۰۲۔ (۵) آئین اکبری، جلد اول، ص ۱۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے مال سے سرکاری طور پر مسجدیں اور سرائیں تعمیر کرائی جائیں، ٹوٹے ہوئے پلوں کی مرمت کرائی جائے اور کنوئیں اور تالاب کھدوائے جائیں، یہ تو خاص سرکاری انتظام تھا لیکن جاگیرداروں کے لیے یہ حکم تھا کہ جو راستے آبادی سے دور ہوں اور وہاں چوریاں اور ڈکیتیاں ہوتی ہوں، وہاں سرائے، مسجد اور کنوئیں تیار کرائیں تاکہ کچھ لوگ وہاں آباد ہوجائیں (۱) اس کے علاوہ جہاں گیر نے آگرہ سے لاہور تک ایک ایک کوس پر سنگ میل نصب کرائے اور تین تین کوس کے فاصلہ پر کنوئیں کھدوائے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

"پیش ازیں حسب الحکم از دار الخلافۃ آگرہ تا دریائے اٹک دو طرفہ درخت نشانیدہ خیابان ترتیب دادہ اند، وہم چنیں از آگرہ تا بنگالہ ودر نیولا حکم کردم کہ از آگرہ تا لاہور برسر ہر کودہ میلے بسازند کہ علامت کردہ باشد و بفاصلہ سہ کردہ چاہ آبے تا متردد ین آسودہ ومرفہ الحال آمد ورفت، نمایند از تشنگی وتابش آفتاب خفت وصعوبت نکشند"۔ (۲)

عالم گیر نے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، راستوں میں جو سرائیں تعمیر کرائی تھیں، ان کے ساتھ پختہ کنوئیں بھی کھدوائے تھے۔

حمام: ہندوستان میں حمام صرف اسلامی دور حکومت کی تمدنی پیداوار ہے، ہندوؤں کے یہاں حمام کا مطلق رواج نہ تھا، چنانچہ ملا عبدالباقی نہاوندی مآثر رحیمی میں لکھتے ہیں:

"درولایت ہندوستان وامصار وبلاد آن بجہت آنکہ ایں وسعت آباد درتصرف کفرہ وہنود بودہ، درنزد آن گروہ حمام ساختن ظاہرا منع است ازیں سعادت محروم بودہ اند ومسلمانان کہ دریں دیار بودہ اند ازیں رہ گزر مشقت وآزار بسیاری کشیدہ اند"۔ (۳)

بابر نے اپنی تزک میں ہندوستان کی تمدنی حالت پر جو اجمالی ریویو کیا ہے، اس

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۵۔ (۲) ایضاً، ص ۲۸۰۔ (۳) مآثر رحیمی، جلد دوم، ص ۶۰۰، ۶۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ تک ہندوستان میں اس کام کا وجود نہ تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''یخ وآب سرد نے در بازار ہائے او طعام خوب و نان خوب نے

حمام نے و مدرسہ نے شمع و مشعل نے او شمعدان نے''۔

لیکن تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر سے پہلے ہندوستان میں فیروز شاہ دس حمام تعمیر کرا چکا تھا، تاہم آرام و آسایش کے ساتھ حمام تکلف و نفاست کی چیز بھی ہے اور شاہان تیموری تکلف و نفاست میں اور مسلمان فرماں روایان ہندوستان سے بڑھے ہوئے تھے اور یہ تکلف بابر ہی کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا(۱)، چنانچہ خافی خان ایک موقع پر لکھتا ہے:

''بعدہ ہمراہ سلطان جنید بخدمت و ملازمت حضرت فردوس مکانی

محمد بابر شاہ غازی رفتہ روشناس گشت و چند گاہ در رکاب ماندہ از اطوار

سلطنت مغلیہ واقف و محرم گشتہ اکثر بزبان می آورد کہ از اندازہ روش و نسق

چغتہ معلوم می شود کہ اینہا را از ہندوستان بیرون کردن چندان کار نیست

رفقاء بتمسخر و ہذیان گفتن او را مطعون می ساختند، واو مکرر بزبان می آورد کہ

چوں مغلان باسباب و تزک و گرد آوری اشیائے خود آرائی و تن پروری آں قدر

پرداختہ اند کہ ہمہ کار کلی و جزوی بامراد و نوکران مرتشی واگذاشتہ اند''۔(۲)

اس بنا پر تیموری دور میں حمام کا زیادہ رواج ہوا اور بہ کثرت حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اکبری دور میں عبدالرحیم خان خاناں نے برہان پور کے میدان میں ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا، جس کی نسبت ملا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں:

''در ایران بصفا و پاکیزگی آن بہم نمی رسد و فقراء و مساکین ازاں

فیض می برند''۔(۳)

جہاں گیر نے اگرچہ خود کوئی حمام نہیں بنوایا، تاہم اس کے دور میں بھی بعض حمام تعمیر

---

(۱) تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۱۵۱۔ (۲) خافی خان، حصہ اول، ص ۹۱۔ (۳) مآثر رحیمی، جلد دوم، ص ۶۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے، وہ خود تزک میں لکھتا ہے:

''حسب الالتماس آصف خان بہ منزل او کہ در کنار جمنا اساس یافتہ رفتہ شد حمامے ساختہ در نہایت صفا و نفاست بغایت محظوظ گشتم''۔(۱)

اس کے بعد شاہ جہاں نے کشمیر میں شالہ مار یعنی ''باغ فرح بخش'' کے متصل شمالی جانب ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا (۲) اور اس کے ارکان سلطنت میں وزیر خان نے بھی لاہور میں ایک حمام تعمیر کیا (۳)، شاہ جہاں کے بعد عالم گیر کے زمانہ میں نہایت کثرت سے حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اس نے یہ حکم دیا کہ جن راستوں میں سرائیں نہ ہوں، ان میں سرائیں قائم کی جائیں اور ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام بھی ہو (۴)، امرائے عالم گیری میں امانت خان میرک نے بھی لاہور میں ایک حمام بنوایا، جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

''حمام طرح نمودہ کہ مشہور عالم است''۔(۵)

عالم گیر کے زمانہ میں ایک اور مشہور حمام تھا، جس کو سنجر بیگ نے بنوایا تھا۔(۶)

پل: فرماں روایانِ اسلام کے دور حکومت میں ہندوستان میں نہایت کثرت سے پل تیار ہوئے، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے ایک سو پل بنوائے تھے (۷)، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر میں نہایت کثرت سے پل بنوائے۔(۸)

شہنشاہ اکبر نے اگرچہ خود کوئی پل نہیں تعمیر کرایا، تاہم اس کے امراء میں خان خاناں نے جونپور میں جو پل تعمیر کیا، اس کی شہرت آج بھی قائم ہے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۸۸۔ (۲) بادشاہ نامہ، حصہ دوم، ص ۲۴۔ (۳) مآثر الامراء، حصہ سوم، ص ۵۳۵۔ (۴) عالم گیر نامہ، ص ۱۰۸۴، (۵) مآثر الامراء، حصہ اول ص ۲۶۳۔ (۶) ایضاً، جلد دوم، ص ۲۶۶۔ (۷) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۵۱۔ (۸) ایضاً، جلد دوم، ص ۲۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"از ابنیہ خان خاناں (کہ بمرور دہور دمضی ایام یادگار خواہد ماند)
پل جونپور است کہ صراط المستقیم ۹۸۱ھ تاریخ آنست و از اعاظم جسور
ممالک محروسہ است"۔(۱)

جہاں گیر نے جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے، لاوارث لوگوں کے مال کا ایک مصرف شکستہ پلوں کی مرمت و اصلاح قرار دیا تھا، اس کے علاوہ اس نے بذات خود بھی بعض پل تعمیر کرائے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

"پنج ہزار روپیہ دیگر از زر وزن بجہت تعمیر پل بابا حسن ابدالی و عمارتے
کہ در آن جا واقع است حوالہ ابوالوفا پسر حکیم ابوالفتح شد کہ اہتمام نمودہ پل
و عمارت مذکور را در غایت استحکام بہ انصرام رساند"۔(۲)

جہاں گیر کے بعد عالم گیر نے نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے اور عام حکم دیا کہ:

"در ہر موضع کہ پل درکار باشد نیز باستحکام تمام بسازند"۔(۳)

عالم گیر کے دور حکومت میں شایستہ خان امیر الامراء نے بھی نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"آثار خیر از قبیل رباط و مسجد و جسر (کہ لکھا بصرف آن رفتہ) در
چار دانگ ہندوستان بسیار یادگار"۔(۴)

اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں حسین علی خان نے اپنے وطن بارہہ میں پل تعمیر کروائے (۵)، اسی دور میں نواب آصف جاہ نے دکن کے ایک مقام میں ایک پل تعمیر کیا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے:

"و آبادی نظام آباد بالائے کتل فرداپور (کہ درو یرانہ محض بود) طرح

---

(۱) مآثر الامراء، جلد اول، ص ۶۴۵۔ (۲) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۷۷۔ (۳) عالم گیر نامہ، ص ۱۰۸۵۔ (۴) مآثر الامراء، حصہ دوم، ص ۷۰۵۔ (۵) بقیہ خافی خان، ص ۹۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انداخت و مسجد و کاروان سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود"۔(۱)

پلوں کے علاوہ فیروز شاہ تغلق نے پچاس بند بھی بندھوائے تھے۔(۲)

بازار: اسلامی دور حکومت میں بہ کثرت بازار قائم کیے گئے، بالخصوص سکندر لودی نے ان تمام مقامات پر بازار قائم کیے، جہاں ہندو غسل کرتے تھے(۳)، عالم گیر نے ہندوستان کے جن راستوں میں سرائیں تعمیر کروائی تھیں، ان کے ساتھ بازار بھی قائم کیے تھے۔(۴)

اس کے علاوہ رفاہ عام کی اور بھی بہت سی چیزیں وجود میں آئیں، مثلاً فیروز شاہ نے سو مقبرے بنوائے، جہاں گیر نے تمام بڑے بڑے شہروں میں ڈھائی تین گز کی بلند دیواریں اس غرض سے بنوائیں کہ جب بوجھ اٹھانے والوں کو ستانے کی ضرورت پیش آئے تو اپنے سر کے بوجھ کو اتار کر خود اس رکھ سکیں اور پھر دوبارہ اٹھانے میں ان کو کسی مددگار کی حاجت نہ پڑے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

"روز جمعہ بست و دوم چہار کردہ مسافت طے نمودہ در موضع بازیچہ سعادت نزول اتفاق افتاد، و درین راہ و دیوار ہا بنظر در آمد از دو نیم گز تا سہ گز بعد از تحقیق معلوم شد کہ مردم بقصد ثواب ساختہ اند کہ چوں حمالے در راہ ماندہ شود بار خود بران دیوار نہادہ نفسے راست سازد و باز بے مددے وغیرہ بفراغت برداشتہ متوجہ مقصد گردد و این تصرف خاصہ اہل گجرات است، بسیار مرا ایں دیوار ساختن خوش آمد، فرمودم کہ در جمیع شہر ہائے کلاں بہ ہمیں دستور دیوار ہا از طرف بادشاہی بسازند"۔(۵)

راستوں اور گلیوں کی صفائی: ہندوستان میں فرماں روایان اسلام نے راستوں اور گلیوں کی صفائی اور روشنی کا ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ تاریخوں میں اس

---

(۱) مآثر الامراء، حصہ سوم، ص ۸۸۲۔ (۲) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۵۱۔ (۳) ایضاً، ص ۱۸۶۔ (۴) عالم گیر نامہ، ص ۱۰۸۴۔ (۵) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تفصیل نہیں ملتی، البتہ بساتین السلاطین میں فرماں روایانِ سلسلۂ عادل شاہیہ کے جو ضوابط سلطنت مذکور ہیں، ان میں اس کا بھی ایک خاص ضابطہ موجود ہے، چنانچہ اس ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں:

"از دربار بادشاہی راستہاے بازار تا ہر دو دروازہ از دو جانب باتمام کمال برسانند و معمور دارند چہ بازار ہا از دو طرف معمور باشد ہمہ جانب سودا خریدی، نزدیک خواہد شد، و درمیان راستہ بازار ہا نگذارند کہ خیمہ و چھپرہ دکانہا بدارند بجز دو راستہ درمیان ہیچ دوکان حاجت نیست، و دران کوشد کہ بقال و زیات و بزاز و خیاط و زین و خیمہ دوز و طباق و ہر قومے پہلوے ہمدیگر یک راستہ بمانند دو دوکان داشتہ باشد و تا کہ راستہ و بازار ہا باتمام معموری شوند، محلّہ ہا و کوچہ ہا منظور بدارند(۱) و پیوستہ شاہراہ ہا و کوچہ ہا و بازار ہا بتاکید پاک و صاف نگہداشتہ در مد نظر نظر و سراہاے راہ ہیچ جا خس و خاشاک افتادن ندہند و از دو راستہ بازار ہیچ دوکانے نا آباد و خراب نگذارند"۔(۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں راستوں کی صفائی اور دوکانوں کی ترتیب کا انتظام اس زمانہ سے کم نہ تھا۔

موذی جانوروں کا مارنا: موذی جانوروں کے حملوں سے رعایا کا محفوظ رکھنا رفاہ عام کی ایک صورت ہے اور بعض فرماں روایان اسلام نے اس میں اس قدر کوشش کی تھی کہ اپنے حدود سلطنت کو موذی جانوروں سے بالکل پاک و صاف کر دیا تھا، چنانچہ سلطان محمود خلجی کے زمانہ میں کسی مسافر کو شیر نے پھاڑ ڈالا، اس کی ماں اور بچے اس کے دربار میں آئے اور درندوں کے حملوں کی شکایت کی، سلطان نے اپنے حدود سلطنت میں ہر جگہ فرمان بھیج دیا

---

(۱) بساتین السلاطین، ص ۳۵۴۔ (۲) ایضاً، ص ۳۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ تمام درندہ جانور مار ڈالے جائیں اور اس کے بعد اگر کہیں درندے نظر آئیں تو ان کے عوض وہاں کے حاکم کو قتل کردیا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ:

"ازیں رہگزر در زمان دولت فرخندہ او و بعد از و سالہا کس در ولایت مالوہ شیر وگرگ ودیگر سباع نمی دید"۔(۱)

سودی قرض لینے کی ممانعت: رفاہ عام کے متعلق اوپر جن جن چیزوں کا ذکر کیا گیا، وہ تمامتر مادی صورت میں موجود تھیں لیکن ان کے علاوہ رفاہ عام کی اور بھی بہت سی شکلیں ہیں، جن کی کوئی مادی صورت نہیں ہے لیکن وہ ان مادی چیزوں سے بھی زیادہ مفید خلق ہیں، مثلاً سودخواری ایک ایسی لعنت ہے کہ جو شخص اس کے شکنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ بہ مشکل اس سے رہائی حاصل کرسکتا ہے، اس وقت صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے اور اس کے انسداد کے لیے ہر طرف سے شور وغل کیا جا رہا ہے، تاہم اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن سلاطین اسلام میں سلطان محمود بیگرہ نے اپنے سپاہیوں کو عام حکم دیا تھا کہ ان میں کوئی شخص سودی قرض نہ لے، صرف یہی نہیں بلکہ ایک مستقل خزانہ اس غرض سے قائم کردیا تھا کہ جس سپاہی کو قرض کی ضرورت پیش آئے، وہ ایک میعاد معین کے لیے اس سے لے لے، مرأت احمدی میں ہے:

"وحکم کردہ بود کہ ہیچ کس از لشکریان من قرض ربا نگیرد وخزانہ علاحدہ مقرر کردہ بود کہ از سپاہی ہر کس بقرض حاجت داشتہ باشد باو بدہد بوعدہ بگیرد، می فرمود کہ اگر مسلمانان قرض ربا نخورند از دست ایشان غذا چگونہ آید"۔(۲)

بے روزگاری کا انسداد: بے روزگاری سے مختلف اخلاقی برائیاں مثلاً گداگری، آوارگی، رہزنی اور چوری وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور اس زمانہ میں تو بے روزگاری سیاسی شورشوں

---

(۱) فرشتہ، جلد دوم، ص ۲۵۴۔ (۲) مرأت احمدی، جلد اول، ص ۶۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا بھی ایک بڑا سبب بن گئی ہے، موجودہ سلطنتوں کو اگرچہ قوم وملک کے اصلاح اخلاق اور تہذیب نفس کی کوئی پروانہیں لیکن وہ سیاسی شورشوں کو ہر ممکن طریقہ سے دبانا چاہتی ہیں، بایں ہمہ وہ اس زمانہ کے بے کاروں کے برسرروزگار کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کرسکتیں لیکن فرماں روایانِ اسلام میں سب سے پہلے تغلق شاہ نے اس طرف توجہ مبذول کی اور رعایا کے ہر فرد کو کسی نہ کسی کام میں لگانا چاہا لیکن اس کا مقصد خودغرضی یعنی کسی سیاسی شورش کا دبانا نہ تھا، بلکہ محض رعایا کی بہبودی مدنظر تھی، چنانچہ تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

> ''وعجب نیک خواہی عام کہ درذات سلطان تغلق شاہ مجبول بودہ است کہ ہم اہل مملکت خودرا آسودہ وغنی خواستے ومحتاج و بےنوانتوانستے دید، ودران کوشیدے کہ رعایا ولشکری وکل طوائف دیگر ہمہ ہمیشہ درفراغ باشند وباراحت زیند وایں عادت قدیم وعادت خوب سلطان تغلق شاہ بودہ است کہ رعایا ولایت او وملک او مسلمان و ہندو کارے وکسبے وزراعتے و حراثتے کنند کہ ازان کارکسب آسودہ شوند و از احتیاج سوال و بیچارگی درماندگی مضطر نشوند ونیک خواہی عام سلطان درباب رعایا، بحدے بودے کہ درباب گدایان درہا خواستے کہ ترک گدائی گیرند و بکارے وکسبے مشغول شوند واز خواری سوال وننگ بےنوائی واحتیاج وربا خلاص یابند و جماہیر طوائف مملکت از ونیال کسب وکارخود آسودہ ومرفہ الحال باشند و کارے وفعلے وگناہے وتباہی، ازیشان درو جود نیاید''۔(۱)

اس کے بعد فیروز شاہ نے اس صیغہ کو اور بھی ترقی دی اور کوتوال کو حکم دیا کہ شہر میں جس قدر بے کار لوگ ہوں، وہ دربار میں حاضر کیے جائیں، اس حکم کے بعد کوتوال شہر نے ہر محلّہ دار کو طلب کیا اور ان سے ہر ایک کے حالات دریافت کیے اور محلّہ داروں نے بڑے

(۱) تاریخ فیروز شاہی، جلد اول ص ۴۳۵، ۴۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے شرفاء کو جو ناداری سے کسی کو منہ تک نہیں دکھلا سکتے تھے، کوتوال کے سامنے پیش کیا، کوتوال نے ان لوگوں کے نام اور حالات لکھے اور ان کو دربار میں حاضر کیا اور فیروز شاہ نے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام سے لگا دیا۔(۱)

ارزانی کا اہتمام: رعایا کی فلاح و بہبود کا تمام تر دارومدار اسباب معاش اور ضروریات زندگی کی ارزانی پر ہے، بالخصوص غلے اور کپڑے کی ارزانی ایک ایسی چیز ہے جس سے ملک و قوم کا غالب حصہ خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن جب تک اس کے لیے خاص آئین وضوابط نہ منضبط کیے جائیں، یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

سلطان علاء الدین کے زمانہ میں مغلوں کے حملوں کا خوف ہمیشہ لگا رہتا تھا اور وہ ان کے انسداد کی ہر ممکن تدبیر سوچتا رہتا تھا، اس کی سب سے موثر تدبیر اس کی سمجھ میں یہ آئی کہ فوج کی تعداد زیادہ بڑھائی جائے اور ان کو اسپ وسلاح اور دوسرے فوجی ساز و سامان سے آراستہ کیا جائے لیکن اس کے لیے کافی روپیہ کی ضرورت تھی اور سلطان کا خزانہ اس عظیم الشان فوجی مصارف کا زیادہ دنوں تک متکفل نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے اس نے فوجی معاملات میں شان چنگیزی پیدا کرنی چاہی اور ترکی ممالک کی طرح فوجی سپاہیوں کو بہت کم تنخواہ پر ملازم رکھنا چاہا، اس نے ارکان سلطنت کے سامنے اس خیال کو ظاہر کیا تو سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ اگر ضروریات زندگی ارزاں ہو جائیں تو تھوڑی سی تنخواہ میں بہت سے مسلح سپاہی ملازم رکھے جا سکتے ہیں، سلطان نے یہ رائے پسند کی اور سب سے پہلے غلہ کی ارزانی کے لیے تمام غلوں کا حسب ذیل نرخ مقرر کیا:

گیہوں	فی من ساڑھے سات جیتل (۲)
جو	فی من ساڑھے چار جیتل

(۱) تاریخ فیروز شاہی، جلد دوم، ص ۳۴۴۔ (۲) جیتل تانبے کا ایک پیسہ تھا اور اس زمانہ میں من ۴۰ سیر کا اور سیر ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنا	فی من ساڑھے پانچ جیتل
چاول	فی من ساڑھے پانچ جیتل
ماش	فی من ساڑھے پانچ جیتل
موٹھ	فی من ساڑھے تین جیتل

اور اس نرخ کے قائم رکھنے کے لیے چند ضوابط بنائے جو حسب ذیل ہیں:

۱- غلے کی منڈیوں میں سرکاری عہدہ دار جن کو شحنہ کہتے تھے، مقرر کیے کہ وہ نہایت ہوشیاری سے سرکاری نرخ کو قائم رکھیں اور تاجروں کو اس میں کمی بیشی کا موقع نہ دیں۔

۲- سرکاری محاصل میں جو غلہ وصول ہو تو اس کو جمع رکھا جائے تا کہ اگر بازار میں غلہ کی کمی ہو تو سرکاری غلہ مقررہ نرخ کے موافق فروخت کیا جا سکے، اس غرض سے بعض جگہ مال گذاری میں صرف غلہ لیا جاتا تھا اور اس طریقہ سے دلی میں اس قدر غلہ آتا تھا کہ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس کے دو تین گھر سرکاری غلہ سے پر نہ ہوں، اگر قحط پڑ جاتا تھا یا تاجران غلہ کسی وجہ سے غلہ نہیں لاتے تھے تو منڈی میں یہی سرکاری غلط فروخت ہوتا تھا اور اس میں غلہ کی کمی نہیں ہوتی تھی۔

۳- ملک کے تمام غلہ فروش شحنہ کی رعایا بنا کر جمنا کے کنارے بسائے جائیں تا کہ اطراف ملک سے غلہ لا کر سرکاری نرخ کے موافق فروخت کریں اور اس معاملہ میں ان سے تحریری معاہدہ لیا جائے، کسی شخص کو احتکار یعنی غلہ کے روک رکھنے کا موقع نہ دیا جائے اور اس بارے میں اس قدر سختی کی گئی کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی شخص نے غلہ روک رکھا ہے تو اس غلہ کو سرکاری غلوں میں داخل کر لیا جاتا تھا اور اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

۴- کاشت کار اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ کھیت ہی پر فروخت کر دیں اور اس سے زیادہ ایک دانہ بھی گھر پر نہ لے جائیں، اس کے ساتھ عمال رعایا سے مال گذاری کھیت ہی پر وصول کر لیں تا کہ کاشت کار اپنے حصہ سے زائد غلط گھر میں لے جا کر جمع نہ کر سکیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵- روزانہ غلہ کے نرخ اور منڈی کے تمام معاملات کی اطلاع بادشاہ کو دی جائے اور قحط کے زمانہ میں ہر شخص صرف اپنی ضرورت کے موافق غلہ خریدے اور اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا کہ اگر مقررہ ضوابط میں ذرہ برابر بھی خلل پڑتا تھا، تو منڈی کا تمام عملہ سزایاب ہوتا تھا اور جو لوگ ضرورت سے زیادہ آدھ سیر غلہ بھی خریدتے تھے، وہ معتوب ہوتے تھے، اس کے لیے خاص خاص گماشتے اور جاسوس مقرر تھے، جو شدت سے اس حکم پر عمل کراتے تھے اور بادشاہ کو خفیہ طور پر تمام معاملات کی اطلاع دیتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ قحط کے زمانہ میں بھی یہی نرخ قائم رہتا تھا اور غلہ کے انبار میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

غلہ کی طرح تمام سوتی اور ریشمی کپڑوں کی بھی حسب ذیل قیمتیں مقرر کی گئیں:

چیرہ دہلی	۱۶ تنکہ	چیرہ کونکہ	۶ تنکہ
سرے صاف اعلیٰ	۵ تنکہ (۱)	خز دہلی	۱۶ تنکہ
سرے صاف میانہ	۳ تنکہ	خز کوتلہ	۶ تنکہ
سرے صاف ادنیٰ	۲ تنکہ	مشروع شعری مہین	۳ تنکہ
سلائی اعلیٰ	۴ تنکہ	برو مہین یا دوال لعل	۶ چیتل
سلائی میانہ	۳ تنکہ	برد ادنی	۳ چیتل
سلائی ادنیٰ	۲ تنکہ	استر لعل ناکوری	۲۴ چیتل
کرپاس اعلیٰ ۲ گز	۱ تنکہ	استر ادنی	۱۲ چیتل
کرپاس میانہ ۳ گز	۱ تنکہ	شیریں بافت مہین	۵ تنکہ
کرپاس ادنیٰ ۴ گز	۱ تنکہ	شیریں بافت متوسط	۳ تنکہ
کرپاس سادہ	۱۰ چیتل	شیریں بافت ادنی	۲ تنکہ

(۱) تنکہ سونے اور چاندی کا ایک سکہ تھا، جس کا وزن ایک تولہ ہوتا تھا، اس جگہ تنکہ سے چاندی کا تنکہ مراد ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس نرخ کو قائم رکھنے کے لیے حسب ذیل ضوابط وضع کیے:

۱- دروازہ بدایوں کے قریب ایک وسیع صحرا میں سرائے عدل کے نام سے ایک سرائے قائم کی اور حکم دیا کہ اطراف و جوانب سے سوداگر جو کپڑے لائیں، ان کو کسی بازار یا کسی کے گھر میں نہ اتاریں بلکہ براہ راست سرائے عدل میں لاکر شاہی نرخ کے مطابق صبح سے ظہر کے وقت تک فروخت کریں، اس ضابطہ کے خلاف اگر کوئی شخص کسی کے گھر یا کسی بازار میں اپنا مال اتار کر نرخ شاہی سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتا تھا یا خرید و فروخت کے مقررہ وقت کی پابندی نہیں کرتا تھا تو اس کا مال بحق شاہی ضبط کر لیا جاتا تھا اور اس کو سزا دی جاتی تھی۔

۲- شہر و اطراف ممالک کے تمام سوداگران پارچہ کے نام درج دفتر کرائے اور ان کو حکم دیا کہ بدستور معہود کپڑوں کو لاکر سرائے عدل میں شاہی نرخ کے مطابق فروخت کریں، اس ضابطہ کا یہ اثر ہوا کہ شاہی کپڑوں کی ضرورت باقی نہیں رہی، بلکہ خود تاجران پارچہ اس کثرت سے کپڑے لانے لگے جو مدتوں سرائے عدل میں پڑے رہتے تھے اور فروخت نہیں ہوتے تھے۔

۳- امراء و روساء کو حکم دیا کہ جب وہ عمدہ، باریک اور قیمتی کپڑے خرید کرنا چاہیں تو رئیس بازار سے پروانہ حاصل کریں، چنانچہ اس ضابطہ کے مطابق رئیس بازار امراء و روساء کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق پروانہ دیتا تھا اور جس شخص کی نسبت معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کپڑے کا تاجر نہیں ہے، بلکہ سرائے عدل سے عمدہ کپڑے ارزاں قیمت پر خرید کر باہر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا چاہتا ہے، اس کو پروانہ نہیں دیتا تھا، اس بندش سے تاجران پارچہ بھی عمدہ کپڑے ارزاں قیمت پر خرید کر باہر نہیں لے جاسکتے تھے اور اس طرح ان کو گراں قیمت پر ان کے فروخت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

۴- ۲۰ لاکھ تنکہ ملتان کے تاجران پارچہ کو شاہی خزانہ سے دلوایا تاکہ اطراف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک سے کپڑے لاکر سرائے عدل میں شاہی نرخ کے مطابق فروخت کرسکیں۔

غلے اور کپڑے کی طرح گھوڑوں کی بھی حسب ذیل قیمتیں مقرر کیں:

اول درجہ کا گھوڑا	سو سے ایک سو بیس تنکہ تک
دویم درجہ کا گھوڑا	۸۰ سے ۹۰ تنکہ تک
سویم درجہ کا گھوڑا	پینسٹھ سے ستر تنکہ تک
ٹٹو	دس بارہ سے بیس پچیس تنکہ تک

ان قیمتوں کے قائم رکھنے کے لیے بھی چند ضابطے مقرر کیے:

۱- حکم دیا کہ کیسہ دار (وہ لوگ جو ارزانی کے وقت سستے دام پر چیزیں خریدتے ہیں اور گرانی کے زمانہ میں مہنگے دام پر فروخت کرتے ہیں)، سوداگروں سے گھوڑے نہ خریدیں اور سوداگر بھی ان کے بجائے بازار میں خرید وفروخت کریں اور اس معاملہ میں دونوں سے معاہدہ لیا گیا لیکن جو لوگ ارزان خری اور گران فروشی کی لذت سے آشنا تھے، وہ اس سے باز نہیں آتے تھے، اس لیے ان کو سخت سزائیں دیں اور بعض کو قتل اور بعض کو جلاوطن کیا۔

۲- دلالوں پر اس قدر تشدد کیا کہ اگر یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ ایک گھوڑا بھی نرخ بادشاہی کے مطابق فروخت نہیں کیا گیا ہے تو تمام دلالانِ شہر معتوب ہوتے تھے اور مجرم اور غیر مجرم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔

۳- ہر چالیسویں روز گھوڑوں کی جنس اور قیمت کی تحقیقات کرتا تھا اور اگر اس میں ذرہ برابر بھی فرق وتفاوت معلوم ہوتا تھا تو تمام دلال معتوب ہوتے تھے۔

اسی طرح چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا ایک خاص نرخ مقرر کیا گیا، فرشتہ لکھتا ہے:

"وہر چہ کہ در بازار بخرید فروش آن احتیاج می باشد بادشاہ نرخ آن قرار دادے ونظر بر اینکہ ایں چیز محقر است مثل سوزن وشانہ وکفش وکوزہ گلی نینداختے وبہاے ہمہ چیز از نان تا بریان واز حلوائے صابونی تا دیوڑی واز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پودینہ تا تنبول بحضور خویش مشخص ساختے''

اس اصول کے مطابق ذیل کی چیزوں کے حسب ذیل نرخ مقرر کیے:

مصری	فی سیر دو چیتل
شکر تری	فی سیر ایک چیتل
شکر سرخ	فی سیر آدھی چیتل
روغن کنجد	تین سیر ایک چیتل
روغن ستور	ڈیڑھ سیر ایک چیتل
نمک	پانچ سیر ایک چیتل
دودھ	پانچ سیر ایک چیتل

غرض اسی طرح بھیڑ بکری، گائے اور بھینس وغیرہ کی بھی مناسب قیمتیں مقرر کی گئیں، سلطان علاء الدین نے ان قیمتوں کے قائم رکھنے کے لیے اس قدر اہتمام کیا کہ سوداگروں کے حالات اور قیمت کی تحقیقات کے لیے روزانہ تین جگہوں سے اطلاعات حاصل کرتا تھا، ایک تو منڈی کے شحنہ سے، دوسرے لائیس بازار سے، تیسرے ان جاسوسوں سے جو خاص طور پر اسی کام کے لیے مقرر کیے گئے تھے، اس پر تسکین نہیں ہوتی تھی تو کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو خرید و فروخت کے معاملات سے ناواقف ہوتے تھے، چند تنکہ دے کر بازار بھیجتا تھا کہ لڑکوں کے پسند کی چیزیں خرید کر بادشاہ کے پاس لائیں، اگر معلوم ہوتا کہ نرخ یا وزن میں کمی بیشی کی گئی ہے تو دوکان دار کو کم سے کم جو سزا دیتا تھا، وہ یہ تھی کہ ان کے ناک کان کاٹ لیتا تھا۔(۱)

سلطان علاء الدین کے بعد یہ نرخ قائم نہ رہ سکا اور دوبارہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی، البتہ اسلامی سلطنت کے دور تنزل میں نواب جعفر خان المتوفی ۱۱۳۵ھ نے اس کی

(۱) فرشتہ، جلد اول، ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴؛ تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، ص ۳۰۴ تا ۳۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف شدت سے توجہ کی اور اس میں حسب ذیل طریقوں سے کامیابی حاصل کی:

۱۔متمول لوگوں کے پاس غلہ کے ذخیرے نہیں رہنے دیتے تھے۔

۲۔ہر ہفتہ غلوں کا نرخ دریافت کرتے تھے اور خود رعایا سے نرخ پوچھتے تھے۔

۳۔اگر بیوپاری ذرہ برابر بھی نرخ میں کمی کرتے تھے تو ان کو سزا دیتے تھے اور ان کی تشہیر کرتے تھے۔

۴۔جہازوں پر ضرورت یعنی خوراک سے زیادہ غلہ لادنے نہیں دیتے تھے، جس سے غلہ کی برآمد بند ہوگئی تھی۔

ان بندشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

''درعہد او نرخ برنج فی روپیہ پنج شش من ارزبازار بود و اجناس دیگر بہمیں قیاس، چنانچہ بخرچ یک روپیہ در ماہ پلاؤ و قلیہ ہر روز می خوردند، ازیں ممر فقیر و مساکین مرفہ الحال بودند''۔(۱)

عمارتیں: ہندوستان میں اسلامی عمارات کی بنیاد اگرچہ مسلمان فاتحین کی آمد کے پہلے ہی دن سے پڑ گئی تھی اور سب سے پہلے ناصر الدین سبکتگین اور اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے تعمیر مساجد سے اس کا آغاز کیا تھا لیکن اس سلسلے کو سلطان علاء الدین خلجی نے جو ۶۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا، بہت زیادہ وسعت اور ترقی دی اور مسجدوں کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے مختلف قسم کی عمارتیں بنوائیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

''وآن قدر عمارت کہ درعہد او بنا یافت از مسجد و خانقاہ و حوض و منار و حصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ''۔(۲)

سلطان علاء الدین کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے بھی اس معاملہ میں نہایت ناموری حاصل کی اور قلعہ تغلق آباد کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے عمارتیں بنوائیں،

(۱) ریاض السلاطین، ص ۲۸۳۔ (۲) تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص ۱۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مآثر رحیمی اور تاریخ فرشتہ میں ہے:

"وبساختن عمارت رغبت تمام داشت، عمارت قلعہ تغلق آباد و دیگر بناہا فرمودہ و بغایت عمارت دوست بود و بیشتر اوقات او صرف عمارت شدے"۔(۱)

اس کے بعد فیروز شاہ نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں اور سلاطین گذشتہ کی تعمیر کردہ عمارتوں کی مرمت اور اصلاح کروائی، چنانچہ خود لکھتا ہے:

"ومساجد بنا نہادم، و دیگر بقاع خیر بادشاہان ماضیہ را از مسجد و خانقاہ، ومدرسہ وچاہ وحوض و پل ومقبرہ کہ مندرس شد، درتجدید معمور ساختم واہل خدمت بر جمیع مساجد و مدارس وخوانق وحمام وچاہ معین ساختہ وظیفہ قراردادم"۔

ان تمام عمارتوں کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں تاہم فرشتہ کو جو تعداد معلوم ہوسکی، وہ حسب ذیل ہے:

مسجد	۴۰	شفاخانہ	۵۰
مدرسہ	۳۰	مقبرہ	۱۰۰
خانقاہ	۲۰	حمام(۲)	۱۰
محل	۱۰۰		

جونپور کی مشہور مسجدیں اسی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

فیروز شاہ کے بعد سلطان سکندر نے ۷۹۵ھ میں کشمیر میں ایک نہایت عالی شان مسجد بنوائی لیکن ایک مدت کے بعد یہ مسجد جل گئی تو سلطان حسین نے اس کو از سر نو تعمیر کروانا شروع کیا، لیکن اثنائے تعمیر ہی میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے وزیر ابراہیم باکرے نے ۹۰۹ھ

(۱) تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص ۱۳۰؛ مآثر رحیمی، جلد اول، ص ۳۴۱۔ (۲) تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص ۱۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تعمیر کے کام کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا، جہاں گیر نے اس کی نسبت لکھا ہے:

''الحق از حکام کشمیر اثرے بہتر ازیں نماندہ''۔(۱)

فرماں روایانِ کشمیر میں سلطان سکندر کے بعد اس سلسلہ میں سلطان زین العابدین نے نہایت ناموری حاصل کی اور کشمیر میں نہایت کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں جو سلاطین تیموریہ کے زمانہ تک قائم تھیں، چنانچہ جہاں گیر ایک موقع پر تزک میں لکھتا ہے:

''آثار وعلامات وعمارت او در کشمیر بسار است''۔

ان میں سے جہاں گیر نے ایک خاص عمارت کا تذکرہ کیا ہے، جو سلطان زین العابدین کے تعمیری کارناموں میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ''ان تمام عمارتوں میں ایک عمارت جس کا نام زمین لنکا ہے، اولر نامی تالاب کے اندر بنائی گئی ہے، اس تالاب کا عرض و طول تین کوس سے زیادہ ہے اور اس کا چشمہ ایک گہرے دریا کے اندر ہے، اس عمارت کے بنانے میں اس نے بڑی کوشش کی اور پہلی بار کشتی میں بھر کر بہت سے پتھر منگوا کر اس مقام پر گروائے، جہاں یہ عمارت تعمیر ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، اسی طرح پتھر سے لدی ہوئی کئی ہزار کشتیاں ڈبوئی گئیں اور بڑی محنت کے بعد گیارہ سو گز کا ایک قطعہ زمین پانی سے نکلا، جس پر ایک چبوترہ بنایا گیا اور اس چبوترہ کے ایک کنارہ پر اس نے ایک عمارت بنوائی، جس میں وہ عبادت کیا کرتا تھا، کشمیر کے حکام میں سے تین شخصوں نے اس چبوترے کے تین ضلعوں پر عمارتیں بنوائیں لیکن ان میں کوئی سلطان زین العابدین کی عمارت کا مضبوطی میں مقابلہ نہیں کرسکتی''۔(۲)

فرشتہ نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ اس عمارت کا ذکر کیا ہے اور اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چبوترے پر باغ، مسجدیں اور دوسرے مکانات بھی بنوائے گئے تھے اور ان سب کے مجموعہ نے ایک ایسا دل کش منظر پیدا کردیا تھا کہ فرشتہ کے الفاظ میں:

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۰۲۔ (۲) ایضاً، ص ۴۶، ۴۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"بدان نزاہت و لطافت و غرابت جائے کم خواہد بود، و فی الواقع
بخوبی آن عمارت شاید کہ درکم جائے از عالم بودہ باشد"۔(۱)

فرشتہ نے سلطان زین العابدین کی ایک اور عمارت کا ذکر کیا ہے جو بارہ منزلہ تھی اور اس کی بعض منزلوں پر پچاس حجرے، ایوان اور جھروکے تھے اور باوجود اس وسعت اور بلندی کے پوری عمارت لکڑی کی تھی۔(۲)

اس کے بعد سکندر لودی نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں اور اپنی سلطنت کی تمام مسجدوں میں قاری خطیب اور جاروب کش مقرر کیے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔(۳)

اس کے بعد بابر ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا تو جو مسجدیں اور خانقاہیں جنگ کے زمانہ میں ویران ہوکر غیر مسلموں کے بیلوں اور گھوڑوں کا استھان بن گئی تھیں، ان کو نئے سرے سے تعمیر کروایا اور ان میں موذن اور جاروب کش مقرر کیے، چنانچہ خافی خان ۹۳۴ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

"و مساجد و خانقاہ کہ جائے پائگاہ اسپان و گاوان کافران گشتہ بود
ہمہ راصاف و تعمیر نمودہ موذن و جاروب کش مقرر فرمودہ"۔(۴)

اسی صدی میں سلطان ناصر الدین خلجی نے اس سلسلہ میں نہایت نام پیدا کیا اور مالوہ میں اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں کہ مالوہ کے محاصل سے سترہ کرور روپے جو اس کو ملے تھے، اس میں سے پانچ کرور روپے تعمیرات میں صرف ہوگئے، صاحب مآثر رحیمی نے اس کے ایک محل کا جو باغ فیروزہ میں تعمیر ہوا تھا، ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"و در باغ فیروزہ قصرے طرح انداخت کہ سیاحان ربع مسکون
نشان ندادہ اند"۔(۵)

---

(۱) فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۳۵، ۳۴۵۔ (۲) ایضاً، ص ۳۳۵۔ (۳) ایضاً، جلد اول، ص ۱۸۶، ۱۸۷۔
(۴) خافی خان، حصہ اول، ص ۶۳۔ (۵) مآثر رحیمی، جلد اول، ص ۱۶۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں گیر نے بھی اس کی بعض عمارتیں دیکھی ہیں اور تزک میں ان کا ذکر کیا ہے۔(۱)

قلعہ رہتاس بھی جس کی بنیاد شیر شاہ نے ڈالی تھی اور سلیم شاہ نے اس کی تکمیل کی، اسی صدی کی یادگار ہے، جہاں گیر نے اس قلعہ کو دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے تمام دروازوں پر تعمیر کا خرچ ایک پتھر پر کندہ ہے، جس کی مجموعی تعداد سولہ کرور دو لاکھ درم یعنی ہندوستان کے حساب سے ۴۰ لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہے۔(۲)

ان سب کے بعد ۹۶۳ھ سے اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا اور اس دور کی تمدنی ترقیوں نے ہندوستان قدیم کو بالکل بدل کر ایک نیا ہندوستان پیدا کر دیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

> ''و رسیدن صاحب کمالاں ایران و توران و روم و درجرگہ جان نثاران ایں سلسلہ عالیہ داخل گردیدن و ہندوستان راز ینت تغیر و تبدیل از وضع سابق دادن مخصوص عہد سلطنت عرش آشیانی بود''۔(۳)

اور اس دور ترقی کا جو اثر عمارت وغیرہ پر پڑا، ان کے متعلق خافی خان لکھتا ہے:

> ''و در تمام سواد اعظم ہندوستان عمارات عالی ولباسہاے فاخرہ و منازل خوش و بساتین دلکش و دیگر مایحتاج لذت زندگانی در عہد آن واضع آئین دولت و بانی نسق سلطنت رواج گرفت''۔(۴)

لیکن اس تمدنی انقلاب کے زمانہ میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کی مختلف قسمیں تھیں:

۱۔عام رعایا نے عمدہ، پاکیزہ اور بلند عمارتیں بنوائیں۔

۲۔خود اکبر نے شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں۔

۳۔امراء نے اس میں بادشاہ کی تقلید کی اور عمدہ عمارتیں تعمیر کروائیں۔

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۰۴۔ (۲) ایضاً، ص ۴۷۔ (۳) خافی خان، حصہ اول، ص ۱۸۹۔

(۴) ایضاً، ص ۲۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن تاریخوں میں پہلی قسم کی عمارتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ خود اکبر اور اس کے امراء نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان میں مشہور عمارتوں کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے، جن میں سب سے مشہور قلعہ آگرہ ہے، جس کو سب سے پہلے سکندر لودی نے پتھر، اینٹ اور چونے کا تعمیر کرایا تھا لیکن اکبر نے ۹۷۳ھ میں سنگ سرخ سے اس کی تعمیر کروائی، اس کے اندر سنگ مرمر کی ایک مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں اور ۹۸۰ھ میں بیس لاکھ روپے کے خرچ سے تیار ہو گیا (۱)، لیکن صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ آٹھ سال میں قاسم خان میر بحر کے اہتمام میں سات کرور تنکہ یعنی ۳۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوا اور ۹۷۲ھ میں دریائے جمنا کے کنارے شہر کے مشرقی جانب پہلے قلعہ کی جگہ جو بوسیدہ ہو گیا تھا، اس کی بنیاد ڈالی گئی، اس کی دیوار کا عرض ۳۰ گز اور بنیاد سے کنگرہ تک کی بلندی ساٹھ گز ہے، سنگ سرخ کو تراش کر باہم اس طرح جوڑا ہے کہ اس کی درز مین ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس کی بنیاد ہر جگہ پانی کی تہ تک پہنچائی گئی ہے اور مزید احتیاط کے لیے آہنین حلقے لگا کر پتھروں کو ایک دوسرے پر بٹھایا ہے۔ (۲)

اکبر نے جب الٰہ آباد کو آباد کیا تو وہاں بھی دریائے گنگا و جمنا کے درمیان ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کروایا۔ اکبری دور کی ایک اور مشہور یادگار فتح پور سیکری کی مسجد ہے۔

جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے:

> ''یک از اعاظم آثار کہ در عہد دولت و زمان خلافت حضرت عرش آشیانی بظہور آمدہ ایں مسجد و روضہ است، مثل ایں مسجد در ہیچ بلادے نیست عمارتش ہمہ از سنگ در کمال صفا اساس نہادہ پنج لک روپیہ از خزانہ عامرہ صرف شدہ''۔ (۳)

---

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۱۶۵۔ (۲) مآثر الامراء، حصہ سوم، ص ۶۳۔ (۳) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۶۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد اس کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے۔

مورخین نے اس دور کی انہی تین مشہور عمارتوں کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، ان کے علاوہ اکبر نے اور جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں اجمالاً کیا ہے، چنانچہ آئین عمارت میں لکھتا ہے:

''ازین روگیتی خدیو پیوستہ عالی بناہا طرح فرماید''۔

لاہور کے متعلق لکھا ہے:

''چون چندگاہ پائے تخت شد والا کاخہا برافراختہ آمد''۔(۱)

اکبر کے علاوہ اس دور میں امرائے اکبری نے بھی متعدد عمارتیں بنوائیں، چنانچہ اعتماد خان نے آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر اعتماد پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا اور اس میں ایک تالاب، ایک عمارت اور اپنا مقبرہ بنوایا(۲)، آج بھی یہ مقبرہ موجود ہے اور اعتمادالدولہ کے نام سے مشہور ہے۔

خداوند خان دکنی نے قصبہ رونتکھیرہ میں ایک مسجد بنوائی، جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے اب تک شکست وریخت سے محفوظ ہے۔(۳)

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس دور میں بعض ہندو امراء نے بھی مسجدیں بنوائیں، چنانچہ راجہ بھگونت داس نے لاہور میں ایک جامع مسجد بنوائی جس میں اکثر لوگ نماز جمعہ پڑھتے تھے۔(۴)

شاہ قلی خان محرم نے نارنول میں توطن اختیار کیا تو وہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائیں اور ایک تالاب کھدوایا۔(۵)

صادق محمد خان ہروی نے دھول پور کو جو آگرہ سے ۲۰ کوس کے فاصلہ پر ہے، اپنا

---

(۱) آئین اکبری، جلد دوم، ص ۱۵۲۔ (۲) مآثر الامراء، جلد اول، ص ۹۰۔ (۳) ایضاً، ص ۶۵۹۔ (۴) ایضاً، جلد دوم، ص ۱۳۱۔ (۵) ایضاً، ص ۶۰۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن بنایا تو وہاں ایک سرائے، ایک عمارت اور ایک شاندار مقبرہ بنوایا اور آس پاس کے دیہات کو آباد کیا۔(۱)

اسلامی دور میں فن تعمیر کی ترقی نے کتبہ نویسی کا ایک مستقل فن پیدا کر دیا تھا اور دور اکبری میں میر معصوم بھکری نے اس میں خاص نام پیدا کیا تھا، وہ نہایت خوشخط کتبہ نویس تھے اور ہندوستان سے لے کر تبریز و اصفہان کے راستوں اور منزلوں میں ہر جگہ مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں پر اپنے اشعار کندہ کیے تھے، قلعہ آگرہ اور جامع مسجد فتح پور کے دروازے کے کتبے انہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، کتبہ نویسی کے ساتھ انہوں نے نیک کاموں کے لیے بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں، بالخصوص شہر سکھر میں جو ان کا مولد تھا، اس قسم کی بہ کثرت عمارتیں تعمیر کروائیں، پنجاب میں بھکر کے گرد جو دریا واقع تھا، اس میں ایک عمارت سیتا سر نامی بنوائی، جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

''از نوادر روے زمین است، گنبد دریائی تاریخ آنست''۔(۲)

اسی زمانہ میں یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں قلعہ ارک، عیدگاہ قدیم اور گلبرگہ میں شیخ محمد سراج جنیدی کا روضہ اور اس کے منارے بنوائے۔(۳)

اس کے بعد جہاں گیر کا دور حکومت شروع ہوا جو اگرچہ تعمیری حیثیت سے کچھ زیادہ شہرت نہیں رکھتا، تاہم اس دور کی سب سے زیادہ مشہور عمارت سکندرہ یعنی اکبر کا مقبرہ ہے جس کو جہاں گیر نے ۱۵ لاکھ کے صرف سے تعمیر کروایا تھا، اس کے علاوہ متفرق عمارتیں ہیں، جو اس نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائیں، مثلاً اجمیر میں ایک تالاب اناساگر نامی تھا، جہاں گیر نے اس کے کنارے متعدد عمارتیں بنوائی تھیں اور شاہ جہاں نے اجمیر کے سفر میں انہی میں قیام کیا تھا۔(۴)

---

(۱) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۷۲۹۔ (۲) ایضاً، جلد سوم، ص ۳۲۸۔ (۳) بساتین السلاطین، ص ۲۲، ۲۳۔

(۴) بادشاہ نامہ، حصہ اول، ص ۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سفر میں باباحسن ابدال کے پل اوراس کے پاس کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے زروزن سے پانچ ہزار روپے دیے اور حکم دیا کہ پل اور عمارتیں نہایت مستحکم طور پر بنوائی جائیں۔(۱)

ایک بار سیر و شکار کے موقع پر خواجہ جہان کو حکم دیا کہ ایک ایسی عمارت تیار کروائے جواس کے ٹھہرنے کے قابل ہو، چنانچہ خواجہ جہان نے تین مہینے میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کروادی، جو جہاں گیر کو نہایت پسند آئی۔(۲)

جہاں گیری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں نئی عمارتوں کے ساتھ شاہان ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت واصلاح بھی ہوئی، مثلاً مانڈو میں سلاطین غوریہ اور خلجیہ کے جو آثار باقی تھے، جہاں گیر نے ان کی مرمت کروائی اور وہاں جانے سے پہلے عبدالکریم معموری کو حکم دیا کہ وہاں جا کر کچھ نئی عمارتیں بنوائے اور سلاطین ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت کروائے (۳)، اس حکم کے مطابق اس نے چندروز میں بعض قدیم عمارتوں کی مرمت کرائی اور بعض مقامات پر کئی عمارتیں بنوائیں، تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوا اور نہایت دلکش عمارتیں تیار ہوئیں، چنانچہ خود جہاں گیر لکھتا ہے:

> ''در ہیچ جابدان نزاہت و لطافت عمارتے معلوم نیست بایستے کہ
> ایں عمارت رفیع در شہرہائے رفیع کہ قابلیت نزول اجلال می داشت واقع
> می بود''۔(۴)

صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

> ''و دران سال در ماندو بحکم بادشاہی عمارات دلکش ترتیب یافتہ
> نشیمنہائے سلاطین ماضیہ ترمیم پذیرفت''۔(۵)

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۷۷۔ (۲) ایضاً، ص ۹۳۔ (۳) ایضاً، ص ۱۳۸۔ (۴) ایضاً، ص ۱۸۰۔ (۵) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۵۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گجرات میں کاکرایہ ایک تال ہے، جس کو سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کے نواسے قطب الدین محمد نے بنایا تھا اور اس تال کے درمیان ایک باغیچہ اور ایک عمارت تعمیر کروائی تھی اور آمد ورفت کے لیے تال کے کنارے سے اس عمارت تک ایک پل بندھوایا تھا، چونکہ امتداد زمانہ سے یہ عمارت گر پڑ گئی تھی، اس لیے جب جہاں گیر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا تو صفی خان بخشی گجرات نے شاہی خزانہ سے اس کی مرمت کروائی اور ایک جدید عمارت جس کا رخ تال کی طرف تھا، تعمیر کروائی اور ایک باغیچہ لگوایا۔(۱)

احمد آباد میں سلاطین گجرات نے جو عمارتیں بنوائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ویران ہوگئی تھیں، اس لیے جہاں گیر کے زمانہ میں مقرب خان نے ان کو نئے سرے سے بنوایا اور اس کے ساتھ دوسری ضروری عمارتیں بھی تعمیر کروائیں، چنانچہ جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

> ''منازل سلاطین گجرات کہ دردرون بدر واقع بود درین پنجاہ شش سال خراب شدہ واثرے ازآنہا نماندہ غایۂ جمعے از بندہاے ما کہ بحکومت ایں ملک تعین بودند، عمارات ساختہ اند دریں ولا کہ از ماندو متوجہ احمد آباد شدم مقرب خان منازل قدیم راازسرنو تعمیر نمودہ نشیمن ہائے دیگر کہ ضروری بود مثل جھروکہ عام وخاص وغیرہ ترتیب داد''۔(۲)

جہاں گیر نے کشمیر کے راستوں اور منزلوں میں بھی بہت سے مکانات بنوائے تاکہ خیمہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہو، چنانچہ تزک میں منزل نورا باد کے متعلق لکھتا ہے:

> ''از کھاٹ بھٹ تا کشمیر بدستور یکہ تا پیر پنجال درراہ منزل بہ منزل خانہا دنشیمن ہائے ساختہ اند دریں راہ نیز اساس یافتہ واصلا انجمیہ وسائر رخوت فراش خانہ احتیاج نیست''۔(۳)

کشمیر میں ایک چشمہ آصف آباد تھا، جو مچھی بھون کے نام سے مشہور تھا، اس جگہ

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور ص ۲۷۰۔ (۲) ایضاً ص ۲۱۲۔ (۳) ایضاً ص ۳۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یمین الدولہ نے جہاں گیر کے حکم سے بہت سی عمارتیں، حوض، نہر اور باغات تیار کرائے تھے اور شاہ جہاں نے کشمیر کے سفر میں اسی جگہ قیام کیا تھا (۱)، جہاں اس نے کشمیر کی رونق و آبادی بڑھانے کے لیے جو عمارتیں تعمیر کرائیں، اس کا اندازہ بادشاہ نامہ کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے:

''درزمان حضرت جنت مکانی کہ دراواخر سلطنت پنج مرتبہ تشریف فرمودند، چوں توجہ والا مصروف تربیت ایں سرزمین نشاط آگیں بافراختن عمارات و اصلاح درختان میوہ دار بہ پیوند و جز آن داشتند ازآنچہ بود بسیار بیش آمد''۔(۲)

جہاں گیر کا یہی تعمیری ذوق ہے، جو اس کو سلاطین ماضیہ کی عمارتوں کی سیر پر آمادہ کرتا ہے اور وہ نہایت ژرف نگاہی سے ان کو دیکھتا ہے اور ان کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کرتا ہے، چنانچہ تزک میں اس نے اس قسم کی متعدد عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے:

''مانڈو مدتوں اس ملک کے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے اور گذشتہ بادشاہوں کے آثار و عمارات وہاں اب تک موجود ہیں اور ان کو اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے، میں ان بادشاہوں کی عمارت کی سیر کے لیے روانہ ہوا اور پہلے مسجد جامع میں جو سلطان ہوشنگ غوری کی تعمیر کردہ ہے، آیا نہایت عمدہ عمارت ہے اور تمام تر پتھر تراش کر بنائی گئی ہے اور باوجودیکہ ایک سو اسی سال اس کی تعمیر پر گذر چکا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی معمار نے اس کی تعمیر کا کام ختم کیا ہے، اس کے بعد حکام خلجیہ کے مقبرے میں آیا''۔(۳)

(۱) بادشاہ نامہ، حصہ ول، ص ۵۰۔ (۲) ایضاً ص ۵۵۔ (۳) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۸۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح گجرات میں جامع مسجد کے دیکھنے کے لیے گیا ہے اور اس کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"ایں مسجد از آثار سلطان احمد بانی شہر احمد آباد است، والحق ایں مسجد بناے است بغایت عالی"۔(۱)

تیموری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور سے ہندوستان میں ایک جدید طرز تعمیر کا رواج ہوا اور وسیع اور پر فضا عمارتیں تعمیر ہوئیں، جہاں گیر اگرچہ ہندوستان کا دلدادہ ہے اور یہاں کی بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے، تاہم اس کو ہندوانہ طرز کی تنگ و تاریک عمارتیں پسند نہیں، بلکہ وہ عمارات میں وسعت اور فضائیت تلاش کرتا ہے، چنانچہ تزک میں ایک موقع پر لکھتا:

"چوں منازل و عمارات درون حصار بروش ہندوان اساس یافتہ و خانہا رابے ہوا و کم فضا ساختہ اند دلنشین نیفتاد و خاطر نیز تبوقف راضی نشد ،حمامے بنظر درآمد کہ یکے از نوکران رستم خان متصل بحصار قلعہ ساختہ باغچہ و نشیمنے مشرف بہ صحرا خالی از فضائے و ہوائے نیست"۔(۲)

جہاں گیر کے زمانہ میں امراء اور وابستگان دولت نے بھی بہت سی عمارتیں بنوائیں، چنانچہ ہلال نامی خواجہ سرانے جو ابتدا میں جہاں گیر کا میر تزک تھا، قصبہ رنگتہ میں جو آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے (یہ قصبہ اس کی جاگیر میں تھا)، ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا اور ایک پختہ سرائے بنوائی اور اس کا نام ہلال آباد رکھا، اس نے آگرہ میں مدار دروازہ کی جانب بھی ایک بلند اور عمدہ عمارت بنوائی (۳)، امرائے جہاں گیری و اکبری میں شیخ فرید مرتضٰی خان بخاری نے جو نہایت فیاض تھے۔

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۱۲، ۲۱۳۔ (۲) ایضاً ص ۲۵۸۔ (۳) مآثر الامراء، حصہ دوم، ص ۴۰۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱-احمد آباد میں ایک محلّہ آباد کیا، جس کا نام بخارا تھا۔

۲-شاہ وجیہ الدین گجراتی کا روضہ اور مسجد تعمیر کیا۔

۳-دلی میں فرید آباد کو آباد کیا اور اس میں تالاب اور عمارتیں اپنی یادگار چھوڑیں۔

۴-لاہور میں ایک محلّہ آباد کیا۔

۵-لاہور کے چوک میں ایک بڑا حمام بنوایا۔(۱)

اس عہد میں ملک عنبر نے موضع کھرکی میں جو دولت آباد یعنی اورنگ آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر واقع تھا، تالاب، باغ اور بہت سی بلند عمارتیں تعمیر کروائیں اور اس طرح اس کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔(۲)

جہاں گیر کے بعد شاہ جہاں کا دورِ حکومت شروع ہوا، جو تعمیری حیثیت سے خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے، اس دور میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان میں تاج محل جو شاہ جہاں کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل کا مقبرہ ہے، نہایت مشہور ہے، ممتاز محل نے ۱۰۴۰ھ میں بہ مقام برہان پور انتقال کیا تھا اور اس کی لاش وہیں باغ زمین آباد میں بطور امانت کے دفن کی گئی تھی، اس کے چھ مہینے کے بعد شاہزادہ محمد شجاع وزیر خان اور ستی خانم صدر النساء اس کو اکبر آباد میں لائے اور دریائے جمنا کے جنوبی کنارے پر دفن کیا اور وہیں یہ مقبرہ مکرمت خان کے اہتمام میں ۱۲ ر سال کی مدت میں پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا اور حویلی اکبر آباد اور پرگنہ نگر چند کے ۳۰ گاؤں جن کی مال گذاری ایک لاکھ روپیہ تھی اور مقبرہ کے آس پاس کی دوکانیں اور عمارتیں جن کا کرایہ دو لاکھ تھا، اس کے مصارف کے لیے وقف کیے گئے۔(۳)

شاہ جہانی عہد کی مشہور عمارتوں میں دوسرا درجہ قلعہ شاہ جہان آباد کا ہے، جو

---

(۱) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۶۳۹۔ (۲) ایضاً، ص ۹۔ (۳) ایضاً، جلد اول، ص ۱۶۰، خافی خان، حصہ اول، ص ۵۹۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے آٹھ سال کی مدت میں تیار ہوا، تعمیر کا کام پہلے غیرت خان کے اہتمام میں شروع ہوا، پھر الہ وردی خان کی داروغگی میں اس کی تعمیر ہوئی اور مکرمت خان کے اہتمام میں تکمیل کو پہنچا۔(۱)

اس قلعہ اور شہر کی فصیل کی تیاری کے بعد قلعہ کے متصل شاہ جہاں نے ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نظیر ابتدائے اسلام سے ہندوستان میں موجود نہ تھی، یہ مسجد دس لاکھ روپیہ کے صرف سے چھ سال کی مدت میں تین چار امراء یعنی خلیل اللہ خان، جعفر خان، سعد اللہ خان اور روح اللہ خان کے اہتمام میں تعمیر ہوئی۔

ع قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہ جہاں

اس کی تکمیل کی تاریخ ہے۔(۲)

اس قسم کی دوسری مسجد آگرہ کی جامع مسجد ہے، جو قلعہ اکبر آباد کے متصل تین لاکھ روپیہ کے صرف سے سات سال کی مدت میں سنگ سرخ سے تعمیر کی گئی۔(۳)

شاہ جہاں نے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضہ کی زیارت کی تو روضے کے مغربی جانب ایک نہایت عمدہ مسجد سنگ مرمر کی بنوائی۔(۴)

اکبر کے زمانہ سے لے کر جہاں گیر کے زمانہ تک قلعہ اکبر آباد کے جھروکہ دولت خانہ خاص و عام کے سامنے کوئی ایسا ایوان نہ تھا کہ اس میں تمام متوسلین سلطنت بیٹھ کر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہ سکیں، بلکہ اس کے لیے کپڑے کا ایک ایوان کھڑا کر دیتے تھے اور اسی میں تمام متوسلین سلطنت بیٹھتے تھے لیکن شاہ جہاں کے حکم سے اس کے سامنے ۷۰ گز لمبا اور ۲۲ گز چوڑا ایک ایوان چالیس دن کی مدت میں تیار ہوا اور اس کے تین طرف چاندی کے کٹہرے بنوائے گئے اور ان میں تمام متوسلین سلطنت کے لیے جیسا کہ بادشاہ نامہ میں بہ تفصیل مذکور

---

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۶۸۱۔ (۲) ایضاً، ص ۷۵۴۔ (۳) ایضاً، ص ۷۴۸۔ (۴) بادشاہ نامہ، حصہ اول، ص ۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، حسب مراتب جگہیں مقرر کی گئیں، طالب کلیم نے یہ رباعی اسی ایوان کے وصف میں لکھی ہے:

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست رفعت حرفے ز رتبۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سرو ست کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

شاہ جہاں نے اسی قسم کا ایک ایوان دارالسلطنت لاہور اور برہان پور (۱) میں بھی جھروکہ دولت خانہ خاص و عام کے سامنے بنوایا اور عمارات شاہ برج کی تکمیل کرائی، جس کے تفصیلی حالات بادشاہ نامہ میں مذکور ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر قسم کے نقش و نگار کے ساتھ مختلف شہروں اور ان کے باغوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ (۲)

لاہور میں دولت خانہ خاص اور آرام گاہ دولت خانہ عالی کی جو عمارتیں جہاں گیر نے تعمیر کروائی تھیں چونکہ وہ شاہ جہاں کو پسند نہ تھیں، اس لیے زمانۂ سفر کشمیر میں ان کی جگہ نئی عمارتیں بنوائیں اور ان کا نقشہ تیار کر کے وزیر خان اور عمارات شاہی کے دوسرے عہدیداروں کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ کشمیر کی واپسی کے زمانہ تک تمام عمارتیں مکمل ہو جائیں (۳)، کشمیر میں ایک موضع کا نام وہ اچوؔل تھا، جہاں جہاں گیر نے دولت خانہ خاص تعمیر کروایا تھا لیکن یہ عمارت پرانی ہو گئی تھی اور اس کا نقشہ بھی شاہ جہاں کے پسند کے موافق نہ تھا، اس لیے اثنائے سفر کشمیر میں حکم دیا کہ خاص شاہی قیام کے لیے دوسری عمارتیں جن میں آبشار اور حوض ہوں تعمیر کرائی جائیں اور ان کے علاوہ دولت خانہ خاص و عام بھی تعمیر ہو، چنانچہ اس جگہ پہلے سے بہتر عمارتیں تعمیر ہو گئیں۔ (۴)

شاہان تیموریہ کو شکار کا نہایت شوق تھا اور اس غرض سے خاص خاص مقامات شکار کے لیے مخصوص کر لیے گئے تھے اور وہاں کئی کئی دن قیام ہوتا تھا، اس لیے ان شکارگاہوں

---

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۴۰۴۔ (۲) بادشاہ نامہ، حصہ اول، ص ۲۲۲ تا ۲۲۵۔ (۳) ایضاً، ص ۱۲، ۱۳۔
(۴) ایضاً، ص ۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قیام کرنے کے لیے لازمی طور پر عمارتیں تعمیر کروانی پڑتی تھیں، دارالسلطنت لاہور کے اطراف میں ایک شکارگاہ تھی، جس کا اصلی نام جہاں گیرآباد تھا لیکن ہرن منارہ کے نام سے مشہور تھی، جہاں گیر نے اپنے عہد حکومت میں اس جگہ ایک عمارت تعمیر کروائی تھی لیکن وہ شاہ جہاں کو پسند نہ آئی، اس لیے حکم دیا کہ اس جگہ دوسری عمارت تعمیر کروائی جائے، چنانچہ ایک سال میں ۸۰ ہزار روپیہ کے صرف سے نہایت عمدہ عمارت تیار ہوگئی۔ (۱)

دارالسلطنت اکبرآباد کے پاس ایک اور شکارگاہ باری نامی تھی، جس کے تالاب کی دو سال کی مدت میں ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرف سے شاہ جہاں نے عمارتیں تعمیر کروائی تھیں، چونکہ یہ عمارتیں سنگ سرخ سے تعمیر ہوئی تھیں، اس لیے ایک شکار کے سفر میں شاہ جہاں نے ان میں قیام کیا تو ان کا نام لال محل رکھا۔ (۲)

اودے پور میں رانا اودے سنگھ نے پہاڑ کے اوپر اور تالاب بجولہ اور تالاب اودے ساگر کے درمیان جو عمارتیں تعمیر کرائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ہندوؤں کے طرز تعمیر کے مطابق تیار ہوئی تھیں، اس لیے وہ شاہ جہاں کو پسند نہ تھیں، اس کے ساتھ بعض لڑائیوں میں ویران بھی ہوگئی تھیں، اس لیے شاہ جہاں کے حکم سے ان کھنڈروں کی جگہ تیموری طرز تعمیر کے مطابق نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور پہاڑ کے اوپر بھی تال کے سامنے عمدہ عمارتیں بنوائی گئیں اور امراء و متوسلین نے بھی دولت خانہ کے اردگرد بلند عمارتیں بنوائی (۳) اور اس طرح گویا ایک پورا شہر جدید طرز تعمیر کے مطابق آباد ہوگیا۔

اس دور میں ایرانی طرز تعمیر کے مطابق پشاور میں جو عمارتیں تیار ہوئیں تھیں، وہ اگرچہ اثنائے سفر کابل میں شاہ جہاں کو پسند نہ آئیں لیکن علی مردان خان نے اصفہانی طرز تعمیر کے مطابق بازار میں جو مسقّف راستے بنوائے تھے اور بازار کے چاروں طرف کو ثمن بغدادی کے طریقے پر آراستہ کیا تھا، وہ اس کو نہایت پسند آئے، اس لیے ان کو دیکھا تو حکم دیا کہ اس کا

(۱) بادشاہ نامہ، حصہ اول، ص ۱۴۔ (۲) ایضاً، ۲۳۴۔ (۳) عمل صالح، جلد اول، ص ۴۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقشہ مکرمت خان ناظم دہلی کے پاس جس کے اہتمام میں شاہ جہاں آباد کا نوتعمیر قلعہ بن رہا تھا، روانہ کیا جائے۔(۱)

شاہ جہانی عہد میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کے مصارف کی تعداد ہمارے مؤرخین نے ڈھائی کروڑ بتائی ہے اور ان کی تقسیم اس طرح کی ہے:

تاج گنج	۵۰ لاکھ
آگرہ کی دوسری عمارتیں	۵۲ لاکھ
قلعہ شاہ جہان آباد	۵۰ لاکھ
جامع مسجد دہلی	۱۰ لاکھ
عمارات و باغات لاہور	۵۰ لاکھ
عمارات کابل	۱۲ لاکھ
کشمیر کی سیرگاہیں	۸ لاکھ
قندھار کی عمارتیں	۸ لاکھ
احمد آباد اور اجمیر وغیرہ کی عمارتیں (۲)	۱۰ لاکھ

بادشاہ نامہ کے مصنف نے اگرچہ مجموعی تعداد یہی رکھی ہے لیکن تقسیم میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، اس کی تصریح کے مطابق اس کی تقسیم یہ ہے:

عمارات آگرہ	ایک کرور دس لاکھ	اس میں سے ساٹھ لاکھ روپے، اندرون قلعہ کی مسجد پر جو سنگ مرمر کی ہے اور دولت خانہ اور دوسری عمارتوں اور باغوں پر صرف ہوئے اور پچاس لاکھ تاج محل پر۔
عمارات شاہ جہاں آباد	پچاس لاکھ	جامع مسجد کی تعمیر کے مصارف اس سے الگ ہیں۔

(۱) خافی خان، حصہ اول، ص ۲۲۰۔ (۲) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۸۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمارات و باغات لاہور	پچاس لاکھ
عمارات کابل	۱۲ لاکھ
عمارات کشمیر	۸ لاکھ
حصار قندھار و بست زمیند	۸ لاکھ
اور	
عمارات اجمیر و احمد آباد(۱)	۱۲ لاکھ

لیکن اکثر یورپین مؤرخ اور یورپین سیاح اس تعداد کو صحیح نہیں سمجھتے اور سلاطین تیموریہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا اور ان سے بطور بیگار کے کام لیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلہ کی ارزانی کی وجہ سے معماروں اور مزدوروں کی شرح اجرت بہت کم تھی اور غالباً تاریخوں اور کتبوں میں صرف معماروں اور مزدوروں اور مصالح کے اخراجات کی تعداد درج ہے، ان کے علاوہ جو مصارف تھے، وہ ان سے الگ ہیں، مثلاً تعمیرات کے اسٹاف یعنی اعلیٰ عہدہ داروں کی تنخواہ اس سے الگ ہے، پتھر شاہی کانوں سے لائے جاتے تھے، لکڑی بھی شاہی جنگلوں سے آتی تھی، بلور اور جواہرات کا بار خزانہ عامرہ پر تھا لیکن بہرحال اگر مصارف کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو اس کو تسلیم کر لینے میں ہمارا کوئی ہرج نہیں بلکہ اس سے سلاطین تیموریہ کی بلند حوصلگی اور فیاضی کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

امراء کی عمارتیں: شاہ جہاں کے علاوہ امرائے شاہ جہانی میں جن لوگوں نے مختلف مقامات میں عمدہ عمارتیں بنوائیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

اعتقاد خان: اس نے آگرہ میں جدید وضع کی ایک حویلی تعمیر کروائی، جو وہاں کی اور حویلیوں سے بہتر تھی، مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے آگرہ میں تین شخصوں یعنی

(۱) بادشاہ نامہ، حصہ دوم، ص ۱۴۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ جہاں جہاں گیری، خواجہ دیسی دیوان، سلطان پرویز اور اعتقاد خان نے جدید وضع کی حویلیوں کی بنیاد ڈالیں لیکن ان میں سب سے بہتر حویلی اعتقاد خان کی تھی، چونکہ وہ شاہ جہاں کو پسند آئی، اس لیے اعتقاد خان نے بطور پیش کش اس کو شاہ جہان کی نذر کیا اور بعد کو شاہ جہاں نے امیر الامراء علی مردان خان کو بطور انعام دیا۔(۱)

احمد نیازی خان: نیازی بڑا فیاض امیر تھا، اس کے باپ نے اشٹی برار میں توطن اختیار کیا تھا اور وہیں اس کی قبر تھی، اس تعلق سے احمد نیازی خان نے اس قصبہ کی آبادی بڑھانے کی کوشش کی اور ایک باغ لگوایا، ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی اور اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا۔(۲)

شاہ جہانی عہد میں بھرجی بیرم شاہ، ایک امیر تھا، جو بگلانہ کا زمیندار تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لڑکے بیرم شاہ کو شاہ جہاں نے مسلمان کر کے دولت مند خان کا خطاب دیا اور پرگنہ پونار خاندیس کو بطور انعام مرحمت کیا، اس نے اس قصبہ میں نہایت پر تکلف عمارتیں بنوائیں، جن کے آثار صاحب مآثر الامراء کے زمانہ تک باقی تھے۔(۳)

خان دوراں نصرت جنگ: دکن کا صوبہ دار تھا، اس نے دکن کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ قدیم نظام بالکل بدل گیا اور ملک کی آبادی ترقی کر گئی، چنانچہ برہان پور کی تمام اسی کے دور کی یادگاریں ہیں، صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"بیشتر عمارات عمدہ برہان پور در وقت او شدہ مندوی زمین آباد کنار
غنی از دست واز سروتیج تا برہان پور بدہ کردہی سراہا ساختہ اوست"۔(۴)

رشید خان انصاری: بڑا فیاض امیر تھا، اس نے برہان پور کی عیدگاہ کی توسیع کرائی اور اس میں نہر کا پانی لایا۔(۵)

---

(۱) مآثر الامراء، جلد اول، ص ۱۸۲۔ (۲) ایضاً، ص ۱۸۱۔ (۳) ایضاً، ص ۴۱۴۔ (۴) ایضاً، ص ۷۵۶، ۷۵۷۔ (۵) ایضاً، جلد دوم، ص ۲۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرفراز خان دکنی: مضافات ناندیر میں پرگنہ لوہ گاؤں اس کی جاگیر میں تھا، اس نے اس پرگنہ کے ایک گاؤں بلولی نامی میں توطن اختیار کیا اور اس میں ایک مسجد اور دوسری بلند عمارتیں بنوائیں، جن کی وجہ سے اس گاؤں کو دوسرے قصبات پر تفوق حاصل ہوگیا۔(۱)

وزیر خان حکیم علیم الدین: پنجاب کے ایک قصبہ چنوٹ میں پیدا ہوا تھا، ۱۰۵۰ھ میں انتقال کیا اور نہایت کثرت سے عمارتیں اپنی یادگار چھوڑیں، چنانچہ لاہور میں حمام، بازار اور متعدد حویلیاں اور ایک جامع مسجد بنوائی، لاہور کے پاس وزیرآباد کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا اور قصبہ چنوٹ کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی اور بہت سی پختہ عمارتیں بنوا کر وہاں کے لوگوں کو دیں، بازاروں میں سڑکیں، دوکانیں، مسجدیں، مدرسے، شفاخانے، کنوئیں اور حوض بنوا کر وہاں کے لوگوں پر وقف کیے، غرض صاحب مآثر الامراء کے الفاظ ہیں:

> ''ونوعے وطن را آراست کہ ایں دولت بہ ہیچ امیرے دیگر در ہندوستان میسر نشدہ''۔(۲)

اسلام خان: اس کو میر محمد نعمانؒ کے ساتھ خاص عقیدت تھی، اس لیے ان کے مزار کے پاس ۱۰۵۸ھ میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، کشمیر کی عیدگاہ بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔(۳)

عالم گیری دور کی عمارتیں: شاہ جہاں کے بعد عالم گیر کا دور حکومت آیا جو سادگی اور کفایت شعاری کا دور ہے، اس لیے اس دور میں جدید عمارتیں بہت کم تعمیر ہوئیں، صرف ضروری عمارتوں کی تعمیر اور مرمت و اصلاح کی گئی، مثلاً شہر بیجاپور اور اس کے آس پاس کی آبادیاں چونکہ مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے بالکل ویران ہوگئی تھیں، اس لیے عالم گیر نے وہاں چھاؤنی قائم کی اور عمارتیں بنوائیں (۴)، قلعہ ستارہ اور قلعہ پرلی میں شاہان بیجاپور نے جو مشہور مسجدیں تعمیر کی تھیں، چونکہ ہندوؤں کی دست برد سے بالکل ویران ہوگئی تھیں، اس لیے

---

(۱) مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۴۷۱۔ (۲) ایضاً، جلد سوم، ص ۹۳۵، ۹۳۶۔ (۳) ایضاً، جلد اول، ص ۲۱۹، ۲۲۰۔ (۴) خافی خان، حصہ دوم، ص ۳۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم گیر نے دوبارہ ان کی تعمیر کا حکم دیا(۱)، اسی طرح جلوس کے پہلے ہی سال جب اس کو اطلاع ملی کہ بہت سی مسجدیں اور عبادت گاہیں بے رونق اور ویران ہوگئی ہیں تو حکم دیا کہ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں اس قسم کی مسجدیں پائی جائیں، ان کی ترمیم وتجدید کی جائے اور امام، موذن اور نوکر اور فرش اور روشنی کے مصارف مقرر کیے جائیں (۲)، چنانچہ اس حکم کے موافق احمد آباد کی بہت سی مسجدوں کی مرمت ہوئی۔(۳)

سلاطین تیموریہ کے عہد میں جدید عمارتوں کی تعمیر کا ذوق لازمۂ امارت ہوگیا تھا، لیکن عالم گیر نے شرعی حیثیت سے عہد قدیم کے تمام امیرانہ وشاہانہ ساز وسامان کی اصلاح کی اور اپنے جلوس کے اکیسویں سال حکم دیا کہ:

۱- اہل قلم نقرئی دوات کے بجائے چینی وسنگ ملمع کی دواتیں استعمال کریں۔

۲- طلائی ونقرئی عودسوز دربار خاص وعام میں نہ سلگائے جائیں۔

۳- انعامات کی رقمیں بجائے خوانہائے نقرہ کے سپر میں رکھ کر ملاحظۂ عالی میں لائی جائیں۔

۴- خلعت خانہ میں بجائے مغرق کپڑوں کے کلابتونی کپڑے استعمال کیے جائیں۔

اور ان ہی احکام کے سلسلہ میں امراء کے تعمیری ذوق پر بھی پابندی عائد کی اور حکم دیا کہ چہار صدی سے بالاتر امراء بلا حکم شاہی جدید عمارتوں کے تعمیر کی جرأت نہ کریں۔(۴)

چہار صدی سے بالاتر امراء کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امراء جو عمارتیں تعمیر کرواتے تھے، ان سے صرف نام ونمود کا اظہار مقصود ہوتا تھا، جو شرعی حیثیت سے ناپسندیدہ امر تھا، اس لیے عالم گیر نے ان پر پابندی عائد کردی تا کہ غیر ضروری عمارتوں کے بجائے ضروری عمارتیں تعمیر ہوں لیکن بایں ہمہ عالم گیری دور بھی امراء کی تعمیرات سے خالی

---

(۱) خافی خان، جلد دوم، ص ۴۷۲۔ (۲) عالم گیر نامہ، جلد دوم، ص ۱۰۸۵۔ (۳) مرأۃ احمدی، جلد دوم، ص ۷۔ (۴) ترجمہ مآثر عالم گیری، ص ۱۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے اور اس دور میں بھی متعدد امراء نے عمارتیں تعمیر کروائی ہیں، چنانچہ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

خان زمان: اس نے برار کی صوبہ داری کے زمانہ میں موضع ہرم میں توطن اختیار کرلیا تھا اور اس کا نام خان زمان نگر رکھا تھا اور یہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائی تھیں، جن کے آثار صاحب مآثر الامراء کے زمانے تک باقی تھے، اس نے برہان پور میں بھی ایک حویلی بنوائی تھی۔(۱)

عبدالنبی: عالم گیر کے زمانہ میں متھرا کا فوج دار تھا، وہاں ایک مسجد بنوائی تھی (۲)، عالم گیر کے بعد اگرچہ تنزل کا دور شروع ہوگیا، تاہم اس دور میں بھی امراء کا ذوق تعمیر قائم رہا اور انہوں نے متعدد عمارتیں بنوائیں، چنانچہ امرائے محمد شاہی میں امین الدولہ امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن میں نہایت عمدہ عمارت، باغ اور سرائے بنوائی (۳)، عضد الدولہ عوض خان نے شاہ گنج واقع شہر خجستہ بنیاد میں ایک مسجد بنوائی، مسجد کے سامنے جو حوض پڑتا تھا، اس کو اگرچہ حسین علی خان نے بنوایا تھا لیکن عوض خان نے اس کو اور وسیع کیا، اس شہر میں ان کی حویلی اور بارہ دری بھی مشہور تھی۔(۴)

نواب آصف جاہ نے ۱۱۴۱ھ میں برہان پور کی شہر پناہ کی بنیاد ڈالی، جو مدتوں میں تیار ہوئی، اس کے علاوہ مسجد، کاروان سرا اور دولت خانہ بنوایا۔(۵)

ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمانوں نے جو عمارتیں تعمیر کرائیں، یہ ان کی نہایت مختصر اور نامکمل تاریخ ہے، کیونکہ:

۱- اس سلسلہ میں ہمارے مؤرخین نے صرف ان امراء وسلاطین کا نام لیا ہے، جنہوں نے تعمیرات میں خاص شہرت و ناموری حاصل کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو امراء و

---

(۱) مآثر الامراء، جلد اول، ص ۷۹۲۔ (۲) ایضاً، جلد دوم، ص ۴۴۸۔ (۳) ایضاً، جلد اول، ص ۱۲۵۸۔

(۴) ایضاً، جلد دوم، ص ۸۳۴۔ (۵) ایضاً، جلد سوم، ص ۸۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلاطین اس معاملہ میں بہت زیادہ شہرت نہیں رکھتے تھے، انہوں نے بھی کچھ نہ کچھ عمارتیں ضرور تعمیر کروائی ہوں گی۔

۲-مشہور سلاطین وامراء کی تمام عمارتوں کا تفصیلی ذکر بھی تاریخ کی کتابوں میں نہیں ہے بلکہ ضمنی موقعوں پر خاص خاص عمارتوں کے نام آگے ہیں۔

۳-رفاہ عام کے سلسلہ میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، وہ اس سے الگ ہیں۔

۴-مسلمان امراء وسلاطین نے جو شہر اور قصبے آباد کیے، ان کی عمارتیں بھی اس میں داخل نہیں، تاہم عمارتوں کی کثرت اور وسعت کا اندازہ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے، مثلاً:

شفا خانے: جہاں گیر نے تمام بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے تعمیر کروائے تھے، دوسرے امراء وسلاطین نے جو شفا خانے بنوائے تھے، وہ اس سے الگ ہیں۔

سرائیں: سرایوں کا ایک طویل سلسلہ دلی سے دولت آباد اور لاہور تک بنگالہ اور سنار گاؤں سے آب سند تک، اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا، ان میں شیر شاہ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس اور بنگالہ اور سنار گاؤں سے آب سند تک اور آگرہ سے مانڈو تک کوس کوس بھر کے فاصلہ پر سرائیں بنوائیں اور چونکہ بنگالہ اور آب سند کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس اور آگرہ سے مانڈو تک کی مسافت تین سو کوس کی ہے، اس لیے بنگال اور سندھ کے راستہ میں ڈیڑھ ہزار اور آگرہ اور مانڈو کے راستہ میں تین سو سرائیں تعمیر ہوئیں، شیر شاہ نے بنگال کے راستہ میں جو سرائیں تعمیر کروائی تھیں، ان میں دو سرایوں کے درمیان اس کے جانشین سلیم شاہ نے ایک اور سرائے کا بھی اضافہ کیا اور اس طرح یہ تعداد اور بھی زیادہ ہوگئی، متفرق سرائیں ان سے الگ ہیں اور مہمان خانے بھی اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔

حمام: متفرق حماموں کے علاوہ عالم گیر نے اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک جو سرائیں بنوائی تھیں، ان میں ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام اور ایک بازار کا ہونا لازمی تھا، سکندر لودی نے ان تمام مقامات میں جہاں ہندو اشنان کرتے تھے، بازار قائم کیے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساجد: سکندر لودی نے ان مقامات پر مسجدیں بھی تعمیر کروائی تھیں اور عالم گیر کی تعمیر کردہ سرایوں میں ہر سرائے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، ان کے علاوہ مسجدوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سلطان احمد نے احمد آباد کے باہر جو گاؤں آباد کرائے تھے، ان میں ایک ہزار مسجدیں تھیں۔

مقبرے: مقبروں کی تعداد غیر محدود تھی، دار السلطنتوں اور ان شہروں میں جہاں امراء وسلاطین کے ساتھ علماء، مشائخ اور فقراء وصوفیہ کثرت سے رہتے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، آگرہ میں شہر کے چاروں طرف خصوصاً لب جمنا کوسوں تک باغات کے اندران مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا، اب امتداد زمانہ سے اگرچہ اکثر مقبرے منہدم ہوگئے ہیں، تاہم اب بھی شہر کے قرب و جوار میں کوسوں تک مقبروں کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہیں، چونکہ یہ مقبرے اکثر زندگی ہی میں تعمیر کرائے جاتے تھے، اس لیے ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا، چنانچہ ابوالفضل دلی کے متعلق لکھتا ہے:

"وبسازندگان برائے خواب واپسیں دل گزیں جاہا وباغہا برساختہ اند"۔

یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ انسان تو انسان گھوڑوں، کتوں اور ہرنوں وغیرہ کی یادگار میں بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں بنائی جاتی تھیں، چنانچہ آگرہ میں اس قسم کی متعدد یادگاریں موجود ہیں:

اس قسم کی عمارتیں زیادہ تر امراء وسلاطین تعمیر کرواتے تھے، عام رعایا کی عمارتیں ان سے الگ ہیں اور ان کا اندازہ صرف مؤرخین کے اجمالی بیانات سے ہوسکتا ہے، مثلاً جہاں گیر تزک میں آگرہ کی نسبت لکھتا ہے کہ:

"اس کی کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے شہروں کے مثل متعدد شہر آباد ہوسکتے ہیں، اکثر آدمیوں نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتیں بنوائی ہیں، آدمیوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوچہ وبازار میں بہ مشکل چل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر سکتے ہیں''۔(۱)

ابوالفضل آئین اکبری میں دلی کے متعلق لکھتا ہے:

''وعمارات عالی از سنگ وخشت فروغ افزاے چشم وعشرت فروزول''۔(۲)

پل، تالاب، حوض، کنوئیں اور منارے سلسلۂ عمارات سے الگ ہیں اور ان سب کے مجموعے نے اسلامی ہندوستان کا جو نقشہ قائم کر دیا تھا، وہ صاحب خلاصۃ التواریخ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''ہندوستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ دوسرے ممالک اس کی عشر عشیر وسعت بھی نہیں رکھتے لیکن باوجود اس وسعت کے ہر جگہ آباد ہے اور ہر طرف ہر ضلع میں، ہر شہر میں، ہر قصبے اور گاؤں میں اور ہر رباط اور قلعے میں مسجدیں، عبادت گاہیں، خانقاہیں، صومعے اور دوسری قسم کی عمدہ عمارتیں، باغات، درخت، ہری بھری زراعت اور نہریں اس کثرت سے ہیں کہ دوسرے ممالک میں اس قسم کی آبادی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔

عام گذرگاہوں میں ہر نہر اور ہر نالے پر مضبوط پل بندھے ہوئے ہیں اور دریاؤں میں کشتیاں تیار رہتی ہیں، ہر کوس کے فاصلے پر بلند منارے بنے ہوئے ہیں، جو کوس کی علامت ہیں اور ان سے راستوں کی رہنمائی بھی ہوتی ہے، دو کوس کے فاصلہ پر مسافروں کے اترنے اور آرام کرنے کے لیے سرائیں بنی ہوئی ہیں، جن میں ہمہ وقت کھانے پینے کی چیزیں، دوائیں، عطر اور دوسرے ضروری سامان موجود رہتے ہیں، تمام راستوں میں سایہ دار اور میوہ دار درخت، کنوئیں اور تالاب ہیں، جو خوش گوار پانی سے لبریز رہتے ہیں، مسافر درختوں کے سایہ میں سیر کرتے ہوئے میوے کھاتے ہوئے سرد پانی پیتے ہوئے گویا باغ کی روشوں پر چلتے ہیں''۔

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۔ (۲) آئین اکبری، ج ۲، ص ۱۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نئے شہر، قصبے اور گاؤں

از: مولانا عبدالسلام ندوی

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی آبادی کا بڑا حصہ دیہاتوں پر مشتمل تھا، اس لیے راجاؤں کے دارالحکومت کے علاوہ بڑے شہر کم تھے، مسلمانوں کی آمد کے بعد فوجی ضرورت اور تمدنی، صنعتی اور تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ بہت سے نئے اور بڑے شہر آباد ہوئے ان کی تفصیل طویل ہے، تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

رنگ پور بختیار خلجی ۶۰۲ھ: لکھنوتی کے اطراف میں سب سے پہلے بختیار خلجی نے شعائر اسلام کو رواج دیا، بنگال کی سرحد پر ایک نیا شہر رنگ پور کے نام سے آباد کر کے اس کو اپنا پائے تخت بنایا اور اس شہر اور اس ملک میں بہت سی مسجدیں، خانقاہیں اور مدرسے بنوائے۔(۱)

اُچ سلطان التمش ۶۰۷ھ: ریاست بہاول پور (پنجاب) میں یہ شہر نہر ستلج کے جنوبی کنارے پر آباد ہے، پہلے اس کا نام دیوگڑھ تھا، سید جلال الدین بخاری نے اس پر حملہ کیا تو اس کا بادشاہ اپنی لڑکی کو چھوڑ کر بھاگ گیا، وہ سید موصوف کے ہاتھ پر اسلام لائی اور ان کے حکم سے شہر اُچ کو آباد کیا، بعد کو جلال الدین خوارزمی نے اس کو ویران کر دیا لیکن پھر سلطان التمش نے اس کو دوبارہ آباد کیا اور وہ ایک بڑا شہر ہو گیا، جس میں بڑے بڑے علماء اور متمول لوگ رہتے تھے لیکن اس وقت وہ ایک چھوٹا سا گمنام شہر ہے۔(۲)

دولت آباد سلطان محمد تغلق شاہ: دیوگیر یا دیوگڑھ دکن میں ایک نہایت قدیم شہر تھا،

---

(۱) فرشتہ، ج۲، ص ۲۹۳۔ (۲) معجم الامکنہ، ص ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کو سلطان محمد تغلق شاہ نے از سر نو آباد کیا اور اس کا نام دولت آباد رکھا، ہمارے مورخین نے اس شہر کے آباد کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ جب سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور بہت سے ملک اس کے قبضۂ اقتدار میں آئے تو اس نے ایک ایسے مقام کو پائے تخت بنانا چاہا، جو ان تمام ممالک کے وسط میں ہو، تاکہ یہاں سے تمام ممالک کا انتظام آسانی کے ساتھ کیا جاسکے، خوش قسمتی سے دیو گیران تمام ممالک کے وسط میں واقع تھا اور دہلی، گجرات، لکھنوتی، ست گاؤں، ستار گاؤں، تلنگ، کارناٹک، میسور اور کتپلہ سے برابر کے فاصلے پر آباد تھا یا بہت کم فرق تھا، اس لیے اس نے اسی شہر کو دولت آباد کے نام سے پائے تخت بنایا اور دلی کو ویران کر کے وہاں کے تمام قدیم باشندوں کو اس نو تعمیر شہر میں منتقل کر دیا۔

ہمارے مؤرخین نے دلی کی اس ویرانی کا بڑا ماتم کیا لیکن محمد تغلق شاہ نے دولت آباد کا جو نقشہ تجویز کیا تھا، اگرچہ وہ اس کے مطابق مکمل طور پر آباد نہ ہو سکا، تاہم دلی سے کم درجہ کا شہر نہ تھا، چنانچہ صبح الاعشیٰ کا مصنف مسالک الابصار کے حوالے سے لکھتا ہے:

دیو گڑھ ایک قدیم شہر ہے سلطان محمد بن تغلق شاہ نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام قبۃ الاسلام رکھا لیکن سلطان نے اس سے مفارقت کی اور وہ مکمل نہ ہو سکا، سلطان نے اس شہر کی جو تقسیم کی تھی، اس کے رو سے ہر گروہ کے لیے الگ الگ محلے قائم کیے تھے، فوج، وزراء، کلرک، قضاۃ، علماء اور مشائخ وفقراء سب کے لیے الگ الگ محلے تھے اور ہر محلے میں ضروری چیزیں مثلاً مسجد، بازار، حمام، پن چکی، آتش خانے اور ہر قسم کے دست کار یہاں تک کہ سنار، رنگ ریز اور موچی موجود تھے، تاکہ ایک محلے کا آدمی خرید وفروخت اور لین دین میں دوسرے محلے کا محتاج نہ ہو اور ہر محلے کی حیثیت ایک مستقل شہر کی سی ہو۔(۱)

فرشتہ لکھتا ہے:

---

(۱) صبح الاعشیٰ، ج ۵، ص ۷۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''شہر دیوگڑھ را دولت آباد نام کردہ عمارات عالیہ طرح افگند وگرد قلعہ دیوکر خندق کردہ در بالا گھاٹ دولت آباد نزدیک بلورہ باغات و حوضہائے بزرگ ساخت وخواجہ حسن دہلوی آن وقت در دولت آباد کہ آیۃ الذی لم یخلق مثلھا فی البلاد درشان اوست فوت شدہ بانجا مدفون گردید''۔(۱)

ابن بطوطہ لکھتا ہے:

''دولت آباد بہت بڑا شہر ہے، جو عظمت اور وسعت میں دلی کا مقابلہ کرتا ہے، اس کے تین حصے ہیں، ایک حصے میں بادشاہ اور اس کا لشکر رہتا ہے اور اسی کو دولت آباد کہتے ہیں''۔

دوسرے حصے کا نام کنکہ ہے۔

تیسرے حصے کو جو قلعہ ہے، دیوگڑھ کہتے ہیں اور بادشاہ کا استاد خان اعظم قطلو خان اسی شہر میں رہتا ہے۔(۲)

شہاب پور (شہاب الدین غوری ۷۴۷ھ): کشمیر میں ایک گاؤں ہے، اس کو سلطان شہاب الدین ابن شمس الدین شاہ مرزا کشمیری نے آباد کیا۔(۳)

لچھمی گر: اس گاؤں کو بھی اسی بادشاہ نے کشمیر میں آباد کیا۔(۴)

جون پور فیروز شاہ ۷۵۲ھ: اس شہر کو فیروز نے اپنے چچازاد بھائی سلطان فخر الدین جونہ کے نام پر آباد کیا (۵) اور بعد میں وہ سلاطین شرقیہ کا دار الحکومت اور علم وفضل کا مرکز ہوگیا، اسی طرح قنوج کے پاس بھی ایک شہر فیروز آباد کے نام سے آباد کرایا۔

قطب الدین پور (قطب الدین پور ۷۹۶ھ): کشمیر میں اس شہر کو سلطان قطب الدین

---

(۱) فرشتہ، ج۱، ص ۱۳۶۔ (۲) ابن بطوطہ، ج۲، ص ۱۲۶۔ (۳) معجم الامکنہ، ص ۳۶ و فرشتہ، ج۲، ص ۳۳۹۔ (۴) معجم الامکنہ، ص ۲۴۹ و فرشتہ، ج۲، ص ۳۳۹۔ (۵) آئین اکبری، ج۲، ص ۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن شمس الدین شاہ مرزا کشمیری نے آباد کیا اور وہاں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا۔(۱)

احمد آباد (احمد شاہ ۸۱۳ھ): سلطان احمد شاہ گجراتی ۷۹۳ھ میں پیدا ہوا اور سلطان مظفر کے انتقال کے بعد رمضان المبارک ۸۱۳ھ میں تخت نشین ہوا، منجمین نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس سے ایک ایسا کام بن آئے گا جس کے ذریعہ سے اس کا نام نیک دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گا، فرشتہ نے لکھا ہے کہ بظاہر یہ کارنامہ شہر احمد آباد گجرات کا آباد کرنا ہے۔(۲)

احمد آباد کے آباد ہونے سے پہلے شہر پٹن اور کچھ دنوں چاپانیر دار السلطنت رہا لیکن سلطان احمد نے احمد آباد کو آباد کر کے اپنا دار السلطنت بنایا، چونکہ اس نے بہت دنوں تک سلطنت کی اور اپنے دور حکومت میں اس شہر کی آبادی کے بڑھانے میں سعیِ بلیغ کرتا رہا، اس لیے وہ بڑا وسیع اور پر رونق شہر ہو گیا۔(۳)

احمد آباد کی تعمیر کا آغاز چار آدمیوں کے ہاتھ سے ہوا، ایک شیخ احمد کھٹو، دوسرے سلطان احمد، تیسرے شیخ احمد، چوتھے ملا احمد، چنانچہ داغ بیل ڈالنے کے وقت جب زمین کی پیمائش کی گئی تو اس کا ایک سرا سلطان احمد کے ہاتھ میں اور دوسرا شیخ احمد کھٹو کے ہاتھ میں تھا، شیخ احمد کھٹو تو مشہور مشائخ میں تھے اور مرأت سکندری میں لکھا ہے کہ شیخ احمد اور قاضی ملا احمد بھی بزرگ وقت اور صاحب کمال تھے اور سلطان احمد بھی اصلاح ظاہری و باطنی سے آراستہ تھا اور انہی کی برکت سے ایسا پر رونق شہر آباد ہوا، جس کا نام دنیا میں جواب نہ تھا، ۸۱۶ھ میں احمد آباد کی فصیل تیار ہوئی اور ۸۱۷ھ میں مانک چوک کے قریب احمد آباد کی مشہور مسجد بنی۔(۴)

فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان احمد شاہ جب ایک جنگ کے سلسلے میں قصبہ اساول میں پہنچا تو وہاں کی آب و ہوا اس کو پسند آئی اور ۸۱۵ھ کے اواخر میں شیخ احمد کھٹو کے استخارہ و استشارہ سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام احمد آباد رکھا، جو چند دنوں

(۱) معجم الامکنہ، ص ۱۴۱۔ (۲) فرشتہ، ج ۲، ص ۱۸۲۔ (۳) خلاصۃ التواریخ ذکر صوبہ گجرات۔ (۴) مرأت سکندری، ص ۲۵۔۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آباد ہوکر شاہان گجرات کا دار السلطنت ہوگیا اور قصبہ اساول اس کا ایک محلہ بن گیا، امراء وسلاطین کے مکانات پختہ ہیں، یعنی گچ اور اینٹ سے بنے ہوئے ہیں، بقیہ گھر کھپریل ہیں، بازار اس قدر وسیع وفراخ ہیں کہ دس گاڑیاں پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں، دوکانیں پختہ ہیں اور قلعہ اور مسجد جامع بھی تعمیر کی گئی ہیں، شہر کے باہر تین سو ساٹھ پورے آباد ہیں اور ہر ایک میں بازار، مسجد اور دیوار بند ہے۔(۱)

خلاصۃ التواریخ میں ان پوروں کی نسبت لکھا ہے:

''وناگزیر شہر ما در ہر یکے پیدا بازار، مسجد، خانقاہ ومنارو کتابہاے شنگرف درو ہست''۔

صاحب مرات احمدی نے ان پوروں کی تعداد ۳۸۰ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ:

''پورہ عبارت از جملہ بزرگیست مشتمل برعمارات عالی ومزار ہاے مملو از نفائس ونوادر کہ ہر کدام درحقیقت شہر یست عظیم''۔(۲)

فرشتہ لکھتا ہے:

''ودر باب معموری ودیگر خصوصیات احمد آباد اگر گفتہ شود کہ در تمامی ہندوستان بلکہ در کل جہانیان عظمت وآراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد''۔

احمد نگر واحمد شاہ: سلطان احمد شاہ نے گجرات کی سرحد پر ۸۲۰ھ میں ایک اور شہر احمد نگر آباد کیا اور اس کے گرد پتھر کی ایک مضبوط فصیل قائم کی اور اس کو اپنا مستقر قرار دیا (۳)، آج کل اس کو ''اِمنگر'' کہتے ہیں، اس کے علاوہ ایک قصبہ دہاہو درا (دوحد) کے نام سے کوہستان کے درمیان آباد کیا اور اس کے گرد ایک فصیل قائم کی۔

---

(۱) فرشتہ، ج۲، ص۱۸۳، لیکن بنا احمد آباد کی تاریخ ۸۱۵ھ نہیں ہے بلکہ ۸۱۳ھ ہے۔ (۲) مرأت احمد، ج۱، ص۱۱۸۔ (۳) ایضاً ص۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان علاء الدین کے عہد سلطنت میں الغ خان نے ۷۰۴ھ میں قصبہ کارٹھ کے گرد جو فصیل قائم کی تھی، از سرنو اس کی مرمت کروائی اور قصبہ کا نام سلطان آباد رکھا(۱)۔

احمد آباد بیدر ۸۲۵ھ: ایک پرانا شہر ہے جو زمانہ قدیم میں راجایانِ دکن کا پایہ تخت تھا، ایک جنگ کے سلسلے میں سلطان احمد شاہ بہمنی جب قلعہ بیدر کے اطراف میں پہنچا تو سیر و شکار کے لیے روانہ ہوا اور اثنائے سیر میں اس کی نگاہ سے ایک صحرا گذرا جو نہایت سرسبز و شاداب تھا، اس صحرا میں ایک لومڑی نظر آئی اور بادشاہ کے حکم سے چند شکاری کتے اس کے پیچھے چھوڑے گئے، کتے جب لومڑی کے پاس پہنچے تو اس نے ان پر حملہ کیا اور بادشاہ کو لومڑی کی اس جرأت پر سخت تعجب ہوا اور اس کو اس سرزمین کی آب و ہوا کا اثر خیال کیا اور اس خیال سے اس مقام کو پایۂ تخت بنانا چاہا، ارکان سلطنت نے بھی اس کو پسند کیا اور اس طرح ایک شہر کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کا نام احمد آباد بیدر رکھا گیا۔

قدیم زمانے میں جہان بیدر کا قلعہ تھا، دار الامارت تیار کیا گیا اور شیخ آذری اسفرائنی نے اس کی شان میں یہ دو شعر لکھے:

حبذا قصر مشید کہ زفرطِ عظمت   آسمان سدۂ از پایۂ ایں درگاہ است
آسمان ہم نتواں گفت کہ ترک ادب است   قصر سلطان جہان احمد بہمن شاہ است

ملا شرف الدین مازندرانی نے جو مشہور خوش نویس تھے، ان کو جلی خط میں لکھا اور ارتلنگی سنگ تراشوں نے اس کو ایک بڑے پتھر پر کندہ کر کے دروازے پر لگایا، بادشاہ کی نظر سے یہ اشعار گذرے تو شیخ آذری کو ایک بڑا صلہ دیا۔(۲)

نعمت آباد احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ: سلطان احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ کو فقراء و مشائخ سے نہایت حسن عقیدت تھی، اس کے زمانے میں شاہ نعمت اللہ ماہانی کے کشف و کرامت کا بڑا شہرہ تھا، احمد شاہ نے اس شہرت کو سن کر ان کی خدمت میں چند اشخاص کو وکیل بنا کر روانہ کیا

(۱) مرآت احمد، ج۱، ص ۵۱۔ (۲) فرشتہ، ج۱، ص ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کے ذریعہ سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شاہ صاحب سے درخواست کی کہ اپنی اولاد میں سے کسی کو دکن میں روانہ فرمائیں۔شاہ صاحب کے صرف ایک لڑکے شاہ خلیل اللہ تھے، جن کی جدائی کو انہوں نے گوارا نہیں کیا اور اپنے پوتے شاہ نور اللہ کو روانہ کیا، جب وہ احمد آباد بیدر کے قریب پہنچے تو ان کا استقبال کیا اور جس جگہ ملاقات ہوئی تھی، ان کے اعزاز میں ایک گاؤں آباد کر کے اس کا نام نعمت آباد رکھا۔(۱)

عہد سلطان زین العابدین ۸۲۶ھ: فرماں روایان کشمیر میں سلطان زین العابدین (۸۲۶ھ) کا دور حکومت جن مختلف حیثیتوں سے امتیاز رکھتا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ اس نے اپنے دور حکومت میں مختلف شہر آباد کیے اور ان میں علماء وفضلاء کو آباد کیا تاکہ مسافروں کو کھانا اور محتاجوں کو حسب ضرورت نقد وجنس تقسیم کریں، اس نے کوہ ماران کے پاس ایک جدید شہر آباد کیا تھا، جس کی آبادی کا سلسلہ پانچ کوس تک پھیلا ہوا تھا۔(۲)

برہان پور نصیر خان فاروقی ۸۳۳ھ: خاندیس کے بادشاہ نصیر خان فاروقی ۸۳۳ھ نے اس شہر کو اپنے پیر شیخ برہان الدین محمد بن الناصر الہانسوی کے نام پر آباد کیا اور اس نے عمدہ عمدہ محل بنوائے اور اس کو اپنا دار السلطنت قرار دیا، اکبر کے زمانے تک اس کا شمار بہترین شہروں میں کیا جاتا تھا اور اکبر کے حکم سے علی خان نے اس میں ایک شاندار مسجد بنوائی تھی۔(۳)

زین آباد نصیر خان فاروقی ۳۳ھ: اس شہر کو بھی برہان پور کے قریب نصیر خان فاروقی ۸۳۳ھ نے شیخ زین الدین داؤد بن الحسین شیرازی کے نام پر آباد کیا۔(۴)

مبارک آباد (مبارک شاہ) ۸۳۷ھ: ۸۳۷ھ میں مبارک شاہ نے دریائے جمنا کے کنارے اس شہر کو آباد کیا (۵) اور اس کی شہادت اسی شہر میں ہوئی۔

---

(۱) فرشتہ، ج۱، ص ۳۲۹۔ (۲) ایضاً، ج۲، ص ۳۴۳۔ (۳) معجم الامکنہ، ص ۱۰؛ فرشتہ، ج۲، ص ۲۷۹۔ (۴) معجم الامکنہ، ص ۳۰ و فرشتہ، ج۲، ص ۲۷۹، فرشتہ میں اس کو قصبہ لکھا ہے۔ (۵) خافی خاں، ج۱، ص ۲۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پٹیالہ عہد بہلول لودی ۸۸۷ھ: چونکہ پنجاب پر کابل اور بلخ کے مغلوں کا حملہ بار بار ہوتا رہتا تھا، اس لیے وہ نہایت ویران ہو گیا تھا اور زمین کی پیداوار بہت کم ہو گئی تھی، سلطان بہلول لودی کے زمانے میں جب تاتارخان لاہور کا صوبہ دار مقرر ہوا تو راے رام دیو بھٹی نے اس سے تمام پنجاب کو ۹ لاکھ ٹنکہ پر اجارۃً لے لیا، اتفاق سے وہ مسلمان ہو گیا اور ۸۸۷ھ میں تاتارخان کی اجازت سے ایک ویران مقام پر پٹیالہ کی بنیاد ڈالی، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے پہلے جس جگہ شہر کو آباد کرنا چاہا تھا، وہاں کوئی بدشگونی ہو گئی، اس لیے جگہ کو بدل کر دوسری جگہ ایک ٹیلے پر شہر کی بنیاد رکھی، چونکہ پنجابی زبان میں پٹا کے معنی مبادلہ کے ہیں، اس لیے جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے شہر کا نام پٹیالہ پڑ گیا اور متعدد گاؤں کی آبادی اور زرعی پیداوار کی ترقی سے وہ ایک پرگنہ قرار پایا اور اس کی مال گذاری میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، لیکن بایں ہمہ ابتداء میں شہر کی آبادی بہت معمولی تھی، لیکن اکبر کے زمانے میں جب شمشیر خان خواجہ سرا اس پرگنہ کا کروری مقرر ہوا تو اس نے بہت سی شاہانہ عمارتیں تعمیر کروائیں، ایک تالاب کھدوایا اور ایک عمدہ باغ بنوایا اور رفتہ رفتہ شہر کی رونق اور آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا گیا، اس کے بعد شیخ مشائخ کروری نے متعدد عمارتوں اور باغوں سے شہر کی آبادی میں اضافہ کیا، پھر عالم گیر کے زمانے میں مرزا محمد جان وزیر خانی نے جو اس پرگنہ کے امین تھے، بہت سی دوکانیں بنوائیں اور ایک پختہ بازار قائم کیا، بانکی رائے اور سبحان سنگھ قانون گو اور ان کی اولاد نے عمدہ عمارتیں، کاروان سرا، جامع مسجد اور باغ بنوا کر شہر کی رونق بڑھائی، بازار میں گنگادھر نے ایک پختہ کنواں کھدوایا اور شہر سے باہر لاہور کے راستے میں ایک چھوٹا سا باغ، ایک زینہ دار کنوئیں کے ساتھ تیار کروایا، چونکہ ان دونوں کا پانی گنگا کے پانی کی برابری کرتا تھا، اس لیے ان کے پانی کو گنگادھر کہنے لگے۔

اگرچہ اس شہر کے کنارے نہایت کثرت سے باغ موجود تھے، لیکن امر سنگھ قانون گو نے شالامار کے نمونے کا ایک نہایت عمدہ سہ منزلہ باغ بنوایا، جس کی پہلی منزل کا رخ شمشیر خان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تالاب کے مقابل تھا۔

اس شہر کے اطراف میں بہت سے اولیاء اللہ کے مزار موجود ہیں اور بابا نانک کا مکان بھی اسی شہر کے قریب بارہ کوس کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے موجود ہے اور ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔(۱)

مصطفیٰ آباد سلطان محمود شاہ بیگڑہ: فرماں روایان گجرات میں سلطان محمود شاہ بیگڑہ ۹۱۴ھ کو ملک کی آبادی کا اس قدر خیال تھا کہ جب شہر اور دیہات میں کوئی خالی دوکان دیکھتا یا کوئی گرا پڑا گھر نظر آتا تو اس کی تحقیقات کر کے اس کو آباد کرتا(۲)، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ اس نے ۸۷۳ھ میں سیر و شکار کے سلسلے میں ملک کا دورہ کیا اور اس طریقہ سے:

''اکثر ممالک خود را بہ نظر کیمیا اثر اور دور سموری و آبادانی کوشید و جنگل و ویرانے در مملکت خود نگذاشت''۔(۳)

ملک کی اس عام آبادی کے علاوہ اس نے گجرات میں متعدد شہر آباد کیے، جن میں مصطفیٰ آباد کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس شہر کو اس نے راومندلیک کے شکست دینے اور اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد آباد کیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کا سنگ بنیاد رکھ کر مسجدیں اور عمارتیں تعمیر کروائیں، دوکانیں بنوائیں اور بازار لگوائے، شاہی حکم سے امراء نے بھی اپنے قیام کے لیے مکانات بنوائے اور وہاں قیام گزیں ہو گئے، ملک کی عام آبادی کے ساتھ اس شہر کے آباد کرنے سے اس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس کے اطراف میں شعائر اسلام کی ترویج و اشاعت ہو۔(۴)

سلطان محمود کو اس شہر کے آباد کرنے میں سخت زحمتیں پیش آئیں، کیونکہ لوگ احمد آباد کے مکانات کو چھوڑ کر مصطفیٰ آباد کی پہاڑیوں میں قیام کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور واویلا مچاتے تھے، اسی خیال سے سلطان نے احمد آباد میں آ کر ممالک محروسہ کا انتظام امراء کے سپرد کر

(۱) خلاصۃ التواریخ، ذکر لاہور۔ (۲) مرأت احمدی، ج ۱، ص ۶۰۔ (۳) فرشتہ، ج ۲، ص ۱۹۷۔ (۴) ایضاً، ص ۱۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا تھا اور ولایت کرنال (گرنار) کا انتظام جس میں یہ شہر واقع تھا، خود اپنے ہاتھ میں کیا تھا، بہر حال اس نے مصطفیٰ آباد میں قیام کر کے متعدد باغات لگوائے اور احمد آباد کے درجہ کا ایک شہر آباد ہو گیا (۱)، آج کل اس کو جونا گڑھ کہتے ہیں۔

محمود آباد: اس نے احمد آباد سے ۱۲ کوس کے فاصلے پر محمود آباد کے نام سے ایک دوسرا شہر آباد کیا، جس کی عمارتوں کے آثار و علامات ۱۱۷۰ھ تک باقی تھے (۲)، سلطان محمود ثانی نے اسی شہر کو اپنا پائے تخت قرار دیا اور احمد آباد سے محمود آباد تک دو رویہ بازار لگوائے اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے اطراف میں عمارتیں بنوائیں، اس طریقہ سے احمد آباد اور محمود آباد دونوں مل کر ایک شہر ہو گئے اور ارباب صنائع کے جمع ہونے سے احمد آباد میں صنعت و حرفت کا بازار گرم ہو گیا۔ (۳)

محمد آباد: محمود آباد کے آباد کرنے کے بعد جب اس نے ۸۸۹ھ میں جانپانیر کے قلعے کو فتح کیا تو اس کو وہاں کی آب و ہوا نہایت پسند آئی اور اس کو اپنا پائے تخت بنا لیا، اس تقریب سے قلعہ کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک پر ایک شہر محمد آباد کے نام سے آباد کیا اور مصطفیٰ آباد کو اپنے چھوٹے لڑکے خلیل خان کے حوالے کر کے اس شہر کے آباد کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور ایک نہایت عظیم الشان جامع مسجد بنوائی، شہر کے گرد فصیل کھنچوائی اور اطراف شہر میں باغات لگوائے، امراء، وزراء، تجار اور اہل خرد نے بھی اپنے لیے مکانات بنوائے اور اس طرح ایک نہایت عمدہ شہر تیار ہو گیا۔

مسجد کے محراب کے سامنے ۹۱۴ھ میں ایک پر تکلف منبر بنوایا، جس کی تاریخ ایک شاعر نے یہ لکھی ہے:

حضرت شاہ عاقبت محمود آں سلاطین پناہ دین پرور

---

(۱) فرشتہ، ج ۲، ص ۲۰۰ و تاریخ احمدی، ج ۱، ص ۶۲۔ (۲) مرآت احمدی، ج ۱، ص ۶۳، ۶۴۔ (۳) ایضاً، ج ۲، ص ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش محراب مسجد از تعظیم منبرے ساخت خوب و خوش منظر
سال تاریخ منبر و محراب قلمی شد بہ خطبہ و منبر(۱)

دولت آباد: سلطان محمود کے بیٹے سلطان مظفر حلیم نے جو رمضان ۹۱۷ھ میں تخت نشین ہوا تھا، اس شہر کو بڑودہ کے ایک ضلع میں آباد کیا تھا اور آج بھی شہر بڑودہ کے نام سے مشہور ہے(۲) اور آج بھی اس سے تھوڑے فاصلہ پر اس کے آثار موجود ہیں۔

شیر گڑھ شیر شاہ ۹۴۷ھ: شیر شاہ (۹۴۷ھ) نے اپنے جلوس کے اوائل میں قنوج کو چھوڑ کر نئے سرے سے ایک شہر گنگا کے کنارے آباد کیا اور یہ نو آباد شہر شیر گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔(۳)

فیروز آباد: اسی طرح سلطان علاء الدین کی آباد کردہ پرانی دلی کو بھی اس نے چھوڑ کر ہمایوں کے قلعہ دین پناہ کے درمیان فیروز آباد کے نام سے ایک شہر تین کوس کی لمبائی میں آباد کیا۔(۴)

احمد نگر احمد نظام شاہ ۹۰۰ھ: احمد نظام شاہ نے ۹۰۰ھ میں اس کی بنیاد ڈالی اور اپنے نام پر احمد نگر رکھا، دو تین سال میں ایک نہایت عمدہ شہر آباد ہو گیا اور کچھ دنوں کے بعد ایک پختہ قلعہ تعمیر کروایا، جس کے اندر اپنے رہنے کے لیے نہایت عمدہ محل تعمیر کروائے، احمد نظام شاہ کے مرنے کے بعد یہ قلعہ اس کی اولاد کے قبضہ میں رہا، پھر ۱۰۰۹ھ میں شہزادہ دانیال نے جو اکبر کا لڑکا تھا، اس کو فتح کر لیا۔(۵)

اعتماد پور (دور اکبر ۹۶۳ھ): پھول ملک ایک خواجہ سرا تھا، جس کو اکبر نے اعتماد خان کا خطاب اور ہزاری منصب عطا فرمایا تھا، اس نے آگرہ سے چھ کوس کے فاصلے پر اعتماد پور کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا تھا اور اس میں ایک تالاب کھدوایا تھا اور ایک عمارت بنوائی تھی،

---

(۱) مرأت احمدی، ج۱، ص۶۴ و فرشتہ، ج۲، ص۲۰۲۔ (۲) مرأت احمدی، ج۱، ص۶۷۔ (۳) خافی خاں، ج۱، ص۳۶۲۔ (۴) ایضاً، ص۳۶۳۔ (۵) مآثر الامراء، ج۳، ص۹۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنا مقبرہ بھی یہیں بنایا تھا (۱)، یہ تالاب اور مقبرہ اب بھی موجود ہے۔

مول منوہر نگر (اکبر ۹۶۳ھ): رائے لونکرن کچھواھہ جو پرگنہ سانبھر کا زمین دار تھا، امرائے اکبری میں داخل تھا، ایک موقع پر اکبر قصبہ انبیر میں خیمہ زن تھا، معلوم ہوا کہ یہاں پہلے ایک قدیم شہر آباد تھا، جو اب حوادثات زمانہ سے ویران ہوکر بالکل تودۂ خاک ہوگیا ہے، تو اس نے نئے سرے سے اس کو آباد کیا اور خود اپنے ہاتھ سے سنگ بنیاد رکھ کر اس کی تعمیر کے لیے بعض امراء کو مقرر کیا، چند دنوں میں شہر آباد ہوگیا تو چونکہ وہ رائے لونکرن کچھواھہ کی زمین داری میں واقع تھا، اس لیے اس کے بیٹے رائے منوہر داس کے نام پر اس کا نام مول منوہر نگر رکھا۔ (۲)

لاہور (اکبر ۹۶۳ھ): مشہور ہے کہ راجہ رام چندر کے لڑکے لھور نے اس کو آباد کیا تھا لیکن جب ایک مدت کے بعد یہ شہر ویران ہونے لگا تو اس کی مرکزی حیثیت جاتی رہی اور اس کے بجائے سیال کوٹ دار السلطنت ہوگیا، مسلمانوں کے دور حکومت میں پھر اس کے نصیب جاگے اور وہ دوبارہ دار السلطنت قرار پایا، چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا تو اس کے منظور نظر غلام ملک ایاز نے یہاں ایک پختہ قلعہ بنوایا اور ایک نیا شہر آباد کیا، اس کے بعد سلطان محمود کی اولاد میں خسرو شاہ اور سلطان خسرو نے اس کو اپنا دار السلطنت بنایا اور ۳۸ سال تک وہ سلطان محمود کی اولاد کا دار السلطنت رہا لیکن اس کے بعد کسی بادشاہ نے اس کو اپنا دار السلطنت نہیں بنایا، اس لیے وہ سلطان مبارک شاہ کے زمانے تک بالکل ویران ہوگیا، چنانچہ اس نے ایک جنگ کے سلسلے میں جب ۸۲۵ھ میں دریائے راوی کے کنارے ایک مہینہ تک قیام کیا تو نئے سرے سے اس کو آباد کیا اور اس کی فصیل کی مرمت کروائی (۳) لیکن دار السلطنت اب تک دہلی ہی رہا، پھر سلطان بہلول لودی کے امراء میں تاتار خان نے اگرچہ چند روز تک اس کو اپنا دار السلطنت بنالیا لیکن اس کے

---

(۱) مآثر الامراء، ج ۱، ص ۹۰۔ (۲) مآثر الامراء، ج ۲، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ (۳) خافی خان، ج ۱، ص ۹۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد کسی بادشاہ نے اس شہر میں قیام نہیں کیا، اس لیے اس کی رونق جاتی رہی، اس کے بعد بابر کے لڑکے کامران مرزا نے لاہور میں قیام اختیار کیا جس کی وجہ سے اس کی آبادی میں بہت کچھ ترقی ہوئی لیکن لاہور کی رونق اور آبادی کا اصلی سلسلہ اکبر کے زمانے سے شروع ہوا اور اس نے قلعہ شہر پناہ اور دولت خانہ کو تعمیر کر کے شہر کی رونق میں ایک نیا اضافہ کیا، ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

> ''دریں دولت ابد پیوند قلعہ دارک اواز خشت پختہ ساختہ اندو چوں چندگاہ پائے تخت شد والا کاخہا برافراختہ آمد و دلکشا باغہا شادابی دیگر بخشید، و گوناگوں مردم ہر شہر را بہ نگاہ شد و شگرف کارہا برساختند دورانبوہی و بزرگی از اندازہ گذشت''۔(۱)

اکبر کے بعد اس کے جانشین اس کی آبادی کو ترقی دیتے رہے، چنانچہ جہاں گیر نے وہاں شاندار عمارتیں بنوائیں اور امراء اور شاہزادوں کی عمارتوں سے شہر کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، شاہ جہاں نے اس کی آبادی میں اور اضافہ کیا، شہر کے کنارے اگرچہ بہ کثرت باغات تھے لیکن اس نے شالا مار کشمیر کے نمونے پر یہاں بھی شالا مار کے نام سے ایک باغ تیار کروایا۔

عالم گیر کے زمانے میں جب دریائے راوی کا بہاؤ شہر کی طرف ہوگیا تو اس کی وجہ سے اکثر عمارتوں اور باغوں کو نقصان پہنچا، عالم گیر نے عمارتوں کو اس نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے دو کوس کا ایک مضبوط بند بندھوایا اور امراء و خواتین نے دریا کے سامنے بہت سی دلفریب عمارتیں تعمیر کیں اور ہر سال شہر کی ترمیم و تعمیر میں شاہی خزانہ سے رقم کثیر صرف کی جانے لگی۔

لاہور کے ہر کوچہ و بازار میں اگرچہ مسجدیں نہایت کثرت سے تھیں لیکن عالم گیر نے پانچ لاکھ روپیہ کے صرف سے دریا کے کنارے دولت خانہ کے سامنے ایک شاندار مسجد تعمیر

(۱) آئین اکبری، ج ۲، ص ۱۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کروائی، وسط شہر میں وزیر خان کی جامع مسجد بھی تیموری دور حکومت کی عمدہ یادگار ہے۔(۱)

الٰہ آباد(اکبر۹۶۳ھ): اس کا قدیم نام پراگ تھا، اکبر نے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان ایک قلعہ تعمیر کیا اور ایک شہر آباد کر کے اس کا نام الٰہ باس رکھ دیا لیکن شاہ جہاں نے اپنے دور حکومت میں الٰہ آباد کے نام سے موسوم کیا۔

یہ صاحب خلاصۃ التواریخ کی روایت ہے لیکن ابوالفضل نے آئین اکبری میں شہر کے آباد کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف اس قدر لکھا ہے کہ اس کا قدیم نام پیاگ تھا، اکبر نے اس کو بدل کر الہ آباد نام رکھا، ایک قلعہ تعمیر کروایا اور عمدہ عمارتیں بنوائیں اور اس دور میں خربزہ اور انگور کی کاشت و پیداوار میں ترقی ہوئی۔(۲)

آگرہ(اکبر۹۶۳ھ): قدیم زمانے میں آگرہ پرگنہ بیانہ کا ایک گاؤں تھا، سکندر لودی نے اپنے عہد حکومت میں اس کو اپنا پائے تخت بنا کر ایک عمدہ شہر آباد کیا جو بادل گڑھ کے نام سے مشہور ہوا، اس کے بعد بابر نے اس کی آبادی کو ترقی دی اور ایران اور کابل کے طرز پر اس کو آباد کرنا چاہا، چنانچہ تزک میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں بہت بڑا عیب یہ ہے کہ یہاں آب رواں نہیں، مجھ کو یہاں کی گرمی، تند ہوا اور گرد سے بڑی نفرت ہے اور صرف حمام ان تینوں سے نجات دلا سکتا ہے، اگرچہ ان حیثیتوں سے آگرہ میں اس کو کوئی جگہ پسند نہ آئی، تاہم چونکہ آگرہ کے آس پاس میں بھی اس قسم کی کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے مجبوراً آگرہ ہی میں اس نے حمام بنوایا، باغات لگوائے اور اس طرح آگرہ کا گوشہ گوشہ چمن زار بن گیا، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

"درہر گوشہ چمن ہائے معقول درہر چمن گل نسترن مرتب ومکمل شد"۔

دریائے جمنا کے کنارے امراء شاہی نے بھی جدید طرز کی عمارتیں بنوائیں، جن سے اہل ہند بالکل ناآشنا تھے، اس لیے جس حصے میں یہ عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں، اس کو کابل کہنے لگے۔

---

(۱) خلاصۃ التواریخ، ذکر لاہور۔ (۲) آئین اکبری، ج۲، ص۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر کے بعد اکبر نے اس کو اپنا پائے تخت بنایا اور اس وقت سے اس کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور قلعہ اکبر آباد کی تعمیر سے اس کی مرکزی حیثیت اور زیادہ ہوگئی، ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ "آگرہ ایک بڑا شہر ہے، پانچ کوس تک دریائے جمنا اس کے درمیان میں بہتا ہے اور دریا کے دونوں کنارے عمدہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور باغ لگے ہوئے ہیں، بادشاہ نے سنگ سرخ کا ایک بے نظیر قلعہ بنوایا ہے اور پانچ سو سے زیادہ پختہ محل بنگال اور گجرات کے طرز کے بنے ہوئے ہیں، نقاشان نادرۂ کار اور مصوران نظر فریب نے ان عمارات میں اپنے اپنے کارنامے دکھائے ہیں اور باختری دروازے پر پتھر کے دو ہاتھی مع فیل بانوں کے نہایت عمدہ تراشے گئے ہیں، قدیم زمانہ میں وہ بیانہ کا ایک گاؤں تھا سکندر لودی نے اس کو پائے تخت بنایا اور جہاں پناہ نے اُس کو ترقی دے کر ایک بے مثل شہر بنا دیا۔(۱)

جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے کہ "لودی پٹھانوں کی حکومت سے پہلے آگرہ ایک بڑا آباد مقام تھا اور یہاں ایک قلعہ تھا، جس کا ذکر مسعود سعد سلمان نے ایک قصیدے میں کیا ہے، جب سکندر لودی گوالیار کے فتح کرنے کے لیے دلی سے آگرہ میں آیا تو وہیں قیام کر لیا اور اس وقت سے آگرہ کی آبادی میں ترقی ہونے لگی اور وہ شاہان دہلی کا پائے تخت ہوگیا، اس کے بعد جب خداوند تعالیٰ نے سلسلۂ تیموریہ کو سلطنت عطا کی تو حضرت فردوس مکانی بابر شاہ نے ابراہیم لودی اور رانا سانگا کے شکست دینے کے بعد جمنا کے مشرقی جانب ایک جگہ کا انتخاب کیا اور یہاں ایک باغ لگوایا، جس کا نام گل افشاں رکھا، اس میں سنگ سرخ کی ایک مختصر سی عمارت اور باغ کے ایک طرف ایک مسجد بھی بنوائی، ایک اور عظیم الشان عمارت بھی بنوانا چاہتے تھے لیکن عمر نے وفا نہیں کی، آگرہ اور اس کے اطراف میں خربزہ، آم اور دوسرے میوے خوب ہوتے ہیں، حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے زمانے میں ولایت کے اکثر میوے

---

(۱) آئین اکبری، ج ۲، ص ۸۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ہندوستان میں نہیں ہوتے تھے آئے، ایک میوہ جس کا نام اناس ہے اور جو فرنگی بندروں میں ہوتا ہے، آگرہ کے باغ گل افشاں میں بہ کثرت پیدا ہوتا ہے، اس شہر کی آبادی دریائے جمنا کے دونوں کناروں پر واقع ہے، مغربی جانب جس میں آبادی زیادہ ہے، اس کا دور سات کوس، طول دو کوس اور عرض ایک کوس کا ہے اور مشرقی جانب کی آبادی کا دور ڈھائی کوس، طول ایک کوس اور عرض آدھ کوس کا ہے، عمارتوں کی اس قدر کثرت ہے کہ عراق، خراسان اور ماوراء النہر جیسے چند شہر آباد ہو سکتے ہیں، اکثر لوگوں نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتیں بنوائی ہیں اور آدمیوں کی اس قدر بھیڑ بھاڑ ہے کہ کوچہ و بازار میں بہ مشکل گذر سکتے ہیں۔(۱)

اکبر اور جہاں گیر کے زمانے تک اس شہر کا نام آگرہ ہی رہا لیکن جب شاہ جہاں تخت نشین ہوا، اس نے اس کا نام اکبر آباد رکھا اور اس وقت سے یہی نام رواج پا گیا، چنانچہ ملا عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں لکھتا ہے کہ ''دریائے جمنا کے کنارے یہ شہر جو زمین کی طرح فراخ اور آسمان کی طرح وسیع ہے، آباد ہے اور انواع و اقسام کے نفائس اور ہر ملک کے گوناگوں نوادر اور الوانِ نعمت کی موجودگی کی وجہ سے بہشت برین کی یادگار ہے، رذیل و شریف سب کے لیے زندگی کے ضروری ساز و سامان یہاں موجود ہیں اور ہزاروں کاریگر اور صنعت پیشہ یہاں فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، حضرت صاحب قران ثانی کے جلوس کے بعد اس کے عز و شرف میں اور بھی اضافہ ہو گیا، فضلاء اور اہل کمال نے اس کو اپنی امید گاہ بنا لیا، اب تک وہ اپنے قدیم نام سے موسوم تھا، شہنشاہ اکبر نے اپنے طویل زمانۂ حکومت میں اگرچہ اکثر چیزوں کے جدید نام رکھے لیکن اس شہر کو باوجودیکہ اس کا قدیم نام لفظی و معنوی حسن سے خالی تھا، اکبر آباد کے نام سے موسوم کیا لیکن حضرت صاحب قران ثانی نے جلوس کے دن اس کا نام اکبر آباد رکھا اور اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

اگرچہ زمانہ قدیم میں دلی دارالسلطنت تھا لیکن اکبر آباد چونکہ ممالک محروسہ کے

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳ و ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسط میں واقع تھا اور دریائے جمنا اس کے درمیان میں بہتا تھا، اس لیے شہنشاہ اکبر نے اس کو دارالسلطنت بنالیا۔

خلفائے عباسیہ کا دارالسلطنت بغداد تقریباً دو فرسخ یعنی چھ کوس کے دور میں آباد ہے لیکن آگرہ کا دور دریائے جمنا کے دونوں کنارے دس کوس بادشاہی کا ہے، جو ولایت کے پانچ فرسخ اور ہندوستان کے پندرہ کوس رسمی کے برابر ہے، اس لحاظ سے وہ بغداد پر بہت زیادہ فوقیت رکھتا ہے، قلعہ، دولت خانہ، شاہزادوں اور امراء کی حویلیاں، آبادی کے سامنے یعنی دریائے جمنا کے مغربی جانب واقع ہیں، اس طرف کی آبادی کا دور آٹھ کوس، طول ڈھائی کوس اور عرض ایک کوس کا ہے، ان عمارتوں میں اکثر ایک لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ روپیہ تک کے صرف سے تعمیر ہوئی ہیں، اس سے کم خرچ عمارتوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، دریائے جمنا کے مشرقی جانب امراء کی سکونت کے مکانات کم ہیں، البتہ باغ نہایت کثرت سے ہیں، جن کے درمیان میں دلکش عمارتیں بنی ہوئی ہیں، آبادی کے اس حصے کا دور دو کوس، طول ایک کوس اور عرض نصف کوس کا ہے۔(۱)

عالم گیر کے زمانے میں اگرچہ اس کی آبادی میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا تاہم اس کی قدیم عظمت باقی رہی، چنانچہ اس دور کا ایک مورخ آگرہ کی قدیم تاریخ کے ذکر کے بعد لکھتا ہے کہ دریائے جمنا شہر کے درمیان میں چار کوس تک بہتا ہے اور اس کے دونوں طرف عمدہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں، ہر قوم اور ہر ملک کے آدمی اس میں آباد ہیں اور تمام دنیا کے تجارتی مال کی خرید و فروخت ہوتی ہے، طرح طرح کے میوے بالخصوص ایرانی اور تورانی خربزے، رنگ برنگ کے پھول یہاں پیدا ہوتے ہیں اور یہاں کا پان نہایت عمدہ ہوتا ہے، اگرچہ ہر قسم کے کاریگر اور صناع یہاں موجود ہیں لیکن کارچوبی کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے اور دوسرے نادر کپڑے بھی تیار ہوتے ہیں اور دور دور سے تاجر آگران کو لے جاتے ہیں۔(۲)

---

(۱) بادشاہ نامہ، ج۱، ص۱۵۵ تا ۱۵۷ ملخصاً۔ (۲) خلاصۃ التواریخ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ آگرہ پر بھی زوال آیا اور اب چند مشہور عمارتوں کے سوا بقیہ عمارتوں کے صرف کھنڈر ہی باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی بہت کم۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا یادگار رونق محفل تھی پروانوں کی خاک

فتح پور سیکری (اکبر ۹۶۳ھ): سیکری آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے، اسی گاؤں کے متصل ایک پہاڑ پر ایک بزرگ شیخ سلیم رہتے تھے، جن کے ساتھ ان اطراف کے لوگ نہایت عقیدت رکھتے تھے، چونکہ ۲۸ سال کے سن تک اکبر کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہیں رہتی تھی، اس لیے وہ لڑکے کے زندہ رہنے کے لیے درویشوں اور گوشہ نشینوں سے روحانی امداد کا طالب رہتا تھا اور اسی غرض سے اس نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدا اس کو لڑکا دے گا تو آگرہ سے اجمیر تک خواجہ معین الدین چشتی کے روضے کی زیارت کے لیے پا پیادہ جائے گا، اسی سلسلے میں اسنے شیخ سلیم سے بھی نیاز مندانہ تعلقات پیدا کیے اور ایک موقع پر ان سے دریافت کیا کہ میرے کتنے لڑکے ہوں گے؟ انہوں نے کہا کہ ''تین''، اکبر نے کہا کہ ''میں پہلے لڑکے کو آپ کی تربیت میں دوں گا اور آپ کے لطف وشفقت کو اس کا حامی وحافظ بناؤں گا''، شیخ سلیم نے بھی اس کو قبول کرلیا اور فرمایا کہ ''مبارک ہو میں بھی اس کو اپنا ہم نام بناؤں گا''، جب جہاں گیر کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو اکبر نے اس کی ماں کو شیخ سلیم کے مکان پر بھیج دیا تا کہ وہیں ولادت ہو، چنانچہ جب جہاں گیر پیدا ہوا تو اس کا نام شیخ سلیم کے نام پر سلیم رکھا، اکبر نے اس تقریب کی وجہ سے اس موضع کو مبارک خیال کر کے اپنا پائے تخت بنایا اور چودہ پندرہ سال میں پہاڑوں اور جنگلوں سے صاف کر کے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا، جو بہت سے باغوں اور عمارتوں پر مشتمل تھا، ایک مدت تک اس کا یہی نام رہا لیکن فتح گجرات کے بعد فتح پور کے نام سے موسوم ہوا (۱)، تاہم سیکری کا لفظ اب بھی اس کا ایک لازمی جزو ہے، ابوالفضل اس شہر کی تعمیرات کے متعلق آئین اکبری میں لکھتا ہے

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ بادشاہ کے آنے سے سیکری دنیا کا منتخب شہر ہوگیا، پتھر کا ایک قلعہ تعمیر ہوا، جس کے دروازے پر پتھر کے دو ہاتھی نصب تھے، بلند عمارتیں تعمیر ہوئیں، اگر چہ دولت خانہ شاہی اور دوسرے امراء کی عمارتیں پہاڑ کے اوپر ہیں لیکن میدان بھی عمارتوں اور باغوں سے بھرے ہوئے ہیں، شاہی حکم سے پہاڑ کے اوپر ایک مسجد، ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ تعمیر کی گئی، شہر کے متصل بارہ کوس کا ایک عظیم الشان تالاب ہے اور اس کے کنارے بادشاہ نے ایک سائبان، ایک مینارہ اور ایک چوگان گاہ بنوایا ہے اور ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا یہیں دیکھتے ہیں، ان دونوں شہروں (آگرہ و فتح پور) میں بادشاہ کی توجہ سے ادنیٰ اور باریک کپڑے بنے جاتے ہیں اور بہت سے کاری گروں کو فروغ حاصل ہے۔(۱)

فتح پور کی سب سے مشہور عمارت شیخ سلیم کا روضہ اور جامع مسجد ہے جن کی نسبت جہاں گیر نے لکھا ہے:

> ''یکے از اعاظم آثار کہ در عہد دولت و زمان حضرت عرش آشیانی (اکبر) بظہور آمدہ ایں مسجد و روضہ است، بسے اغراق عمارتے است نہایت عالی تمکین کہ مثل ایں مسجد در ہیچ بلادے نیست عمارتش ہمہ از سنگ در کمال صفا اساس نہادہ، پنج لک روپیہ از خزانہ عامرہ صرف شدہ تا باتمام رسیدہ''۔(۲)

آشتی برار عہد اکبری ۹۶۳ھ: محمد خان نیازی امرائے اکبری و جہاں گیری میں ایک مشہور علم دوست اور درویش صفت امیر تھے، پرگنہ آشتی براران کی جاگیر میں تھا اور چونکہ وہ دکن میں رہ چکے تھے، اس لیے اس پرگنہ کو انہوں نے اپنا وطن بنالیا تھا، اس کی آبادی میں اس قدر اضافہ کردیا تھا کہ وہ ایک بڑا قصبہ ہوگیا تھا، مرنے کے بعد وہ یہیں مدفون ہوئے اور ان کے لڑکے احمد خان نے وہاں ایک مقبرہ، مسجد اور باغ بنوایا۔

---

(۱) آئین اکبری، ج ۲، ص ۸۴۔ (۲) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۶۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ یہ قصبہ مدتوں زیارت گاہ خلائق رہا لیکن اب وہ بلکہ پورا پرگنہ بالکل ویران ہو گیا ہے اور سو گھروں میں سے صرف ایک گھر میں چراغ جلتا ہے اور دس گاؤں میں سے صرف ایک گاؤں سے مال گذاری وصول ہوتی ہے۔(۱)

حیدرآباد سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۹ھ): چونکہ گولکنڈہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی اور لوگ آب و ہوا کی خرابی سے اس کو عام طور پر ناپسند کرتے تھے، اس لیے اس شہر سے چار کوس کے فاصلے پر سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۹ھ) نے ایک عمدہ مقام کا انتخاب کیا اور اس جگہ ایک شہر آباد کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا اور اپنی محبوبہ بھاگ متی کے نام پر اس کا نام بھاگ نگر رکھا، بعد کو اس نام سے ندامت ہوئی اور اس کا نام حیدرآباد رکھا۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ اس شہر کا دور پانچ کوس کا ہے اور بازار ہندوستان کے اور شہروں کے برخلاف نہایت موزوں طریقے سے آباد کیے گئے ہیں، آب و ہوا نہایت اچھی ہے اور مسافروں کو موافق آتی ہے، اکثر بازاروں کے دونوں طرف آب رواں کی نہریں جاری ہیں اور نہروں کے کنارے سایہ دار درخت نصب کیے گئے ہیں، دوکانیں پتھر اور گچ کی بنائی گئی ہیں اور شاہی عمارتیں ایسی عمدہ ہیں کہ اور ملکوں میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔(۲)

بہادر پورہ (بہادر خان ۱۰۰۵ھ): بہادر خان اپنے باپ راجہ علی خان کی شہادت کے بعد ۱۰۰۵ھ میں برہان پور میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور برہان پور کے متصل دریائے تپتی کے کنارے بہادر پورہ کے نام سے ایک نہایت عمدہ شہر آباد کیا، صاحب مآثر رحیمی نے لکھا ہے کہ یہ شہر اب تک آباد ہے۔(۳)

شہر نورس پور (ابراہیم عادل شاہ ۱۰۰۸ھ): ابراہیم عادل شاہ نے ۱۰۰۸ھ میں بیجاپور سے ایک کوس کے فاصلے پر نواب شاہ نواز خان کے اہتمام میں اس شہر کی بنیاد ڈالی اور نواب ممدوح نے دور دور سے نہایت ہوشیار، انجینئر، معمار اور سنگ تراش بلوا کر محلوں، پوروں، راستوں،

---

(۱) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۳۷۶۔ (۲) فرشتہ، ج ۲، ص ۱۷۳۔ (۳) مآثر رحیمی، ج ۲، ص ۴۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بازاروں، عمارتوں اور دوکانوں وغیرہ کے نقشے مرتب کروائے اوران ہی نقشوں کے مطابق تعمیر کا کام شروع ہوااور تقریباً آٹھ ہزار نوکراور مزدوروغیرہ تعمیر کے کام میں لگائے گئے، یہ عملہ تو صرف سرکاری عمارات کے کام میں مشغول رہتا تھا، جولوگ اعیان وارکان سلطنت، وزراء، امراء، سپاہیوں، سوداگروں اور دوسرے دولت مند لوگوں کی عمارتوں کو تعمیر کرتے تھے، ان کی تعداد غیر محدود تھی، خاص خاص ملازمین کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے خزانۂ عامرہ سے روپیہ عطا ہوا تھا، تعمیر کے کا کام میں باہم مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اس بنا پر ہر شخص نے حسب مقدور عمارتوں اور باغوں کی تیاری میں نہایت تکلف سے کام لیا اور نواب شاہ نواز خان کی مستعدی اور سرگرمی سے تھوڑے ہی دنوں میں یہ عظیم الشان کام تکمیل کے درجہ کو پہنچ گیا۔

خاص بادشاہ یعنی ابراہیم عادل شاہ کے لیے ایک نہایت عظیم الشان محل تعمیر کیا گیا، جس کے طلائی اور لاجوردی سقف وستون اور منقش در و دیوار ارژنگ مانی کو مات کرتے تھے، اس کے چاروں طرف چمن بندی کی گئی تھی اوراس میں ہر قسم کے پھول اور پھل مہیا کیے گئے تھے۔

محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا، جس میں نوکروں، خدمت گاروں اور سپاہیوں وغیرہ کے رہنے کے لیے مکانات بنوائے گئے تھے، محل کے عقب میں بیگمات کے محلات تھے جو نہایت پر تکلف اور آراستہ تھے، دربار کے سامنے سے ایک بازار کا ہموار راستہ بیجاپور تک چلا گیا تھا اوراس کے دونوں طرف دوکانیں بنی ہوئی تھیں، جن کے اوپر بالا خانے اور کمرے تھے، بیچ میں ایک اور چھوٹا سا وسیع بازار تھا، جس کو مانک چوک کہتے تھے، اس کے چاروں طرف راستے تھے جو آبادی کے اخیر حصے تک چلے گئے تھے اوران کے دونوں طرف عمدہ دوکانیں بنی ہوئی تھیں، بازار کے عقب میں دونوں طرف، امراء وارکان اور تاجروں اور دولت مند لوگوں نے عمارتیں، حویلیاں، دیوان خانے، حوض اور باغ بنوائے تھے۔

شاہ نواز خان نے خاص اپنے لیے ایک نہایت عمدہ محل بنوایا تھا اور اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاروں طرف باغ لگوائے تھے۔

اس کا نام نورس پور اس لیے رکھا گیا کہ جس دن اس شہر کا سنگ بنیاد رکھا گیا، ایک دیہاتی نے ابراہیم عادل شاہ کے سامنے تحفۂ شراب کی ایک بوتل پیش کی، اس نے یہ شراب استعمال کی تو ایک عجیب قسم کا سرور حاصل ہوا، جو اب تک اور شرابوں کے استعمال سے حاصل نہیں ہوا تھا، اسی سرور کی حالت میں اس نے کہا:

مارا کیفے نو رسیدہ

اور اسی وقت سے بطور تفاول کے اس شہر کا نام نورسپور رکھ دیا اور یہ لفظ اس کو اس قدر پسند آیا کہ تقریباً اس کے عہد کی ہر چیز کا جزو ہو گیا، مثلاً سکۂ نورس، علم نورس، نشان نورس، فلس نورس، محل نورس اور عید نورس وغیرہ۔(۱)

فتح آباد جہاں گیر (۱۰۱۴ھ): جہاں گیر کے عہد حکومت میں جب شہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور شیخ فرید بخاری نے اس کو پرگنہ پھروال میں شکست دی تو اس فتح کے صلے میں جہاں گیر نے ان کو مرتضٰی خانی کا خطاب دیا اور جس مقام پر انہوں نے فتح حاصل کی تھی، ان کی درخواست پر ایک شہر آباد کر کے اس کا نام فتح آباد رکھا اور اس پرگنہ کو ان کی جاگیر میں دے دیا۔(۲)

یہ صاحب خلاصۃ التواریخ کی روایت ہے لیکن خافی خان نے لکھا ہے کہ جہاں گیر نے اس مقام پر جو قصبہ آباد کرایا تھا، اس کا نام فرید آباد رکھا تھا۔(۳)

مراد آباد عہد شاہ جہاں (۱۰۳۶ھ): اس شہر کو شاہ جہاں کے زمانے میں رستم خان نے اپنے بیٹے مراد بخش کے نام پر آباد کیا۔(۴)

مخلص پور: شہر سرمور کے پاس جہاں دریائے جمنا پہاڑ سے نکل کر سطح زمین پر گرتا ہے، شاہ جہاں نے لب دریا دولت خانہ تعمیر کروایا اور دوسرے امراء واعیان نے بھی حسب

---

(۱) بساتین السلاطین، ص ۲۴۵ تا ۲۵۰۔ (۲) خلاصۃ التواریخ ذکر جہاں گیر۔ (۳) خافی خان، ج۱، ص ۲۵۴۔ (۴) معجم الامکنہ، ص۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت عمارتیں تعمیر کروائیں، رفتہ رفتہ ایک آبادی قائم ہوگئی، جس کا نام مخلص پور پڑا، شاہ جہاں اکثر اوقات اس جگہ سیر وتفریح کے لیے آتا تھا اور مسرت اندوز ہوتا تھا۔

شاہ نہر یہیں سے نکال کر شاہ جہاں آباد میں لے گئے ہیں۔(۱)

وزیرآباد عہد شاہ جہاں (۱۰۳۶ھ): وزیر خان حکیم علیم الدین امرائے شاہ جہانی میں ایک مشہور امیر تھے، تعمیرات کا نہایت شوق تھا، لاہور میں حمام، بازار اور متعدد حویلیاں بنوائی تھیں، بالخصوص لاہور میں ان کی جامع مسجد نہایت مشہور ہے اور اب تک موجود ہے، قصبہ چنوٹ کو جوان کا جنم بھوم تھا، گویا نئے سرے سے آباد کیا، شہر کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی، پختہ عمارتیں بنوائیں، دوکانیں، مسجدیں، مدرسہ، شفاخانہ، کنوئیں اور تالاب بنوائے اور ان سب کو اہل وطن پر وقف کر دیا۔

لاہور کے پاس قصبہ وزیرآباد ان ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔(۲)

دلی یا شاہ جہاں آباد: قدیم زمانے میں ہندوستان کے راجاؤں کا پایہ تخت ہستناپور تھا، جو گنگا کے کنارے دلی سے تخمیناً سو میل دور ہے لیکن جب پانڈوؤں اور کوروؤں میں جنگ ہوئی تو پانڈوؤں نے ہستناپور کو چھوڑ کر اندر پرستھ کو اپنا دار السلطنت بنایا اور صاحب مآثر الامراء کے نزدیک دلی کا قدیم نام یہی ہے (۳) لیکن اب اس شہر کا نام ونشان باقی نہیں رہا، البتہ شاہ جہاں آباد کے جنوب کی طرف دلی دروازے کے باہر جو زمین ہے، وہ اندر پرستھ کی زمین کہلاتی ہے، اس کے بعد توریوں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے اندر پرستھ کے قریب ایک نیا شہر آباد کیا، چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں ڈھلی نرم زمین کو کہتے ہیں، اس لیے اندر پرستھ کے بجائے وہ شہر دہلی کے نام سے مشہور ہوا لیکن صحیح یہ ہے کہ قنوج کے راجہ دہلو نے اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا تھا اور اس کا قدیم نام بھی دہلو تھا، چنانچہ امیر خسرو نے ایک شعر میں یہی نام لیا ہے، بعد کو یہی نام دہلی ہوگیا۔

---

(۱) خلاصۃ التواریخ ذکر صوبہ شاہ جہاں آباد۔ (۲) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۹۳۵-۹۳۶۔ (۳) ایضاً ص ۴۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد جب چوھانوں کا دور حکومت شروع ہوا تو اس خاندان کے ایک راجہ رائے پتھورا نے اپنے نام پر ایک قلعہ اور ایک شہر آباد کیا اور وہ ایک مدت تک مسلمان بادشاہوں کا بھی دارالسلطنت رہا، چنانچہ سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کا صدر مقام بھی قلعہ رائے پتھورا تھا اور سلطان قطب الدین ایبک نے اسی قلعہ میں ایک محل بنوایا تھا، جس کا نام قصر سفید تھا۔

اس کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے کوشک لال کے پاس جس کو اس نے اپنے بادشاہ ہونے سے پہلے تعمیر کروایا، ایک قلعہ بنوایا، جو پہلے معلوم نہیں کس مناسبت سے مرزغن کے نام سے مشہور ہوا اور اب غیاث پور کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے بعد سلطان معز الدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر آباد کیا، جس کے نام کیلوکھڑی رکھا جو ایک گاؤں کا نام تھا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسی شہر کو اپنا پائے تخت بنا کر اس کی ناتمام عمارتوں کی تکمیل کی اور ایک بڑا محل بنوایا، جس کا نام بھی کوشک لال تھا اور اب یہ شہر نیا شہر کے نام سے مشہور ہوا، اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے ایک قلعہ جہان پہلے ایک گاؤں سیری کے نام سے آباد تھا، بنوایا، جو پہلے اس گاؤں کی نسبت سے قلعہ سیری کے نام سے مشہور ہوا اور بعد میں اس کو کوشک سیری بھی کہنے لگے، علاء الدین خلجی کا پائے تخت یہی مقام تھا اور اسی کو دہلی علائی کہتے ہیں۔

اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک شہر تغلق آباد کے نام سے آباد کیا، پھر اس کے لڑکے سلطان محمد فخر الدین جونا نے ایک نیا شہر آباد کیا، چونکہ اس نے اپنا لقب سلطان محمد عادل تغلق شاہ رکھا تھا، اس لیے یہ شہر محمد آباد اور عادل آباد کے نام سے مشہور ہوا، اس میں جو قلعہ تعمیر کیا تھا، چونکہ اس میں سنگ مرمر کے ایک ہزار ستون لگوائے تھے، اس لیے اس کو ہزار ستون بھی کہتے تھے، اس کے بعد فیروز شاہ نے فیروز آباد کے نام سے ایک بڑا شہر آباد کیا اور فیروز آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ایک محل تیار کروایا، جس کا نام جہاں نما تھا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر جب خضر خان رایات اعلیٰ بادشاہ ہوا تو اس نے ایک شہر خضر آباد کے نام سے آباد کیا اور اس کے بیٹے مبارک شاہ نے اپنے نام پر ایک دوسرا شہر مبارک آباد کے نام سے آباد کیا۔

اس کے بعد ہمایوں کا دور سلطنت شروع ہوا تو اس نے نئے سرے سے قلعہ اندر پرستھ کی ترمیم و تعمیر کرواکے اس کا نام دین پناہ رکھا اور اس کو اپنا پائے تخت بنایا، پھر شیر شاہ نے دہلی علائی کو چھوڑ کر اندر پرستھ کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا لیکن غالباً یہ کوئی نیا شہر نہ تھا بلکہ ہمایوں نے جو شہر آباد کرنا شروع کیا تھا، وہ نامکمل رہ گیا تھا، شیر شاہ نے اس کی تکمیل کی (۱)، غرض اس ردوبدل سے دلی مختلف شہروں کے مجموعے کا نام تھا، جس کا ہر جزا الگ الگ نام سے بھی موسوم تھا اور بعض اوقات اس پورے مجموعے کو بھی دلی کہتے تھے، چنانچہ قلقشندی صبح الاعشیٰ میں لکھتا ہے کہ ''دلی مختلف شہروں کے مجموعے کا نام ہے، جن میں ہر شہر الگ الگ نام سے موسوم ہے اور دلی بھی اسی مجموعے کا ایک جزو ہے''، شیخ ابوبکر میں خلال کا بیان ہے کہ اس وقت جس شہر کو دہلی کہتے ہیں، وہ اکیس شہروں کا مجموعہ ہے، شیخ مبارک کہتے ہیں کہ دلی ۴۰ میل کے دور میں آباد ہے، اس کی عمارتیں اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی ہیں اور چھتوں میں لکڑیاں لگی ہوئی ہیں، زمین پر سنگ مرمر کے قسم کا سفید پتھر بچھایا گیا ہے، مکانات زیادہ سے زیادہ دومنزلہ لیکن زیادہ تر یک منزلہ ہیں، مکانات میں بادشاہ کے سوا کسی اور کو سنگ مرمر کے بچھانے کا حق حاصل نہیں، یہاں ایک ہزار مدرسے قائم ہیں، جن میں صرف ایک مدرسہ شافعیوں کا اور بقیہ مدارس حنفیوں کے ہیں، اسی طرح ستر شفاخانے ہیں، دو ہزار خانقاہیں اور بہت سی زیارت گاہیں ہیں، بازار نہایت کشادہ اور وسیع ہیں اور بہ کثرت حمام موجود ہیں۔

دلی تمام ہندوستان کا دارالسلطنت اور بادشاہ کا صدر مقام ہے، ایک وسیع سلسلۂ محلات قائم ہے، جن میں سلطان، حرم سلطانی اور خدم و حشم کے رہنے کے لیے الگ الگ محل ہیں، خواتین و امراء بادشاہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے، صرف کام کے وقت محل میں آتے ہیں، پھر

---

(۱) خلاصۃ التواریخ ذکر شاہ جہاں آباد و آثار الصنادید۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں، دلی کے تین طرف یعنی مشرق، جنوب اور شمال میں باغ لگے ہوئے ہیں، صرف مغربی جانب ایک پہاڑی کی وجہ سے خالی ہے۔(۱)

یہ تمام تغیرات شاہ جہانی دور حکومت سے پہلے ہو چکے تھے، اس کے بعد شاہ جہاں کا دور حکومت آیا تو اس نے دلی کو نئے سرے سے آباد کیا اور اس وقت سے دلی کا دوسرا نام شاہ جہاں آباد ہو گیا، خافی خان نے لکھا ہے کہ ہر محلّہ کسی نہ کسی ایرانی امیر کے نام پر آباد کیا گیا تھا اور ہر محلے میں کسی نہ کسی ایرانی امیر نے اپنی حویلی ضرور بنوائی تھی (۲)، دلی میں شاہ جہاں نے خود جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ قلعہ معلّٰی اور اس کی متعلقہ عمارتیں قلعہ کے دائیں بائیں، امراء اور شاہزادوں نے جو عالی شان عمارتیں دریا کے کنارے تعمیر کروائی تھیں، ان کا کوئی شمار نہیں ہوسکتا۔

۲۔ شہر کی فصیل جو چار لاکھ روپیہ میں تیار ہوئی۔

۳۔ جامع مسجد جس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔

۴۔ قلعہ تک ایک نہر جاری کی، اس نہر کو سب سے پہلے سلطان فیروز خلجی دریائے جمنا سے نکال کر قصر سفیدون تک جو اس کا شکار گاہ تھا، لایا تھا، اس کے انتقال کے بعد وہ پٹ گئی تو اکبر کے زمانے میں شہاب الدین احمد خان نے اس کی مرمت کروائی اور اب وہ شہاب نہر کے نام سے مشہور ہوئی، شہاب الدین احمد خان کی وفات کے بعد پھر وہ پٹ گئی تو شاہ جہاں نے اس کی مرمت کروائی اور قصر سفیدون سے قلعہ تک ۲۰ کوس کی ایک اور جدید نہر کھدوا کر اس سے ملائی۔

اس کے بعد اور امراء و خواتین، عمارتیں اور مسجدیں بنواتے رہے اور ظفر خان المخاطب بہ روشن الدولہ نے ایک چوک بنوایا جو چاندی چوک کے نام سے اب تک مشہور ہے۔(۳)

ابراہیم آباد عہد شاہ جہانی (۱۰۳۶ھ): دریائے چناب کے کنارے سودھرہ ایک پرانا

(۱) صبح الاعشیٰ، ج ۵، ص ۶۹۔ (۲) خافی خان، ج ۲، ص ۳۲۷۔ (۳) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۴۶۲ تا ۴۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصبہ تھا، اس کے متصل شاہ جہاں کے زمانے میں امیر الامراء علی مردان خان نے اپنے لڑکے ابراہیم کے نام پر ایک شہر ابراہیم آباد کے نام سے آباد کیا اور شالامار کے طرز کا ایک عمدہ باغ بنوایا اور بہت سی شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں اور دریائے توہی سے ایک نہر نکلوا کر باغ تک جاری کیا، عمارت، باغ اور نہر پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور سودھرہ کے دیہات میں سے ایک گاؤں باغ اور نہر کی مرمت کے لیے سرکار شاہی سے ملا۔(۱)

اشرف آباد عہد شاہ جہانی (۱۰۳۶ھ): معتمد خان امرائے جہاں گیری و شاہ جہانی میں ایک مشہور امیر تھے، ان کے بھائی محمد اشرف نے لکھنؤ کی حولداری کے زمانے میں وہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائی تھیں اور ایک پورہ اشرف آباد کے نام سے آباد کیا تھا، جس میں ایک باغ بنوایا تھا، جو عام سیر گاہ تھا، ''بوستان دوستان'' اس کی تاریخ ہے۔(۲)

اورنگ آباد عالم گیر (عہد شاہ جہانی ۱۰۳۶ھ): دکن میں دولت آباد کو جس کا قدیم نام دھارا گیر اور دیوگیر تھا، سلطان محمد تغلق نے آباد کیا تھا لیکن وہ چند روز کے بعد ویران ہو گیا اور بعد کو بھی کسی بادشاہ نے اس کے آباد کرنے کا قصد نہیں کیا، بلکہ سلطان علاء الدین بہمنی نے اس کے بجائے احسن آباد کے نام سے گلبرگہ کو اپنا پائے تخت بنایا اور شہر دولت آباد میں قصبہ کھرکی کے سوا آبادی کا نام و نشان باقی نہ رہا لیکن شاہ جہاں کے عہد حکومت میں جب اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے زین العابدین خوافی کے اہتمام میں قلعہ دولت آباد سے سات کوس کے فاصلے پر ایک عظیم الشان شہر اورنگ آباد کے نام سے آباد کیا، جس کی نسبت خافی خان لکھتا ہے:

''والحق دریں عصر از طرف وفور آب و اعتدال ہوا و رنگینی رستہ و بازار
پُر از اقسام میوہ و فواکہ شہر مثل او دیگر در دکھن نیست''۔(۳)

عظیم آباد عہد عالم گیر (۱۰۶۸ھ): شہزادہ عظیم الشان شاہ عالم بہادر شاہ کا لڑکا اور

---

(۱) خلاصۃ التواریخ ذکر لاہور۔ (۲) مآثر الامراء، ج۳، ص۳۳۴۔ (۳) خافی خان، ج۱، ص۴۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم گیر کا پوتا تھا اور عالم گیر نے اس کو بہار و بنگال کا صوبہ دار مقرر کیا تھا، اس کا دارالسلطنت بردوان تھا اور یہاں اس نے ایک جامع مسجد اور بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں، ہوگلی میں شاہ گنج عرف عظیم گنج اسی کا آباد کیا ہوا ہے(۱) لیکن اس کے نام کو جس چیز نے آج تک زندہ رکھا ہے، وہ صوبہ بہار کا مشہور شہر عظیم آباد ہے، جس کو اس نے اپنے نام پر آباد کیا ہے۔

اس شہر کے آباد کرنے کی تقریب یہ ہوئی کہ عالم گیر نے شاہزادے کی بعض بے عنوانیوں سے ناراض ہو کر اس کو صوبہ بنگال کے چھوڑنے اور صوبہ بہار میں قیام کرنے کا حکم دیا اور وہ بنگال سے براہ راست مونگیر میں آیا، شاہ شجاع نے یہاں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی جو پر تکلف عمارتیں تعمیر کروائی تھیں، وہ اگرچہ اس کے قیام کے لیے کافی تھیں، تاہم چونکہ وہ بے مرمت تھیں اور ان کے مرمت کرنے کے لیے صرف کثیر کی ضرورت تھی، اس لیے اس نے وہاں قیام کرنا پسند نہیں کیا، بلکہ پٹنہ کی آب و ہوا اس کو پسند آئی اور وہیں قیام پذیر ہو گیا اور یہیں عالم گیر کے حکم کے بہ موجب اپنے نام پر شہر عظیم آباد کو آباد کیا اور اس میں ایک قلعہ اور شہر پناہ بنوایا۔(۲)

محمود پورہ عہد عالم گیری (۱۰۶۸ھ):؟ امرائے عالم گیری میں وزیر خان محمد طاہر خراسانی نے اورنگ آباد میں ایک باغ بنوایا اور شہر کے باہر ان کے بھائی مرزا محمود نے تالاب خرد اور اسلام خان مشہدی کے روضہ کے درمیان ایک گاؤں محمود پورہ کے نام سے آباد کیا، ان کے بیٹے تقی خان نے اس میں تالاب کے کنارے ایک عالی شان حویلی بنوائی، جس میں بعض شہزادوں نے قیام کیا تھا، ان کے بیٹے مرزا عبدالرحیم اس حویلی میں مدتوں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ اب اگرچہ اس خاندان کا کوئی شخص باقی نہیں رہ گیا ہے لیکن یہ حویلی اب تک قائم ہے۔(۳)

بھکر: اسلامی شہر ہے، سید محمد بن شجاع مکی یہاں صبح کے تڑکے آئے، چونکہ عربی زبان

---

(۱) ریاض السلاطین، ص ۲۴۲۔ (۲) ایضاً، ص ۲۵۰۔ (۳) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۹۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صبح کے تڑکے کو بکرہ کہتے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا جعل اللہ بکرتی فی البقعۃ المبارکۃ (خدا نے میری صبح ایک مبارک جگہ کی) اس وقت سے اس کا نام بکر پڑ گیا اور بعد کو یہی لفظ بھکر ہو گیا۔(۱)

اس کو منصورہ بھی کہتے ہیں۔

سامانہ: کسی خاص بانی کا نام معلوم نہیں لیکن یہ شہر مسلمانوں کا آباد کیا ہوا ہے۔(۲)

پورے: ہندوستان میں جو گاؤں آباد ہیں، ان میں بہت سے گاؤں کے اخیر میں "پور" کا لفظ لگا ہوا ہے، جو پورہ کا مخفف ہے اور یہ پورے زیادہ تر مسلمان سلاطین و امراء کے آباد کیے ہوئے ہیں، صاحب مرأۃ احمدی نے لکھا ہے کہ ابتدا میں جب احمد آباد آباد کیا گیا تو چونکہ اس وقت آبادی زیادہ نہ تھی، اس لیے گجرات کے ہر ایک امیر اور شاہزادے نے ایک حصار کے اندر اپنے رہنے کے لیے ایک جگہ متعین کر لی اور یہی جگہ ان کے نام کی نسبت کے ساتھ پورہ کے نام سے مشہور ہو گئی، مثلاً تاج پور اور جمال پور وغیرہ، لیکن جب شہر پورے طرح آباد ہو گیا تو شہر کے باہر آبادی شروع ہوئی اور نہایت کثرت سے پورے آباد ہو گئے، جن کی تعداد ۳۶۰ بلکہ ایک روایت کے مطابق ۳۸۰ تھی اور یہ تمام پورے گجراتی امراء نے اپنے نام پر آباد کیے تھے اور ان ہی میں خدم و حشم کے ساتھ سکونت رکھتے تھے۔

یہ پورے درحقیقت چھوٹے چھوٹے شہر تھے، جن میں تمدن کے تمام ضروری ساز و سامان موجود تھے، چنانچہ صاحب مرأۃ احمدی نے پورہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"و پورہ عبارت از جملہ بزرگے است مشتمل بر عمارات عالی و مزار ہائے مملو از نفائس و نوادر کہ ہر کدام در حقیقت شہریست عظیم"۔(۳)

ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ ہر پورہ کثرت آبادی کے لحاظ سے گویا ایک شہر تھا، تذکرۃ الملک کے مؤلف نے لکھا ہے کہ عثمان پور میں کم از کم کاری گروں کی بارہ ہزار دوکانیں

(۱) معجم الامکنہ، ص ۱۳۔ (۲) ایضاً ص ۳۰۔ (۳) مرأت احمد، ج ۱، ص ۱۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں اور فتنہ وفساد کے ظہور سے پہلے تمام پورے تاجروں، کاری گروں اور اہل کاروں سے بھرے ہوئے تھے اور نہایت پرتکلف اور شاندار عمارتیں ان میں موجود تھیں، بعد کو اگرچہ یہ پورے ویران ہوگئے اور اکبر کی فتح کے بعد ان کی آبادی میں کافی تغیر و تبدل ہوگیا، تاہم بعض کے نام اب بھی باقی رہ گئے (۱) اور بعض نئے پورے آباد ہوئے، چنانچہ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

قاضی پور: شاہ پور ایک قدیم آبادی تھی، عالم گیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ خواجہ عبداللہ نے اس کو نئے سرے سے اپنے نام پر آباد کیا۔

حاجی پور: حاجی بہاء الدین المخاطب بعهد الملک نے جو سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں تھے، اس کو آباد کیا اور اس میں ایک مسجد بنوائی۔

دریا پور: اس کو سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں دریا خان نے آباد کیا۔

پناہ پور: بہادر خان ناظم صوبہ نے جس کا نام محمد پناہ تھا، عالم گیر کے زمانے میں اس کو اپنے نام سے آباد کیا۔

جہاں گیر پور: جہاں گیر کے نام پر آباد کیا گیا۔

ہیبت پور: سلاطین گجرات کے امراء میں اس کو ہیبت خان نے آباد کیا۔

بی بی پور: سلاطین گجرات کے عہد میں بی بی مان نے جو خاندان چشتیہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنی سکونت کے لیے اس کو آباد کیا تھا اور ان کا مزار، مسجد و خانقاہ کے ساتھ اس میں موجود تھا۔

نور اللہ پور: اس کو شیخ نور محمد نے جن کا خطاب امانت خان تھا، فرخ سیر کے زمانہ میں آباد کیا۔

سارنگ پور: امرائے محمودی میں ملک سارنگ کا آباد کیا ہوا تھا۔

افضل پور: سلطان محمود ثانی کے امراء میں افضل خان نے اس کو آباد کیا۔

طوغان پور: طوغان نے جو امرائے محمودی میں تھا، اس کو آباد کیا۔

---

(۱) مرأت احمد، ج ۲، ص ۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منجھن پور: شاہ عالم قدس سرہ کے نواسے سید مسعود نے اس کو اپنے نانا کے نام پر آباد کیا۔

بابی پورہ: اس کو صفدر خان بابی نے آباد کیا۔

نواپورہ گنج پورہ سلطان پور: سید عبدالرحیم رفاعی نے آباد کیا۔

معصوم پور: معصوم قلی عرف شجاعت خان نے اس کو نئے سرے سے آباد کیا۔

مرادگنج: شاہزادہ مراد بخش کے زمانۂ نظامت میں آباد ہوا۔

وہاب گنج: عالم گیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب نے اپنے نام سے آباد کیا۔

سید پور: سلطان احمد کے امراء میں سید عطاء اللہ نے آباد کیا۔

چنگیز پور: سلطان محمود ثانی کے غلام چنگیز خان نے آباد کیا۔

بہادر گنج: سلطان بہادر گجراتی نے آباد کیا۔

اکرم پور: اکرم الدین خان صدر صوبہ نے بہادر شاہ کے زمانے میں آباد کیا۔

مفاخر پور: اسی زمانے میں اکرم الدین خان کے بھائی ابوالمفاخر خان نے آباد کیا۔

علیم پور: خداوند خان ملک علیم نے جو سلطان احمد کے امراء میں تھا، اس میں ایک مسجد بنوائی اور اس کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔

فرح پور: اس کو قاضی پور بھی کہتے ہیں، ابوالفرح خان قاضیِ شہر نے عالم گیر کے زمانے میں آباد کیا اور ایک مکان اور پرتکلف مسجد بنوائی اور یہیں قیام اختیار کیا۔

نور گنج: جس زمانے میں جہاں گیر گجرات میں مصروف سیر و شکار تھا، نور جہاں بیگم کے نام پر آباد ہوا۔

زور آور پور: جواں مرد خان بابی نے نئی عیدگاہ کے نزدیک اپنے چھوٹے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔

رسول آباد: حضرت شاہ عالم قدس سرہ نے آباد کیا تھا اور یہیں سکونت رکھتے تھے اور آپ کا مزار بھی یہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورہ رضوی خان: عالم کے زمانے میں رضوی خان صدر صوبہ نے آباد کیا۔

عیش پور: رسول آباد اور موضع بٹوہ کے درمیان ملک عیش المخاطب بہ نظام الملک نے جو امرائے محمودی میں تھا، اپنے نام پر آباد کیا تھا اور ایک مسجد، تالاب، باغ اور اپنا مقبرہ اس میں بنوایا تھا اور اس کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی تھی۔

خودن پورہ: امرائے سلاطین گجراتیہ میں ملک خودن نے آباد کیا، چونکہ یہاں زیادہ تر حضرت شاہ عالم کے خادم اور مرید رہتے تھے، اس لیے حضرت ممدوح نے اس کا نام خویدم پورہ رکھ دیا۔

قطب پور: غالباً حضرت قطب عالم قدس سرہ کے زمانہ قیام میں ان ہی کے نام سے آباد ہوا۔

قاسم پور: عالم گیر کے زمانے میں میر قاسم نے آباد کیا۔

راجو پور: حضرت شاہ عالم کے نواسوں نے آباد کیا۔

خان پور: سید حسن خان نے عالم گیر کے زمانے میں آباد کیا۔

عثمان پور: حضرت قطب عالم قدس سرہ کے خلفاء میں سید عثمان نے آباد کیا۔

نورنگ پور: عالم گیر کے زمانے میں نورنگ نے آباد کیا۔

صلابت پور: صلابت خان نے آباد کیا۔

شادمان پور: اکبر کے زمانے میں اعظم خان کے لڑکے شادمان نے آباد کیا۔

شیخ پور: سلطان محمود بیگڑہ کے پیر شیخ رحمت اللہ نے آباد کیا

سلطان پور: کمال الدین جواں مرد خان نے اس کو اپنے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔(۱)

---

(۱) مرآت احمدی، ج ۲، ص ۷ تا ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغات

از: مولانا عبدالسلام ندوی

زمین کی پیداوار میں درخت، پھول، پھل اور میوے نہایت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور اس تمدنی ترقی کے سلسلے میں ہم کو فیروز شاہ کا نام نہایت نمایاں نظر آتا ہے، شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کو باغات کے لگانے کا نہایت ذوق تھا، جن میں مختلف قسم کے انگور پیدا ہوتے تھے اور ایک پیسہ سیر کے حساب سے فروخت ہوتے تھے۔(۱)

فیروز شاہ نے شہر حصار فیروزہ کو آباد کیا تو نہایت کثرت سے درخت اور باغات لگوائے، جن میں ہر قسم کے پھول اور پھل ہوتے تھے، شمس سراج عفیف نے بعض پھلوں کے یہ نام بتائے ہیں، سدا پھل، جنبھری، نارنگ، سکندر اول، ان کے علاوہ ہر قسم کے پھول، گنے اور پونڈے تیار ہوتے تھے، جن میں نہایت لطافت پائی جاتی تھی۔(۲)

فیروز شاہ کے بعد سلطان محمود بیگڑہ نے گجرات میں نہایت کثرت سے پھل دار درخت مثلاً آم، انار، کھرنی، جامن، گولر، بیل اور مہوے لگوائے (۳) اور اس کے زمانے میں بعض امراء نے انجیر اور بانس کا درخت بیجانگر اور دکن سے منگوا کر گجرات میں لگوایا۔(۴)

اس کے بعد تیموریوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے پھولوں، پھلوں اور باغوں کی

(۱) تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، ص ۲۹۵، ۲۹۶۔ (۲) ایضاً، ص ۱۲۸۔ (۳) مرأت سکندری، ص ۷۸۔ (۴) ایضاً، ص ۱۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی میں اور بھی زیادہ لطافت و نفاست سے کام لیا اور اکبر کے زمانے میں اس میں خاص طور پر ترقی ہوئی، مثلاً میووں میں شیرینی اور لطافت پیوند لگانے سے زیادہ ہو جاتی ہے لیکن اکبری دور سے پہلے ہندوستان میں پیوند لگانے کا بالکل رواج نہ تھا، سب سے پہلے اکبر کے زمانے میں محمد قلی افشار نے جو کشمیر میں داروغۂ باغات تھا، کابل سے شاہ آلو منگا کر پیوند لگایا اور پھر عام رواج ہو گیا لیکن اکبر کے زمانے تک آم کی قلم نہیں لگ سکتی تھی، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

''محمد قلی افشار داروغۂ باغات کشمیر در عہد عرش آشیانی اول نہال شاہ آلو از کابل طلبیدہ پیوند نمودہ بآب و ہوائے آنجا موافق آمد از ان ایام رواج یافت و سال بسال در ہمہ بلاد ہندوستان ازیں پیوند میوہائے شاداب و شیریں بالیدہ گردیدہ الا درخت اینہ را پیوند نتوانستند نمود''۔(۱)

جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

''پیش از عہد دولت حضرت عرش آشیانی شاہ آلو مطلقاً نبود محمد قلی افشار از کابل آوردہ پیوند نمود، تا حال دہ پانزدہ درختے بار آمدہ زرد آلو پیوندی نیز درخت چند معدود بود مشار الیہ پیوند را دریں ملک شائع ساخت''۔(۲)

شاہ آلو کے علاوہ اکبر کے زمانے میں اور بھی بہت سے میوے ولایت سے ہندوستان میں آئے، اناناس بھی اسی زمانے میں یورپ سے آیا، چنانچہ جہاں تزک میں لکھتا ہے:

''در ایام دولت حضرت عرش آشیانی اکثر میوہائے ولایت کہ در ہند نبود بہم رسید اقسام انگور ہا از صاحبی و حبشی و کشمکشی در شہر ہائے مقرر شائع گشت از جملہ میوہا میوہ ایست کہ آں را اناناس مے نامند و در بنادر فرنگ مے شود در

---

(۱) خافی خان، ج ۱، ص ۳۰۲۔ (۲) تزک جہاں گیری، ص ۳۰۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غایت خوشبوئی دراست مزگی است در باغ گل افشان آگرہ ہر سال چندیں ہزار برمے آید"۔(۱)

ابوالفضل آئین اکبری میں دلی کے ذکر میں لکھتا ہے:

"برخے جا کشت و کارسہ فصلہ شود، میوہ ایرانی وتورانی و ہندی و گونا گوں گلہائے فراواں"۔(۲)

پستہ آج کل ہندوستان میں پیدا نہیں ہوتا لیکن اکبر کے زمانے میں پستہ کا درخت لگایا گیا اور بار آور ہوا، اس کے علاوہ جو پھل اور میوے پیدا ہوتے تھے، ان کی زراعت وتجارت میں ترقی ہوئی، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

"ازیں رو کارندگان ایران وتوران خانہ دار آمدند وکشت کار آل را روز بازار شد وخربزہ وانگور فراوانی پذیرفت وگزیدگی یافت وہم چناں ترنبرد شفتالو و بادام وپستہ وانار وخیر آن پیدائی گرفت ازاں باز کہ کابل وقندھار و کشمیر بر قلمرو فزدو آمدہ بار در بار آمد"۔(۳)

اکبری دور سے پہلے گجرات میں خربزے نہیں ہوتے تھے، سب سے پہلے عبدالرحیم خان خاناں نے آدمی بھیج کر عراق اور خراسان سے تخم منگوائے اور گجرات کے ایک گاؤں بلکوارہ میں جس کی آب وہوا مناسب تھی، اس کی کاشت کرائی، پہلے سال نہایت عمدہ خربزے پیدا ہوئے اور دو سال میں اس قدر ترقی ہوئی کہ عراق وخراسان کے لوگ بھی اس قدر ترقی نہیں کر سکتے تھے۔(۴)

آم اگرچہ بنگال، گجرات، مالوہ، خاندیس اور دکن میں بہ کثرت ہوتا تھا لیکن پنجاب میں کم پیدا ہوتا تھا، جب اکبر نے لاہور کو تخت گاہ بنایا تو اس کی پیداوار میں کسی قدر

(۱) تزک جہاں گیری، ص ۴۔ (۲) آئین اکبری، ج ۲، ص ۱۳۴۔ (۳) ایضاً، ج ۱، ص ۴۳۔ (۴) مآثر رحیمی، ج ۲، ص ۶۰۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ ہوا(۱)۔خوشبودار اور باغوں کی زیب وزینت کے درخت ہندوستان میں نہیں ہوتے تھے، اکبر کے زمانے میں صندل، سرو، صنوبر اور چنار کے درخت نہایت کثرت سے باغوں میں لگائے گئے، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں صندل کی نسبت لکھتا ہے:

''صندل، ھندی چندن گویند درختے است درچین دریں دولت جاوید آوردند و سرسبز شد''۔(۲)

جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

''دار درختاں سرو، صنوبر و چنار و سفید آرد بید مولہ کہ ہرگز در ہندوستان خیال نکردہ بودند بہم رسیدہ و بسیار شدہ و درخت صندل کہ خاصہ جزائر بود در باغات نشو ونما یافتہ''۔(۳)

پھول ہندوستان میں یوں بھی نہایت کثرت سے ہوتے تھے لیکن تیموریوں کی خوش مذاقی نے اس پر قناعت نہیں کی، بلکہ یورپ اور ایران کے پھول منگوا کر ہندوستان کو ایران کا چمن زار بنا دیا، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

''کیوڑ بیل پنچ برگہ و بگل زعفران ماند دریں دولت جاوید طراز از فرنگ آوردند''۔(۴)

''وگلہائے ایرانی وتورانی ازگل سرخ و بنفشہ و یاسمن کبود وسوسن و ریحان درعنا وزیبا وشقائق وتاج خروسی وقلغہ ونافرمان وخطمی وجز آن بسیار شود''۔(۵)

اس کے بعد جہاں گیر کا دور حکومت آیا اور اس نے کشمیر میں پیوند کے ذریعے سے میوہ دار درختوں کی خاص طور پر اصلاح وتربیت کی(۶)، ایک موقع پر خود تزک میں لکھتا ہے کہ

---

(۱) آئین اکبری، ج۱،ص۴۹۔ (۲) ایضاً،ص۶۱۔ (۳) تزک جہاں گیری،ص۴۔ (۴) آئین اکبری، ج ۱،ص۶۳۔ (۵) ایضاً،ص۶۵۔ (۶) بادشاہ نامہ، ج۱،ص۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشمیر کے شاہ آلو باغچہ نور افزا سے ڈیڑھ ہزار اور تمام درختوں سے پانچ سو توڑے گئے میں نے متصدیان کشمیر کو تاکید کی کہ شاہ آلو کے درخت اکثر باغوں میں پیوند کریں اور اس کو ترقی دیں۔

جہاں گیر کے دور حکومت کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس کے زمانے میں میوؤں اور پھلوں کی تجارت میں بے انتہا ترقی ہوئی اور بیرونی ممالک سے اس قدر اور اتنے قسم کے میوے ہندوستان میں آئے، جو اکبر کے زمانے میں بھی نہیں آئے تھے، چنانچہ تزک میں اس نے ان میوؤں کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے اور بعض موقعوں پر حسرت ظاہر کی ہے کہ میرے والد کے زمانے میں یہ میوے ہندوستان میں نہیں آئے، حالانکہ وہ میوؤں کا نہایت ذوق رکھتے تھے، ایک موقع پر لکھتا ہے:

> ''ماہ دی کے آغاز میں ولایت سے سوداگر آئے اور یزد کے انار اور کاریز کے خربزے جو خراسان کے خربزوں میں سب سے بہتر ہوتے ہیں لائے، اگرچہ ہر سال بدخشاں سے خربزے اور کابل سے انار آتے ہیں لیکن یہ خربزے اور انار یزد کے انار اور کاریز کے خربزے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے، چونکہ میرے والد بزرگوار کو میوؤں کا نہایت ذوق تھا، اس لیے نہایت افسوس ہوا کہ کاش یہ میوے ان کے زمانے میں ولایت سے ہندوستان میں آتے تاکہ وہ ان سے محظوظ ہوتے''۔(۱)

دوسرے موقع پر لکھتا ہے:

> ''اس منزل میں کاریز سے جو ہرات کے اطراف میں واقع ہے، بہت سے خربزے لائے، خان عالم نے بھی پچاس اونٹ بھیجے تھے، خلاصہ یہ کہ اس کثرت سے گذشتہ سالوں میں نہیں لائے تھے، ایک خوان میں حسب ذیل میوے لائے، کاریز کابل اور بدخشان کے خربزے، سمرقند

---

(۱) تزک جہاں گیری، ص ۱۳۳۔ (۲) ایضاً، ص ۱۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بدخشان کے انگور، سمرقند، کشمیر، کابل اور جلال آباد کے سیب، اناس جو یورپ کے بندرگاہوں کا میوہ ہے، آگرہ میں اس کا درخت لگایا گیا تھا جو ہر سال آگرہ کے باغات میں جو خالصہ شریفہ سے متعلق ہیں، ہزاروں پھل دیتا ہے اور کولہ جو شباہت اور جسامت میں نارنگی سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کی چاشنی مائل بہ شیرینی ہے، میرے والد بزرگوار کو میووں کا نہایت ذوق تھا، بالخصوص خربزہ، انار اور انگور کے ساتھ نہایت ذوق رکھتے تھے، چونکہ ان کے زمانے میں کاریز کے خربزے جو خربزہ کی اعلیٰ قسم ہے اور یزد کے انار جو دنیا میں مشہور ہیں اور سمرقند کے انگور ہندوستان میں نہیں لاتے تھے، اس لیے جب یہ میوے سامنے آتے ہیں تو نہایت افسوس ہوتا ہے کہ کاش یہ میوے اس زمانے میں آتے تا کہ وہ ان سے لذت اندوز ہوتے''۔(۱)

جہاں گیر کو درختوں اور پھلوں کی ترقی کے لحاظ سے اس بات کا خاص شوق تھا کہ جو پھل اور درخت غیر معمولی نظر آتے تھے، ان کی پیائش اور وزن کراتا تھا، چنانچہ تزک میں اس قسم کے تجربہ و تحقیقات کا متعدد موقعوں پر ذکر کیا ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے:

''آج استالف سے ایک شفتالو لائے، اتنا بڑا شفتالو آج تک دیکھا نہیں گیا تھا، میں نے حکم دیا کہ وزن کریں، ساٹھ تولہ کا نکلا''۔(۲)

دوسرے موقع پر لکھتا ہے:

''فتح پور کے اطراف سے ایک تربوز لائے کہ اتنا بڑا تربوز اب تک دیکھا نہیں گیا تھا، میں نے حکم دیا کہ وزن کریں، ۳۳ سیر وزن نکلا''۔(۳)

ایک جگہ لکھتا ہے:

''دو کوس کے طے کر لینے کے بعد ایک پرفضا و لطیف جگہ سامنے آئی،

(۱) تزک جہاں گیری، ص ۱۷۳، ۱۷۴۔ (۲) ایضاً، ص ۵۷۔ (۳) ایضاً، ص ۷۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک باغ میں تقریباً آم کے سو درخت نظر سے گذرے کہ آم کے اتنے بڑے اور اتنے شاداب درخت کم دیکھے گئے تھے، اسی باغ میں بڑ کا ایک درخت نظر سے گذرا جو انتہا درجہ کا بڑا تھا، میں نے حکم دیا کہ اس کے طول، عرض اور بلندی کی پیمائش کریں، چنانچہ اس کی بلندی سے شاخت تک ۴۷ گز، اس کے تنہ کا دور ۴۴ گز اور اس کی چوڑائی ۱۷۵ گز نکلی"۔(۱)

اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات تزک جہاں گیری میں مذکور ہیں۔

شاہ جہاں نے بھی اپنے دور حکومت میں کشمیر کے پھلوں کو پیوند وغیرہ کے ذریعہ سے بے انتہا ترقی دی، چنانچہ بادشاہ نامہ میں ہے:

"وچوں بجلوس میمنت مانوس خدیو عالم خداوند بنی آدم سریر آرائے جہاں بانی حضرت صاحب قران ثانی جہاں را فروغ مازہ بہم رسید و جہانیاں را فروغ بے اندازہ، ایں سرزمین کہ از جمیع متنزہات عالم امتیاز دارد بعمات روح افزا و بساتین دلکشا نمودار بہشت بریں گردید و اکثر اثمار آن بہ پیوند و دیگر اسباب نزہت در شیرینی و بالیدگی و سیرابی یاد از میوہائے نیک ولایت کابل می دہد"۔(۲)

اسی زمانے میں جب کہ تیموری سلاطین ہندوستان کے پھولوں اور پھلوں میں یہ لطافت پیدا کر رہے تھے، مرتضیٰ نظام شاہ کے دور حکومت میں صلابت خان نے اپنی وکالت کے زمانے میں ہندوستان کے پائیدار اور کارآمد درختوں کی پیداوار کو بے انتہا ترقی دی، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"درمیان مردم شہرت دارد کہ درعہد وکالت صلابت خان پنج لک درخت انبہ واملی کہ مدت ہائے ماندہ باعث ذکر خیر شود در مملکت نظام شاہ

(۱) تزک جہاں گیری، ص ۱۷۴۔ (۲) بادشاہ نامہ، ج ۱، ص ۵۵، ۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستزاد گردید و درختہائے دیگر را از یں قیاس مے تواں کرد"۔(۱)

اس سلسلے میں ان باغات کا ذکر بھی نہایت ضروری اور اہم ہے، جن میں یہ پھول پھل پیدا ہوتے تھے، اگرچہ ان باغات کی کوئی مکمل فہرست نہیں پیش کی جا سکتی، کیونکہ ہمارے مورخین نے یا تو

۱-صرف ان بادشاہوں کے حال میں ان کا تذکرہ کیا ہے، جن کو باغات کے لگانے کا نہایت ذوق تھا۔

۲-یا خاص خاص مشہور اور قابل الذکر باغوں کا نام لیا ہے۔

۳-یا ضمنی تذکرے میں کسی باغ کا نام آ گیا ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرماں روایان اسلام کے دور میں ہزاروں باغ ان کے علاوہ ہوں گے اور قریب قریب ہر سلطنت نے ان کی آبیاری میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہوگا، تاہم جن باغوں کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے، ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فرماں روایان اسلام کے دور میں باغوں کی کس قدر کثرت تھی اور انہوں نے ان میں کس قدر لطافت اور رنگ و بو پیدا کیا تھا۔

فیروز شاہ کا ذوق باغبانی: تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کو باغات کے لگانے کا نہایت شوق تھا اور اطراف دہلی میں ایک ہزار سے زیادہ باغ لگوائے تھے اور ہر باغ کے صحن چمن کو آراستہ و پیراستہ کیا تھا، اس کے علاوہ جب اس نے شہر حصار فیروزہ کو آباد کیا تو نہایت کثرت سے درخت اور باغات لگوائے، جن میں ہر قسم کے پھول پھل پیدا ہوتے تھے اور باغات سے جو محصول ہوتا تھا، اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تنکہ تھی (۲)، فیروز شاہ کے بعد سلطان محمود بیگڑہ نے گجرات میں نہایت کثرت سے پھل دار درخت لگائے۔

باغ فردوس: اور پانچ کوس لمبا اور ایک کوس چوڑا ایک باغ جس کا نام باغ فردوس

---

(۱) فرشتہ، ج۲، ص۱۴۳۔ (۲) تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، ص۲۹۵، ۲۹۶ و ۱۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، لگوایا اور اس میں آم، کھرنی اور آنولے وغیرہ کے نو لاکھ درخت نصب کروائے۔(۱)

باغ شعبان: اس کے زمانے میں وزیر عماد الملک نے جو محتاجوں اور غریبوں کا بڑا ہمدرد تھا، احمد آباد میں ایک باغ لگوایا، جس کا نام باغ شعبان تھا، مرأت سکندری میں ہے:

> "و باغ شعبان کہ رشک باغ جنان است تربیت یافتہ زمان آل سلطان جہان است"۔

اس نے قحط کے زمانے میں یہ باغ لگوایا تھا تا کہ اس میں محنت و مزدوری کر کے غریب لوگ اپنا پیٹ پال سکیں اور اس کے اکثر درخت خود اپنے ہاتھ سے لگائے تھے، اس سے سلطان محمود بیگڑہ کا مقصد محض ذاتی شوق کا پورا کرنا نہ تھا، بلکہ ایک اہم تمدنی خدمت کا انجام دینا یعنی زرعی پیداوار کو ترقی دینا تھا، اس لیے اس نے رعایا کو بھی اس کی ترغیب دی اور اس معاملے میں ان کے ساتھ اس قدر رعایتیں کیں کہ اگر راستے میں یا کسی گھر کے دروازے پر دیکھتا کہ کسی غریب شخص نے کوئی درخت نصب کیا ہے تو گھوڑے کو روک کر اس کو بلواتا اور نہایت لطف و مہربانی کے ساتھ پیش آتا اور پوچھتا کہ اس درخت کو پانی کہاں سے دیتے ہو؟ اگر وہ کہتا کہ "پانی دور سے لانا پڑتا ہے اور اس میں تکلیف ہوتی ہے" تو اس کے قریب کنواں کھدوا دیتا اور مالی امداد دیتا اور کہتا کہ "متعدد درخت لگاؤ گے تو انعام ملے گا"، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا نے پہلے سے زیادہ باغ لگانے اور درخت نصب کرنے کی طرف توجہ کی۔(۲)

محمود آباد کے باغات: سلطان محمود نے ۸۸۹ھ میں چاپانیر کو فتح کیا اور اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو اس تقریب سے ایک شہر آباد کیا، جس کا نام محمد آباد تھا، یہ شہر مسجد، شہر پناہ اور سوداگروں اور تاجروں کی شاندار عمارتوں سے آباد ہو گیا، تو اس نے ۸۹۰ھ میں اطراف شہر کی رونق بڑھائی اور سواد شہر میں کثرت سے باغات لگوائے، جن میں مختلف پھول اور پھل، مثلاً

---

(۱) مرأت احمدی، ج ۲، ص ۱۳۔ (۲) ظفر الوالہ، ص ۱، و مرأت سکندری، ص ۷۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آم، پونڈے، انجیر، انگور، انار، کیلا، انیرت پھل، سدا پھل، نارنگی، کھرنی، تارن پھلی، نامیر، کٹہل، بڑھل، کمرک، پھالسہ، آملہ، گل لعل، سیوتی چنبیلی، چنپا، بیلہ، موگرہ، جوہی، کرنی، کیوڑہ وغیرہ پیدا ہوتے تھے (۱)، اس فہرست میں زیادہ تر پھول اور پھل ہندوستانی ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایرانی اور تورانی پھولوں اور پھلوں کے لیے ہندوستان تیموریوں کے دور کا انتظار کر رہا تھا۔

خراسانی صناع کا لگایا ہوا باغ: اس طریقہ سے سلطان محمود کے زمانے میں اگرچہ باغوں کا عام رواج ہو گیا، تاہم اب تک ان کے بنانے میں لطافت ونفاست سے کام نہیں لیا گیا تھا اور اہل گجرات اس سے بالکل ناواقف تھے لیکن سلطان محمود کے اس ذوق کو دیکھ کر ایک خراسانی نے عرض کیا کہ ''مجھ کو باغوں اور عمارتوں کے بنانے میں خاص کمال حاصل ہے، اگر ایک جگہ متعین کر دی جائے تو میں ایک نہایت عمدہ باغ بنا دوں''، بادشاہ نے اس کو خود جگہ کے انتخاب کا اختیار دیا اور تمام ضروری ساز وسامان مہیا کر دیے، اس نے ایک نہایت عمدہ باغ بنایا، جس میں ایک حوض، متعدد آبشار اور فوارے تھے، چونکہ اب تک گجرات میں اس قسم کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، سلطان نہایت محظوظ ہوا اور اس کو بہت کچھ انعام واکرام دیا۔

بیلو نجار کا لگایا ہوا باغ: اسی اثنا میں ایک گجراتی بڑھئی نے جس کا نام بیلو تھا، عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اس کے مقابل میں ایک باغ تیار کروں، سلطان نے حکم دیا تو چند دنوں میں اس نے اس سے بھی بہتر باغ تیار کر دیا، سلطان اس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور پوچھا کہ ''اہل گجرات کو تو یہ ہنر نہیں آتا تھا، تم نے کس سے سیکھا''، اس نے کہا کہ ''جب استاد (یعنی خراسانی) نے باغ کی تعمیر کا کام شروع کیا تو اس کی صنعتی باریکیوں میں اس قدر اخفاء سے کام لیا کہ اس فن کے جاننے والوں کو باغ کے گرد پھٹکنے تک نہیں دیا لیکن میں نے مزدوروں کے زمرے میں شامل ہو کر، کچھ تو دیکھ کر اور کچھ قیاس سے کام لے کر یہ ہنر سیکھ لیا، بادشاہ

---

(۱) مرأت سکندری، ص ۱۰۷ تا ۱۹۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت مسرور ہوا اور اس کو انعام اور خلعت خاص سے سرفراز کیا۔

بہر حال باغات کی کثرت کے ساتھ اس قسم کی تمدنی نفاستیں بھی گجرات میں سلطان محمود کے زمانے میں پیدا ہوئی، چنانچہ مرأت سکندری میں ہے:

''حاصل کلام آنکہ ایں ہمہ دقائق وصنائع وحکمتہائے عجائب کہ آلان در گجرات شائع است اکثر درزمان سلطان عالی شان سلطان محمود از ہنر مندان بلاد اقالیم ایجاد یافتند، گجرات نسخہ جامع است مثل انسان کامل کہ از تکمیل آنحضرت گشتہ واہل گجرات اکتساب فہم سلیم وطبع مستقیم درظرافت ونظافت درایام سلطنت آن عالی شان نمودند''۔

ورنہ اس سے پہلے اہل گجرات کی سادہ لوحی کا یہ حال تھا کہ ایک فوجی شخص جو سلطان کے مقربین بارگاہ میں تھا، رخصت لے کر اپنے وطن میں گیا، واپسی کے وقت مونتھ کی بہت سی پھلیاں چن کر ایک پٹارہ میں بھریں اور اس کے اوپر سرخ کپڑا لپیٹ کر سلطان کی خدمت میں تحفۃً پیش کیں، سلطان نے کہا کیا ہے، بولا کہ مونتھ کی پھلیاں سرکاری گھوڑوں کے لیے لایا ہوں، نہایت عمدہ ہیں اور ان میں بڑے بڑے دانے ہیں، سلطان مسکرایا، وہ اس تلطف آمیز مسکراہٹ کو دیکھ کر آگے بڑھا اور کہا کہ میرے گاؤں میں ایک عورت ہے، جس کے ہر سال ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، امسال وہ بیوہ ہوگئی ہے، اگر حکم ہو تو سلطان کی خدمت میں حاضر کروں تاکہ بہت سے شہزادے پیدا ہوں، سلطان اس پر ہنس پڑا(۱)، اس کے بعد تیموریوں کا دور شروع ہوا اور انہوں نے باغوں میں اور بھی تمدنی نفاستیں و نزاکتیں پیدا کیں، چنانچہ آئین اکبری میں ہے:

''بیشتر دریستانہادر ہم مے کشتند ازاں باز کہ قدم فردوس مکانی (بابر) ہندوستان را فروغ افزود خیابان بندی وطرح آرائی پدید آمد وعمارتہای

---

(۱) مرأت سکندری، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلکشاو آبشار ہای سامعہ افروز دیدہ درآن آفاق را بہ شگفت آورد"۔(۱)

اکبر کے زمانے میں آگرہ اور لاہور میں بہ کثرت باغ لگائے گئے، چنانچہ ابوالفضل نے ان شہروں کے حال میں ان کا اجمالی ذکر کیا ہے، مثلاً لاہور کے متعلق لکھتا ہے:

"چوں چندگاہ پایۂ تخت شد دالا کاخہا برافراختہ آمد و دلکشا باغہا شادابی دیگر بخشید"۔(۲)

امرائے اکبری اور ان کے متعلقین نے متعدد باغ لگوائے، چنانچہ امرائے دربار اکبری میں ایک شخص شیخ عبدالرحیم لکھنوی تھے، جنہوں نے ایک عورت کو گھر میں ڈال لیا تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو اس نے نہایت عمدہ مکانات بنوائے اور باغ سرا اور تالاب تیار کروایا، اسی باغ میں شیخ عبدالرحیم لکھنوی مدفون تھے، اس لیے وہ آس پاس کے دیہات کو لگان پر لے کر اس باغ کی رونق کو بڑھایا کرتی تھی۔(۳)

اسی زمانے میں مرزا خان خلف بیرم خان نے ایک لڑائی میں فتح حاصل کی تو اکبر نے اس کو خان خاناں کا خطاب دے کر گجرات کا حاکم بنادیا، اس نے عین میدان کارزار میں دریائے سابرمتی کے کنارے ایک سوبیس جریب کا ایک باغ لگوایا، اس کے گرد نہایت مضبوط پختہ چاردیواری قائم کی اور باغ کے مناسب حال دریا کے کنارے شاندار عمارتیں بنوائیں، جہاں گیر نے اس باغ کی سیر کی ہے اور لکھا ہے:

"و بے تکلف سیرگاہ خوشے است یمکن کہ دو لک روپیہ خرچ شدہ باشد مرا خود خیلکے دراو فتاد تواں گفت کہ در تمام گجرات مثل ایں باغ بنا شد"۔(۴)

اکبر کی حرم محترم میں مریم زمانی کے حکم سے بھی ایک باغ اور باؤلی تیار ہوئی تھی۔(۵)

اکبر ہی کے زمانے میں علی عادل شاہ نے شہر بیجاپور کے گرد فصیل کھنچوائی تو حصار شہر

---

(۱) آئین اکبری، ج۱،ص۶۵۔(۲) ایضاً، ج۲،ص۱۵۲۔(۳) مآثر الامراء، ج۲،ص۵۶۵۔(۴) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص۲۱۶۔(۵) ایضاً، ص۲۶۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر بڑے بڑے تین باغ لگوائے، چونکہ ان میں ایک باغ چھوٹے چھوٹے بارہ باغوں کو ملا کر بنایا گیا تھا، اس لیے اس کا نام باغ دوازدہ امام رکھا گیا، بقیہ دو باغ، باغ علوی اور باغ علی کے نام سے موسوم ہوئے، بادشاہ کی تقلید میں امراء اور ارکان دولت نے بھی آرائش اور سیر کے لیے اپنے اپنے گھروں کے متصل باغات لگوائے اور اطراف شہر میں بھی نہایت کثرت سے باغ لگوائے گئے، جن میں ہر قسم کے گرم سیر اور سرد سیر میوے پیدا ہوتے تھے۔(۱)

اکبر کے بعد جہاں گیر کا دور حکومت شروع ہوا تو اس نے متعدد باغ لگوائے، کشمیر میں ایک چشمہ تھا، جس کا پانی نہایت صاف وشفاف تھا، جہاں گیر نے اس کے گرد ایک باغیچہ تیار کروایا اور محل اور مکانات تعمیر کروائے اور اس طریقہ سے خود اس کے الفاظ میں:

''جائے مرتب گشتہ کہ رونده ہائے ربع مسکون مثل آن کم نشان دہند''۔(۲)

باغ نکودر: سلاطین تیموریہ کے یہاں دستور تھا کہ سال میں ایک بار اپنا وزن کراتے تھے اور اپنے ہم وزن سونا چاندی خیرات کرتے تھے، ایک بار اسی رقم سے اکبر نے شیخ ابوالفضل کو ۲۰ ہزار روپے دیے کہ سلطان پور اور نکودر کے درمیان جو دریا واقع ہے، اس پر پل باندھ کر ایک آبشار بنوا دیا جائے، ایک بار اس راستے سے جہاں گیر کا گذر ہوا تو اس نے اس منظر کے حسن و جمال میں اور بھی اضافہ کیا اور نکودر کے جاگیردار معز الملک کو اس پل کے پاس ایک عمارت اور باغیچہ بنانے کا حکم دیا کہ آنے جانے والوں کے لیے موجب مسرت ہو۔(۳)

باغ نور منزل: ان چھوٹے چھوٹے باغچوں کے علاوہ اس کے زمانے میں چند بڑے بڑے باغ بھی تیار ہوئے، چنانچہ ایک موقع پر تزک میں لکھتا ہے کہ ''چونکہ باغ نور منزل اور ان عمارتوں کی تعریف جو حال میں تیار ہوئی ہیں، میرے سامنے بار بار کی گئی، اس لیے میں نے دوشنبہ کے روز روانہ ہو کر باغ بوستان سرا میں اقامت کی، اس کے بعد سہ شنبہ کا دن اس باغ میں عیش وفراغت کے ساتھ گذار کر باغ نور منزل میں آیا، یہ باغ الھنی گز سے

---

(۱) بساتین السلاطین، ص ۱۱۲۔ (۲) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۴۲۔ (۳) ایضاً، ص ۶۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین سو تیس جریب کا ہے اور اس کے ارد گرد اینٹ اور چونے کی چوڑی اور بلند مضبوط چار دیواری قائم کی گئی ہے، باغ کے درمیان شاندار عمارتیں، پرتکلف نشیمن گاہ اور عمدہ حوض بنائے گئے ہیں، دروازے کے باہر ایک بڑا کنواں بنوایا گیا ہے کہ ۳۲ جوڑ بیل برابر اس سے پانی کھینچتے ہیں اور باغ کے درمیان ایک شاہ جو نکالی گئی ہے، جس کا پانی حوضوں میں گرتا ہے، اس کے علاوہ اور چند کنوئیں ہیں کہ ان کا پانی حوضوں اور چمنوں میں تقسیم ہوتا ہے، طرح طرح کے فواروں اور آبشاروں سے اس باغ کو زینت دی گئی ہے، باغ کے عین وسط میں ایک تالاب ہے جو بارش کے پانی سے بھرتا ہے، اگر کبھی سخت گرمی کے زمانے میں اس کا پانی کم ہو جاتا ہے تو کنوئیں کے پانی سے بھرا جاتا ہے، تاکہ ہمیشہ لبریز رہے، تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ اب تک باغ پر صرف ہو چکا ہے اور ابھی تک ناتمام ہے اور خیابان بندی اور نخل بندی میں بہت سا روپیہ صرف ہوگا، ممکن ہے کہ تمام مصارف کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ جائے۔(۱)

عہد جہاں گیری کے باغات: جہاں گیر کے زمانے میں اور بھی متعدد باغ موجود تھے، جن کا ذکر اس نے تزک میں کیا ہے، چنانچہ آگرہ کے ذکر میں ایک موقع پر لکھتا ہے کہ ''اناس جو فرنگی بندروں میں ہوتا ہے، نہایت خوشبودار اور لذیذ میوہ ہے اور آگرہ کے باغ گلفشاں میں ہر سال کئی ہزار کی تعداد میں پھلتا ہے''، صندل کے درخت نے جو مخصوص طور پر جزائر میں ہوتا تھا، باغوں میں نشو ونما پائی (۲) لیکن باغ گل افشاں کے سوا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ باغ کس کے بنوائے ہوئے تھے، سلسلۂ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اکبری دور کی یادگار تھے، کیونکہ اس نے ان کا ذکر ان میوؤں کے سلسلے میں کیا ہے، جو دور اکبری میں ولایت سے آئے لیکن ممکن ہے کہ ان میں خود جہاں گیر کے بنوائے ہوئے باغ بھی شامل ہوں، جہاں گیر کے عہد حکومت میں بعض امراء نے بھی نہایت عمدہ اور وسیع باغ تیار کیے، چنانچہ کرانہ میں مقرب خان نے متعدد باغات بنوائے تھے، جن میں ایک باغ کی سیر جہاں گیر

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۶۶ ۔(۲) ایضاً، ص ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کی ہے اور تزک میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ ''جمعہ کے دن پرگنہ کرانہ میں نزول اجلال ہوا، یہ پرگنہ مقرب خان کا وطن ہے اور اس کی آب و ہوا معتدل اور زمین عمدہ ہے، مقرب خان نے وہاں باغات لگوائے ہیں اور عمارتیں بنوائی ہیں، چونکہ اس کے باغ کی تعریف بار بار سن چکا تھا، اس کے سیر کا شوق ہوا اور سنیچر کے روز اہل حرم کے ساتھ اس کی سیر سے محظوظ ہوا، بلا مبالغہ نہایت عمدہ باغ ہے، اس کی پختہ چار دیواری اور خیابانوں کا رقبہ ایک سو چالیس بیگہ ہے، باغ کے درمیان ایک حوض ہے اور حوض کے درمیان ایک صفہ ماہتابی، ولایت میں جو میوہ دار درخت ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی گرم سیر اور سرد سیر درخت ایسا نہیں جو اس باغ میں نہ ہو، یہاں تک کہ پستہ کا درخت بھی ایسے موزوں قامت سرو نظر آئے جو اب تک نظر سے نہیں گذرے تھے، میرے حکم سے ان کو گنا گیا تو ۳۰۰ درخت شمار میں آئے، حوض کے اطراف میں مناسب عمارتیں بنائی گئی ہیں اور ابھی تک کام جاری ہے'' (۱)، صاحب مآثر الامراء نے بھی اس باغ کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے آموں کی بڑی تعریف کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

''وانبہ خوب ہر جا شنید از گجرات و دکن تخم آن آوردہ کاشت، چنانچہ تا حال در شاہ جہاں آباد بخوبی انبہ کیرانہ انبہ ہیچ جائی رسد''۔ (۲)

شالامار باغ لاہور: سلاطین تیموریہ میں اس حیثیت سے شاہ جہانی عہد حکومت خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں عمارات کے ساتھ لاہور اور کشمیر میں نہایت عمدہ باغ تیار ہوئے، چنانچہ شاہ جہاں نے لاہور میں ایک نہر کھدوائی تو اس کے کنارے، اطراف شہر میں جو پست و بلند جگہیں تھیں، ایک باغ بنوایا، جس میں متعدد حوض، نہریں، آبشار اور فوارے تھے اور آٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے خلیل اللہ خان کے اہتمام میں تیار ہوا تھا، اس باغ کا نام شالامار باغ ہے، جو آج بھی موجود ہے اور صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ:

(۱) تزک جہانگیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۸۶۔ (۲) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۳۸۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''الحق بدین کیفیت وخصوصیت باغ در ہندوستان نیست

اگر فردوس بر روے زمین است ہمین است وہمین است وہمین است''(۱)

کشمیر میں اس نے جو باغات تیار کرائے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

فرخ بخش: پہلے اس کا نام شالا مار تھا، بعد کو فرح بخش نام رکھا گیا۔

فیض بخش: باغ فرح بخش کے عقب میں بنایا گیا تھا اور اس میں ایک شاہ نہر، بہ کثرت فوارے اور متعدد عمارتیں تھیں۔

نورافزا: اس میں نہایت کثرت سے پھل پیدا ہوتے تھے، بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ جہاں گیر کے عہد حکومت میں کشمیر میں شاہ آلو کے درخت کم پیدا ہوتے تھے لیکن شاہ جہاں کے زمانے میں بہ کثرت پیدا ہونے لگے۔

بحرارا: جھروکہ درشن کے مقابل میں واقع ہے۔

کشمیر میں یہ تمام باغ تو خود شاہ جہاں نے تیار کرائے تھے لیکن متعدد باغ اور بھی تھے، جن کو اگرچہ خود شاہ جہاں نے تیار نہیں کرایا تھا لیکن وہ اس سے متعلق تھے، چنانچہ ان کے نام یہ ہیں:

نورافشان: اس کو جہاں گیر کے زمانے میں نور جہاں نے بھٹ کے کنارے بنوایا تھا۔

باغ صفا: صفاپور کے تالاب کے کنارے تیار ہوا تھا، ایک اور باغ تھا جس کو جواہر خان خواجہ سرا نے جہاں گیر کے عہد میں ڈل کے درمیان بنوایا تھا۔

باغ شاہ آباد: محمد قلی ترکمان نے اپنے عہد حکومت میں بنوایا تھا، زمانہ شاہزادگی میں شاہ جہاں کے باغات خاصہ میں داخل ہوا اور بعد کو داراشکوہ کو دیا گیا۔

باغ مراد: ڈل کے درمیان واقع تھا اور شاہزادہ مراد بخش کو مرحمت ہوا تھا۔

باغ نشاط: یمین الدولہ نے ڈل کے جنوب رخ بنوایا تھا۔

---

(۱) مآثر الامراء، ج۲، ص۸۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغ نسیم و باغ افضل آباد: پھلا باغ اعظم خان نے اور دوسرا علامی افضل خان نے ڈل کے شمال رخ بنوایا تھا، یہ دونوں باغ پہلو بہ پہلو واقع تھے اور دونوں میں نہایت کثرت سے پھول اور عمدہ میوے تیار ہوتے تھے، ان ہی کے متصل سیف خان کا بھی ایک نہایت سرسبز اور شاداب باغ تھا۔

باغ ظفر خان: تالاب جدی بل (زیڈی بل) کے کنارے تیار کیا گیا تھا، چونکہ طول شہر میں واقع تھا، اس لیے شاہ جہاں نے اس کا نام باغ طولانی رکھا۔

باغ الھنی: میرزا یوسف خان نے اپنے عہد حکومت میں بنوایا تھا، اس میں ایک نہر جاری تھی اور وسط باغ میں ایک چبوترہ اور ایک حوض تھا، شاہ جہاں کے حکم سے نہر کے کنارے ایک چبوترہ بھی بنوایا گیا۔

باغ فیروز خان: دریائے بھٹ کے کنارے واقع تھا۔

باغ خدمت خان: جزیرہ ڈل میں واقع تھا۔

ان باغوں کے علاوہ اور بھی بہت سے باغ تھے جن کو امرائے شاہ جہانی نے کشمیر میں تیار کرایا تھا، چنانچہ بادشاہ نامہ میں ہے:

> ''سخن کوتاہ بسیارے از منتسبان ایں درگاہ آسمان جاہ از امراء و خدمت گار دریں سرزمین نشاط آگیں درخور مرتبہ و استعداد باغہا ساختہ اند''۔(۱)

شاہ جہاں کے عہد حکومت میں کشمیر کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی متعدد امراء نے باغات لگوائے جن کا اجمالی ذکر ان کے حالات میں آتا ہے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء احمد خان نیازی کے حال میں لکھتے ہیں:

> ''چوں پدرش اشتی برارراوطن قرار دادہ مدفن خود ساخت مشار الیہ در آبادی قصبہ کوشیدہ طرح باغ انداخت''۔(۲)

---

(۱) ان باغوں کے تفصیلی حالات بادشاہ نامہ ج ا ص ۲۴ تا ۲۹ میں مذکور ہیں۔ (۲) مآثر الامراء، ج ا ص ۱۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک عنبر کے متعلق لکھتے ہیں:

"موضع کھر کی پنج کردھی دولت آباد را (کہ الحال بہ خجستہ بنیاد اورنگ آباد موسوم است) باحداث تالاب وطرح باغ وعمارات عالیہ معمورہ عظیم ساخت"۔(۱)

امرائے شاہ جہانی میں ایک شخص الہ وردی خان تھا، جس نے دلی میں ایک سرائے اور باغ بنوایا تھا۔(۲)

اس کے بعد عالم گیر کا دور حکومت شروع ہوا تو غالباً اس طرف کم توجہ کی گئی، اس لیے تاریخوں میں عالم گیر اور امرائے عالم گیر کے بنائے ہوئے باغوں کا پتہ نہیں چلتا، البتہ کشمیر کے بعض چشمے اس کے شہزادوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے گرد باغ اور عمارتیں تھیں، مثلاً چشمہ سار آصف آباد شہزادہ محمد معظم شاہ کی تیولداری میں تھا اور اس چشمہ کی نسبت عالم گیر نامہ میں لکھا ہے:

"مشتمل است برعمارات عالی دل نشیں وحیاض وریاض فیض آئین"۔

باغ زیب النساء: ایک اور چشمہ جس کا نام احول تھا، زیب النساء کی جاگیر میں تھا، اس میں بھی ایک باغ تھا، چنانچہ عالم گیر نامہ میں ہے:

"باغ خوش دبستان سرائے دلکش دارد"۔(۳)

علامہ شبلی مرحوم نے زیب النساء کے حال میں لکھا ہے کہ یہ باغ زیب النساء نے تیار کرایا تھا لیکن جو عبارت ہم نے نقل کی ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ یہ باغ زیب النساء ہی نے تیار کرایا ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دوسرے تیموری سلاطین کے عہد میں بنا ہو لیکن بہرحال یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور عالم گیر کے بعد دوسرے بادشاہوں کے زمانے میں بھی عمدہ عمدہ باغ لگوائے گئے، مثلاً محمد شاہ بادشاہ کے امراء میں امین الدین خان سنبھلی

---

(۱) مآثر الامراء، ج۳، ص۹۔ (۲) ایضاً، ج۱، ص۲۱۵۔ (۳) عالم گیر نامہ، ص۸۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے وطن سنبھل میں ایک نہایت عمدہ باغ لگوایا (۱)، عالمگیر ثانی کے زمانے میں ایک نومسلم صوبہ دار سکجیون نے کشمیر کے تمام بزرگوں کے مزارات اور باغات کی ترمیم و اصلاح کرائی (۲)، شجاع الدولہ نے جو صوبہ اوڑیسہ کا ناظم تھا، دریائے بھاگرتھی کے کنارے دوپاڑہ میں ایک ایسا عمدہ باغ لگویا، جس کی نسبت مشہور تھا کہ پریاں اس کے گل گشت وتماشا کے لیے اترتی ہیں اور تالابوں میں غسل کرتی ہیں (۳)، ایک اور امیر نے بکندھیلی کے قریب ایک مرغزار خریدا اور اس میں ایک باغ بنوایا اور اس سے الگ مستقل ایک باغ میں ناریل کے درخت لگوائے، اگرچہ زمانے کی نامساعدت سے وہ اس کی خواہش کے مطابق تیار نہ ہوسکا تاہم صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے:

''الآن وفور نارجیل سبز دران معمورہ از ہمان جاست''۔(۴)

باغوں کے لگانے کے محرکات واسباب: ان باغوں کے لگانے کے مختلف محرک و اسباب تھے:

۱۔ زرعی پیداوار کی ترقی اور کسانوں کی حوصلہ افزائی: اسی لیے سلطان محمود بیگڑہ اس معاملے میں رعایا کے ساتھ رعایتیں کرتا تھا اور سلاطین تیموریہ نے باغوں کی مال گذاری معارف کردی تھی، چنانچہ جہاں گیر نے اس کے متعلق تزک میں یہ مشہور قصہ لکھا ہے کہ ''ایک بار ایک بادشاہ گرمی کے زمانے میں ایک باغ کے دروازے پر گیا اور باغبان سے دریافت کیا کہ اس باغ میں انار ہے؟ اس نے جواب اثبات میں دیا، تو آب انار کا ایک پیالہ طلب کیا، باغبان کی لڑکی نہایت تمیز دار تھی، اس نے سلیقہ کے ساتھ پیالہ پیش کیا، اس کے بعد اس نے باغبان سے دریافت کیا کہ اس باغ سے تمہاری سالانہ آمدنی کیا ہوتی ہے؟ اس نے کہا ''تین سو دینار''، پھر پوچھا کہ ''سرکاری مال گذاری کیا دیتے ہو؟''، اس نے کہا کہ

(۱) مآثر الامراء، ج۱، ص ۳۵۸۔ (۲) ایضاً، ج۲، ص ۱۷۔ (۳) ریاض السلاطین، ص ۲۹۲۔ (۴) مآثر الامراء، ج۲، ص ۷۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہمارا بادشاہ صرف زراعت سے عشر لیتا ہے، درختوں کی پیداوار سے کچھ نہیں لیتا"، اس وقت بادشاہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میرے ملک میں بہ کثرت باغ اور درخت ہیں، اگر باغ کی پیداوار سے بھی عشر لیا جائے تو بہت سا روپیہ ملے اور رعایا کو بھی بہت زیادہ نقصان نہ پہنچے، چنانچہ اس کے بعد باغوں پر بھی مال گذاری لگانے کا ارادہ کرلیا، پھر تھوڑا سا آب انار طلب کیا لیکن اب کی لڑکی گئی تو دیر میں آئی، اس پر بادشاہ نے کہا کہ "پہلی بار تم جلد آئی تھیں اور آب انار زیادہ لائی تھیں لیکن اب کی بار دیر میں آئیں اور آب انار کم لائیں، لڑکی نے جواب دیا کہ "پہلی بار ایک انار سے پیالہ بھر گیا تھا لیکن اب کی بار میں نے پانچ چھ انار نچوڑے اور اتنا عرق نہ نکلا"، اس پر بادشاہ متعجب ہوا تو باغبان نے عرض کیا کہ "بادشاہ کی نیک نیتی سے پیداوار میں برکت ہوتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ بادشاہ ہیں، جس وقت آپ نے مجھ سے باغ کی پیداوار دریافت کی، آپ کی نیت بدل گئی، اس لیے میوہ کی برکت جاتی رہی"، بادشاہ پر اس کا اثر پڑا اور پہلا خیال دل سے نکال دیا، پھر آب انار طلب کیا تو لڑکی گئی اور نہایت مسرت کے ساتھ ایک لبریز پیالہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا، بادشاہ نے باغبان کے فراست کی تعریف کی اور اصل واقعہ کو ظاہر کردیا، اس قصہ کو لکھ کر جہاں گیر لکھتا ہے:

"ہرگاہ ہمگی ہمت ونیت سلاطین معدلت آئین مصروف ومعطوف
برآسودگی خلق ورفاہیت رعایا باشد ظہور خیرات ومحصول زراعت وباغات
مستبعد نیست، وللہ الحمد کہ دریں دولت ابد قرین برسر درختے ہرگز محصول
رسم نبودہ است ونیست ودر تمام ممالک محروسہ یکدام ویکجہ بایں صیغہ داخل
خزانہ عامرہ ودواصل دیوان اعلیٰ نمی شود بلکہ حکم است کہ ہرکس در زمین
مزروعی باغ سازد حاصل آن معاف باشد"۔(۱)

۲۔ سیر وتفریح اور آرائش وزیبائش: اسی لیے امراء وارکان دولت اپنے مکانات

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۵۳، ۲۵۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گرد باغ لگواتے تھے، چنانچہ بساتین السلاطین میں ہے:

"وامراء وارکان دولت ہر کدام متصل بخانہائے خود بہ قصد سیر و آرائش باغہا ساختند"۔(۱)

اس قسم کے باغ غالباً تمام امراء کے مکانات کا لازمی جزو ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ باغ وعمارت لازم وملزوم ہو گئے تھے،اس سے زیادہ ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ پبلک کی سیر وتفریح کا سامان بھی مہیا کیا جائے اور سلاطین اسلام نے اس مقصد سے بھی باغات لگوائے تھے، چنانچہ جہاں گیر نے ایک پل کے پاس ایک عمارت اور باغچہ بنانے کا حکم دیا تو اس کا مقصد یہ بتایا کہ:

"آیندہ وروندہ از دیدن آن محظوظ شوند"۔

پبلک کی سیر وتفریح کے لیے تمام صوبوں میں اس قسم کے بڑے بڑے شاہی باغ بنے ہوئے تھے اور جو لوگ پبلک کو ان کے سیر وتماشا سے محروم رکھتے تھے، مستحق ملامت ہوتے تھے، چنانچہ خافی خان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"ودیگر بنائے بدعت بدعاقبتی این گذاشت کہ سابق دروازہائے باغہائے بادشاہی کہ محض برائے تفرج وفیض خاص وعام موضوع است بر روئے عالم مفتوح بود، محرم خان فرمود کہ باغات صوبہ جات ہمیشہ مقفل نگاہ دارند مردم را از سیر وتماشا محروم ساخت مگر جمعے کہ چیزے بنگاہ بانہائے باغ بدہند تملق نمایند در بر روئے آنہا کشادہ گردد

نیکوان رفتند سنتہا بماند ظالمان رفتند و لعنتہا بماند"(۲)

۳۔ دیہاتوں اور قصبوں کی رونق وآبادی: چنانچہ بعض دیہاتوں اور قصبوں کے متعلق ہم نے اوپر مآثر الامراء کی جو عبارت نقل کی ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن امراء نے

---

(۱) بساتین السلاطین، ص ۱۱۲۔ (۲) خافی خان، حصہ ۲، ص ۴۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دیہاتوں اور قصبوں میں باغات تیار کرائے تھے، ان سے ان کا مقصد ان کی آبادی کی رونق اور وسعت میں اضافہ کرنا تھا لیکن چونکہ مسلمان امراء و سلاطین نے نہایت کثرت سے دیہات، قصبات بلکہ بڑے بڑے شہر آباد کیے تھے، اس لیے گو مورخین نے تصریح نہیں کی تاہم قیاس یہ ہے کہ ان میں بھی بڑے بڑے باغ تیار کیے گئے ہوں گے۔

۴۔ سیر و شکار کے زمانے میں قیام و آسائش: سکندر لودی نے اسی غرض سے آگرہ سے دھول پور تک بہت سے باغ اور محل تیار کروائے تھے، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"و درین سال از آگرہ تا دھولپور فرمود تا جابجائے قصر و عمارت و باغ بنا کنند کہ از شکارگاہ آمدہ درآنجا توقف و آسائش فرماید"۔(۱)

۵۔ مقبروں کی زینت و رونق: غالباً اس قسم کے باغ تمام امراء و سلاطین، بلکہ بزرگان دین کے مقبروں کا جزو لازمی تھے، جہانگیر اکبر کے مقبرے کی نسبت لکھتا ہے:

"و باغ در غایت صفا بر دور عمارت مقبرہ منورہ ترتیب یافت"۔(۲)

ابوالفضل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے پہلے ہی سے عمدہ مقامات کا انتخاب کر لیا جاتا تھا اور باغات تیار کر لیے جاتے تھے، چنانچہ وہ دلی کے متعلق لکھتا ہے:

"و بسا زندگان برائے خواب واپسین دل گزین جاہا و باغہا بر ساختہ اند"۔(۳)

ان مقاصد کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ تاریخوں میں اگرچہ صرف چند مخصوص باغوں کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں نے جو باغات تیار کرائے تھے، ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) خافی خان، حصہ ۱، ص ۳۲۱۔ (۲) تزک جہانگیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۷۳۔ (۳) آئین اکبری، ج ۲، ص ۱۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی حیوانات

از: مولانا عبدالسلام ندوی

مختلف ممالک کے مختلف قسم کے عجیب وغریب جانوروں کا جمع کرنا، اگرچہ ایک تفریحی مشغلہ ہے، تاہم یہ تمدنی ترقی کی ایک دلیل ہے اور بعض اوقات اس سے بڑے بڑے تمدنی فوائد حاصل ہوتے ہیں، آج بھی یہ تمدنی مشغلہ نہایت وسیع پیمانے پر جاری ہے اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جانوروں کے عظیم الشان عجائب خانے قائم ہیں اور سلاطین اسلام نے بھی ہندوستان میں یہ تمدنی خدمت انجام دی ہے اور مختلف قسم کے جانور اس کثرت سے جمع کیے تھے کہ جانوروں کے زندہ عجائب خانے کی شکل قائم ہوگئی تھی۔

سب سے پہلے اس قسم کے عجائب خانے کا پتہ سلطان غیاث الدین بلبن کے دور حکومت میں چلتا ہے، کیونکہ سلطان غیاث الدین بلبن کو شکار کا نہایت شوق تھا اور اسی شوق کے سلسلے میں اس نے نہایت کثرت سے عجیب وغریب، خوش رنگ، خوبصورت، خوش الحان اور شکاری جانور جمع کیے تھے، چنانچہ سیر المتاخرین میں ہے:

> ”وسلطان را با جانوران رنگین زیبا وخوش خوانان نغمہ سرا وطیور شکاری دیوزوسیاہ گوش امثال ذلک رغبت بسیار بود، وازین حین حیوانات نادرہ بسے بہم رسانیدہ“۔(۱)

فیروزشاہی عہد: سلطان فیروزشاہ تغلق کو بھی شکار کا نہایت شوق تھا اور اس نے نہایت

(۱) سیر المتاخرین، ص ۱۱۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کثرت سے شکاری جانور جمع کیے تھے، ان کے علاوہ بعض عجیب وغریب انسان اور جانور اور پرند بھی اس کے دربار میں بھیجے جاتے تھے اور لوگ ان عجائبات کے تماشے سے محظوظ ہوتے تھے، چنانچہ لوگوں نے اس کی خدمت میں ایک نہایت پست قد کا آدمی جس کو بونا کہتے ہیں پیش کیا اور وہ اس کے حکم سے دہلی اور فیروزآباد میں چند دنوں تک رکھا گیا اور لوگ اس کے تماشے سے محظوظ ہوئے۔

اس کے برعکس دو آدمی سرزمین جاپہار سے آئے جو اس قدر دراز قامت تھے کہ لمبے سے لمبے آدمی ان کی کمر تک پہنچتے تھے اور جب وہ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک منارہ حرکت کررہا ہے، بادشاہ کے حکم سے انہوں نے بھی چند دنوں تک شہر میں قیام کیا اور لوگ ان کا تماشا دیکھتے رہے۔

دو عورتیں بھی آئیں جو گھنی داڑھی رکھتی تھیں اور ان کے شوہر بھی تھے۔

عجیب وغریب جانوروں میں ایک بکری، ایک کوا، ایک سفید طوطی، ایک مچھلی اور دو گائیں، اس کی خدمت میں پیش کی گئیں، جن کا تماشا لوگ دیکھتے رہے، بکری کے صرف تین پاؤں تھے یعنی آگے کے دونوں دست اور پیچھے کا ایک پاؤں، باقی دوسرے پاؤں کی جگہ گائے کے تھن کی شکل کا گوشت نظر آتا تھا لیکن باوجود تین پاؤں کے وہ اچھی طرح چلتی پھرتی اور کھاتی پیتی تھی، چند دنوں تک یہ بکری دربار شاہی کے سامنے بندھی رہی، بلکہ فیروزآباد کے محل میں رکھی گئی تاکہ لوگ آکر قدرت الٰہی کا تماشا دیکھیں۔

کوے کا تمام بدن سیاہ تھا لیکن اور کوؤں کے برخلاف اس کی چونچ اور اس کے پاؤں سرخ تھے، یہ کوا بھی چند دنوں تک دربار شاہی کے سامنے رکھا گیا، اس کے برعکس طوطی کا تمام بدن تو سفید تھا، صرف چونچ اور پاؤں سیاہ تھے، یہ طوطی بھی لوگوں کے دیکھنے کے لیے کوشک نزول میں رکھا گیا۔

مچھلی کا صرف سر لایا گیا تھا، جو ہاتھی کے سر کے برابر تھا، یہ سر بھی چند دنوں دربار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے رکھا گیا۔

دونوں گایوں میں سے ایک گائے کے پانچ پاؤں تھے، چار پاؤں تو معمولی تھے، بقیہ پانچواں پاؤں گردن سے نکل کر شانے تک لٹکتا تھا لیکن بالکل بیکار تھا، دوسری گائے کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے دونوں آگے کے پاؤں کی کُھریں گھوڑے کی طرح تھیں، یعنی ان کے بیچ میں شگاف نہ تھا، بقیہ دونوں پیچھے کے پاؤں کے کُھریں معمولی گائے کی طرح تھیں۔(۱)

عہد سلطان زین العابدین: مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کے بیرونی ممالک سے تعلقات بہت کم تھے، اس لیے ہندوستان میں غیر ملکوں کے جانور نہیں آتے تھے اور یہاں کے باشندوں کو دنیا کے عجیب وغریب جانوروں کی خصوصیات سے واقف ہونے کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن سلاطین اسلام کے زمانے میں بیرونی دنیا سے وسیع پیمانے پر تعلقات پیدا ہوئے اور اس بنا پر مختلف ممالک کے جانور بھی ہندوستان میں آنا شروع ہوئے، چنانچہ سلطان زین العابدین کشمیری کی شہرت جب اقصائے عالم میں پھیلی تو اس کے معاصر بادشاہوں کے دل میں اس کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور خاقان سعید ابوسعید شاہ نے خراسان سے اس کی خدمت میں تیز رو عربی گھوڑے، اعلیٰ قسم کے خچر اور قوی ہیکل اونٹ ہدیۃً بھیجے اور سلطان نے بھی اس کے صلے میں زعفران، کاغذ، مشک، عطر، گلاب، سرکہ، شال، بلورین پیالے اور کشمیر کی دوسری نادر چیزیں روانہ کیں۔

اس سلسلے میں تبت کے راجہ نے دو نادر اور خوبصورت پرند جن کو راج ہنس کہتے تھے، سلطان کی خدمت میں بھیجے، ان پرندوں کی خاصیت یہ تھی کہ پانی میں دودھ ملا کر ان کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا اور وہ دودھ کے اجزاء کو پی جاتے تھے اور پانی کو چھوڑ دیتے تھے، اس سے پہلے ان پرندوں کی یہ خاصیت صرف سنی جاتی تھی لیکن سلطان کو بہ چشم خود دیکھ لینے سے اس کا یقین آ گیا۔(۲)

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، ص ۳۸۴ تا ۳۸۸۔ (۲) فرشتہ، ج ۲، ص ۳۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالوہ کے حکمران کی دلچسپی: مالوہ کا بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی ایک عیش پسند بادشاہ تھا اور شکار کا نہایت شوق رکھتا تھا، اس غرض سے اس نے جانوروں کے بہ کثرت عجائب خانے جن کو آہو خانہ کہتے تھے، قائم کیے تھے اور ان میں طرح طرح کے جانور اور طرح طرح کے پرند جمع کیے تھے اور ان میں عورتوں کے جھرمٹ میں سوار ہو کر شکار کیا کرتا تھا، ہمارے مورخین اس کو ایک سادہ لوح بادشاہ کہتے ہیں اور اس کی سادہ لوحی کے متعلق یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص اس کے پاس ایک گدھے کی سم لایا اور کہا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کی سم ہے، سلطان نے اس کو پچاس ہزار تنکہ سیاہ پر خرید لیا، اس کے بعد دو تین شخص اور بھی اسی قسم کی سم لائے اور اسی قیمت پر فروخت کر گئے، آخر میں ایک اور شخص اسی قسم کی سم لایا اور بادشاہ نے اس کو بھی اسی قیمت پر خریدنا چاہا لیکن مقربان سلطنت میں سے ایک شخص نے کہا کہ شاید حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کے پانچ پاؤں تھے لیکن بادشاہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہی اصلی سم ہو، یا یہ کہ ان میں سے کسی نے غلطی کی ہو۔

ممکن ہے کہ یہ اس کی سادہ لوحی ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو عجیب وغریب جانوروں کے جمع کرنے کا جو شوق تھا، اسی سلسلہ میں اس نے ان سموں کی خریداری کی ہو۔(۱)

گجرات کے سلاطین کی دلچسپی: سلطان محمود شاہ ثالث گجراتی کے اوصاف بالکل سلطان غیاث الدین خلجی سے ملتے جلتے تھے، سلطان غیاث الدین خلجی اگرچہ ایک مذہبی شخص تھا، تاہم اس کے ساتھ عیاشانہ زندگی بھی بسر کرتا تھا اور شکار کا شوق اسی زندگی کا ایک جزو تھا، سلطان محمود شاہ گجراتی بھی اسی قسم کا شخص تھا اور اس نے شکار کی غرض سے دریائے کھارندی کے کنارے ایک آہو خانہ قائم کیا تھا اور اس میں طرح طرح کے جانور چھوڑ رکھے تھے، جن میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم ہو گیا تھا اور اس وجہ سے ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی، اس آہو خانے کی چاردیواری سات کوس میں پھیلی ہوئی تھی اور جس قدر درخت اس چاردیواری کے

(۱) تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۲۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر تھے، سب پر سبز وسرخ مخمل لپیٹے گئے تھے، اس آہوخانے میں جو باغیچے لگائے گئے تھے، ان کی باغبانی عورتوں سے متعلق تھی اور سلطان ان کے ساتھ اس میں شکار اور چوگان کھیلتا تھا۔ (۱)

شہنشاہ اکبر کی دلچسپی: سیر وتفریح کے لیے مختلف قسم کے جانوروں کی فراہمی بھی اگرچہ ایک تمدنی مشغلہ ہے، تاہم اصلی تمدنی خدمت یہ ہے کہ غیر ممالک کے حیوانات کی نسلوں میں اضافہ کیا جائے اور ملکی جانوروں کی نسل کو ترقی وتربیت کے ذریعہ سے اعلیٰ تر بنا کر ملک کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا جائے، فرماں روایان اسلام میں تیموری دور حکومت میں اس کا سلسلہ اکبر کے زمانے سے شروع ہوا اور اس نے ایک ساتھ یہ دونوں تمدنی خدمتیں انجام دیں، ایک طرف تو اس نے سیر وتفریح کی غرض سے ایران، توران اور کشمیر کے تمام شکاری اور غیر شکاری جانور فراہم کیے (۲)، مختلف ممالک بالخصوص کابل کے نہایت عمدے کتے جمع کیے، جو زیوروں سے آراستہ کیے گئے اور ان کے نام رکھے گئے، یہ کتے شیروں سے لپٹ جاتے تھے اور ان کو زمین پر پچھاڑ دیتے تھے، ہرن سے ہرن کے شکار کرنے کی ابتداء اگرچہ سلطان فیروز خلجی نے کی تھی لیکن اکبر نے اس طریقہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس قسم کے شکاری ہرنوں کی ایک مستقل نسل تیار ہوگئی اور ایک ہرن نے ایک چیتے کا شکار کیا۔ (۳)

کبوتروں کی نسل کو بہت زیادہ ترقی دی، اکبر کے اس شوق کو دیکھ کر ایران اور توران کے بادشاہوں نے ہدیۃً کبوتر بھیجے اور سوداگر بھی بہ کثرت عمدہ عمدہ کبوتر لائے اور اکبر نے ان کبوتروں کی نسل اور ان کے اوصاف کو جس طرح ترقی دی، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱- قدیم زمانے میں صرف ایک ذات کے کبوتروں کے پیوند سے بچہ لیتے تھے، اکبر نے اس کی بنیاد اوصاف پر رکھی یعنی مختلف اوصاف کے کبوتروں کو پیوند دیا اور اس طریقہ سے عمدہ قسم کی نئی نئی نسلیں تیار ہوگئیں۔

۲- پہلے گیارہ یا اکیس کبوتر ایک ساتھ اڑائے جاتے تھے، اکبر کے زمانے میں

---

(۱) تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۲۲۸۔ (۲) آئین اکبری، ج ۳، ص ۴۶۔ (۳) ایضاً، ج ۱، ص ۱۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سوایک کبوتر ساتھ اڑنے لگے۔

۳- پہلے کبوتروں کے شناخت کی علامتیں بہت کم اور مشکل تھیں، اکبر نے بہت زیادہ علامتیں پیدا کیں جن سے کبوتروں کی شناخت میں آسانی ہوگئی۔

۴- رنگ کے اعتبار سے کبوتروں کے مختلف نام رکھے۔

دوسری طرف ملکی اور غیر ملکی جانوروں کی نسل کو ترقی دے کر ان کو ملک کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا، مثلاً ہاتھی ہندوستان کا ایک نہایت عام اور کارآمد جانور ہے لیکن اکبر سے پہلے اس کی نسل میں کوئی ترقی نہیں ہوسکتی تھی، کیونکہ ہندوستان کے لوگ ہاتھی سے بچہ لینا منحوس سمجھتے تھے لیکن اکبر کے زمانے میں ہاتھیوں سے بچے لیے گئے اور نحوست کا خیال دلوں سے دور ہوگیا، ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

''وپیشیان از خانگی نتاج برنگرفتے ونافرخ انگاشتے البقرمان گیتی
بچہ
خدیو گزین نژاد بر برگرفتند وآن خدک از دلہا برخاست''۔(۱)

اکبری دور سے پہلے ہندوستان میں عمدہ گھوڑے نہیں پیدا ہوتے تھے، اکبر کے شوق کو دیکھ کر عراق عرب، عراق عجم، روم، ترکستان، بدخشان، شروان، قرغز، تبت، کشمیر، توران، ایران اور دوسرے ممالک کے تاجر عمدہ عمدہ گھوڑے لائے اور اکبر نے اس تجارت کا نہایت عمدہ انتظام کیا اور لوگ ان گھوڑوں کی نسل کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ:

''دراندک فرصتے ہندوستان باج ستاں عرب آمد وبسیارے از عربی وعراقی جدا نتواتند کرد''۔(۲)

کشمیر اور دوسرے کوہستانی علاقوں کے گھوڑے جن کو گوٹ یا ٹانگن کہتے تھے، نہایت پست قد ہوتے تھے، اگرچہ حکام کے لیے کبھی کبھی تحفۃً غیر ممالک کے گھوڑے بھی

---

(۱) آئین اکبری، ج ا، ص ۸۶۔ (۲) ایضاً ص ۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آجاتے تھے لیکن ان کی نسل کے ترقی دینے کا کوئی انتظام نہ تھا، اکبر نے کشمیر میں اس کا خاص طور پر انتظام کیا اور گھوڑوں کی نہایت عمدہ نسلیں تیار ہو گئیں، چنانچہ جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

''پیش از عہد دولت حضرت عرش آشیانی (اکبر) مدار سواری مردم اینجا، بر گونٹ بود، اسپ کلان نمے داشتند، مگر از خارج اسپ عراقی و ترکی برسم تحفہ مہت حکام آوردندے، گونٹ عبارت از یابوے است چہار شانہ بزمین نزدیک در سائر کوہستان ہند بز فراوان می باشد بعد از انکہ این گلشن خدا آفرین بتائید دولت و یمن تربیت خاقان سکندر آئین رونق جادید یافت بسیارے از ایمافات را درین صوبہ جاگیر مرحمت فرمودہ گلہ ہاے اسپ عراقی و ترکی حوالہ شد کہ کرہ بچرہ بگرندو دراندک فرصت اسپان بہم رسیدہ''۔(۱)

خچر صرف پکھلی اور اس کے اطراف میں پیدا ہوتے تھے لیکن بڑے بڑے لوگ گدھے کی طرح ان کی سواری کو موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، اکبر کے زمانے میں عراق عرب اور عراق عجم وغیرہ سے بھی خچر آنے لگے اور لوگوں کو ان کی سواری سے عار نہ رہا اور بہترین خچر کی قیمت ہزار روپیہ تک پہنچ گئی۔(۲)

اونٹ اگرچہ اجمیر، جودھپور، ناگور، بیکانیر، جیسلمیر، بھٹنڈا، بھٹنیر، گجرات اور سندھ میں بہ کثرت پیدا ہوتے تھے لیکن ان کی عمدہ نسلوں کے پیدا کرنے اور ان کے ترقی دینے کا کوئی انتظام نہ تھا، اکبر نے اس کی طرف خاص توجہ کی اور اس قدر عمدہ نسلیں تیار ہو گئیں، جو غیر ممالک کے اونٹوں کا مقابلہ کرتی تھیں، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

''درین آباد بوم گزید سترگ چہرہ برافروخت واز تورانی وایرانی پیشی گرفت''۔(۳)

دوسرے موقع پر لکھتا ہے:

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۳۰۶۔ (۲) آئین اکبری، ج ۱، ص ۱۰۴۔ (۳) ایضاً، ص ۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''و بہ شاہی خواہش شتر را چنان نتاج بر گرفتند کہ از عراقی بختیان برگذشت''۔(۱)

جہاں گیری عہد: جہاں گیر نے اپنے دور حکومت میں اگرچہ اکبر کی طرح کارآمد جانوروں کی نسل کو کوئی خاص ترقی نہیں دی، تاہم اس نے اس سلسلے میں اکبر کے ادھورے کاموں کو پورا کیا، مثلاً چیتے کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جنگل کے سوا اور کہیں بچہ نہیں جنتا، اکبر نے اس خاصیت میں تبدیلی پیدا کرنا چاہی اور اس غرض سے ایک مدت تک ایک ہزار چیتوں کو یکجا رکھا اور بار ہا نر و مادہ کو ماغون میں آزاد چھوڑ دیا کہ نر مادہ سے جفت ہو لیکن اس میں کامیابی نہیں، جہاں گیر کے زمانے میں اس قدر تغیر ہوا کہ ایک چیتا مادہ سے جفت ہوا اور ڈھائی مہینے میں بچہ پیدا ہوا، جہاں گیر نے فخر یہ لکھا ہے کہ گرفتاری کے بعد شیر اور چیتے کبھی جفت نہیں ہوتے، لیکن میرے عہد حکومت میں صحرائی جانوروں کی وحشت چونکہ بالکل زائل ہو گئی ہے، اس لیے شیر اس قدر رام ہو گئے ہیں کہ بے قید و زنجیر قطار در قطار شہر میں چھوٹے پھرتے ہیں اور آدمیوں کو نہیں ستاتے، اتفاق سے ایک شیرنی حاملہ ہوئی اور تین مہینے کے بعد اس نے بچہ دیا، حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ جنگلی شیر گرفتاری کے بعد جفت ہو، چکور بھی میدان کے سوا اور کہیں بچہ نہیں دیتا، اکبر نے بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا لیکن جہاں گیر کے زمانے میں چکور نے انڈے دیے اور اس طرح دو سال کی مدت میں ساٹھ ستر بچے پیدا ہوئے (۲)، سارس کی نسبت بھی مشہور ہے کہ وہ گھروں میں انڈے بچے نہیں دیتا لیکن جہاں گیر کی سرکار میں سارس کا ایک جوڑا تھا، جس کا نام اس نے لیلیٰ مجنوں رکھا تھا، یہ دونوں باہم جفت ہوئے اور انڈے اور بچے دیے۔ (تزک جہاں گیری، ص ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۴)

کارآمد جانوروں میں وہ اصیل بکری کی نسل کے ترقی دینے اور پھیلانے کا بڑا خواہش مند تھا، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

---

(۱) آئین اکبری، ج ۳، ص ۶۔ (۲) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۱۴۔؟ (۳) ایضاً، ص ۱۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"و در فراہم آوردن یکہ مارخور و بزاصیل نہایت توجہ دارم و می خواہم کہ نتاج اینہا بسیار شود و در مردم انتشار یابد"۔(۱)

اکبر کے زمانے تک کبوتر صرف سیر و تفریح کے لیے اڑائے جاتے تھے لیکن جہاں گیر نے نامہ بر کبوتر تیار کرائے اور ان سے نامہ بری کا کام لیا، چنانچہ تزک میں لکھا ہے کہ میں نے پہلے روز ان کو مانڈو سے اڑایا تو معلوم ہوا کہ اگر بارش زیادہ ہوتی ہے، تو انتہا سے انتہا ڈھائی پہر میں بلکہ ڈیڑھ پہر میں برہان پور تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر ہوا صاف ہوتی ہے، تو اکثر کبوتر ایک ہی پہر میں یہ مسافت طے کر لیتے ہیں (۲)، لیکن زیادہ جہاں گیر کو عجیب وغریب جانوروں کے جمع کرنے کا شوق تھا اور اس پر وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا، چنانچہ ایک بار مقرب خان کو گوا میں بھیجا کہ وہاں کی نادر چیزیں خرید لائے، مقرب خان بے دریغ روپیہ صرف کر کے وہاں سے بہ کثرت نادر چیزیں لایا، جن میں چند عجیب وغریب جانور بھی تھے، چنانچہ جہاں گیر لکھتا ہے:

"از انجملہ جانورے چند آوردہ بسیار عجیب وغریب چنانچہ تا حال ندیدہ بودم بلکہ نام اورا کسے نمی دانست"۔

جہاں گیر نے ان عجیب وغریب جانوروں کی تصویریں کھنچوا کر جہاں گیر نامہ میں شامل کروائیں اور ان میں دو جانوروں یعنی پیرو اور ایک عجیب وغریب بندر کا حال تزک میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔(۳)

جہاں گیر کے اس شوق کو دیکھ کر لوگ نہایت عجیب وغریب جانور لاتے تھے اور اس کی خدمت میں پیش کرتے تھے، ایک بار راجہ نرسنگھ دیو نے سفید چیتا اس کی خدمت میں پیش کیا، جو کبھی اس کی نظر سے نہیں گذرا تھا، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے کہ اگرچہ جانوروں کی مختلف قسمیں سفید پیدا ہوتی ہیں لیکن اب تک سفید چیتا نہیں دیکھا گیا تھا، میں نے سفید رنگ

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۲۷۳۔ (۲) ایضاً، ص ۱۹۲۔ (۳) ایضاً، ص ۱۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جانوروں میں صرف شاہین، باشہ، شکرہ، کنجشک، کوا، بٹیر، تیتر، پودنہ، طاؤس، باز، چوہا اور چکارہ دیکھا ہے۔(۱)

ایک بار سراندیپ کا ایک درویش اس کی خدمت میں ایک نادر جانور لایا جس کو دیوتک کہتے تھے، جہاں گیر لکھتا ہے:

"روے پشت برہ کلاں مشابہت تمام دارد و ہیئت مجموعی او بہ میمون شبیہ است اما دم ندارد و حرکاتش بہ میمون سیاہ بے دم کہ بزبان ہندی بن مانس میگویند جثہ او برابر میمون بچہ دوسہ ماھہ باشد پنج سال پیش ایں درویش بودہ است معلوم شد کہ ازیں کلاں ترنمے شود، خورش او شیر است کیلہ ہم می خورد"۔

چونکہ یہ جانور جہاں گیر کو نہایت عجیب معلوم ہوا، اس لیے مصوروں کو حکم دیا کہ مختلف حرکات کے ساتھ اس کی تصویر کھینچیں۔(۲)

ایک بار لوگ اس کی خدمت میں شیردار ہرنی لائے، جو بے تکلف دودھ دوھنے دیتی تھی اور روزانہ چار سیر دودھ دیتی تھی، جہاں گیر نے لکھا ہے کہ اب تک میں نے دودھ دینے والی ہرنی نہیں دیکھی تھی، ہرنی اور گائے بھینس کے دودھ کے مزہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا(۳)، ایک بار ایک شخص نے اس کی خدمت میں ایک بدھی بکرا پیش کیا، جو بکری کی طرح تھن رکھتا تھا اور بقدر قہوہ کی ایک پیالی کے دودھ دیتا تھا۔(۴)

ایک بار ولایت زیرباد سے ایک پرندالا کر اس کی خدمت میں پیش کیا گیا، جس کی خاصیت یہ تھی کہ پانی بالکل نہیں پیتا تھا، کیونکہ پانی اس کے لیے زہر کا حکم رکھتا تھا اور تمام رات اُلٹا لٹک کر چہچے کرتا تھا، چنانچہ جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

"درین روز جانورے از ولایت زیرباد آوردہ بودند کہ رنگ اصل

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۶۷۔ (۲) ایضاً، ص ۶۹۔ (۳) ایضاً، ص ۷۱۔ (۴) ایضاً، ص ۷۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدن او موافق برنگ طوطی است لیکن در جثہ از وکوچک تر است یکے از خصوصیات ایں جانور آن است کہ تمام شب پائے خودرا بر شاخ درختے و یا چوبے کہ او را بران نشانیدہ باشند بند کردہ خود را سر شیب مے سازد و با خود زمزمہ می کند، آب مطلق نے خورد و در طبیعت او کار زہری کند"۔(۱)

ایک بار پہلوان بہاء الدین برق انداز نے ایک لنگور کے بچے کو ایک بکری کے ساتھ پیش کر کے عرض کیا کہ میرے ایک توپچی نے ایک لنگور کی مادہ کو جو سینے سے اپنے بچے کو لپٹائے ہوئے تھی بندوق کا نشانہ بنایا، بندوق چلنے کے ساتھ ہی اس نے بچے کو سینے سے الگ کر کے ایک شاخ پر چھوڑ دیا اور خود زمین پر گر کر مر گئی، اسی اثنا میں میں پہنچ گیا اور بچے کو شاخ سے اتار کر دودھ پلانے کے لیے اس بکری کے پاس لے گیا، خدا نے بکری کو اس پر مہربان کر دیا اور باوجود عدم جنسیت کے باہم دونوں میں اس قدر محبت ہوگئی ہے کہ گویا یہ بچہ بکری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، جہاں گیر نے یہ سن کر حکم دیا کہ بچے کو بکری سے جدا کر لیں، بچے کے جدا ہونے کے ساتھ ہی بکری نے چلانا شروع کیا اور لنگور کا بچہ بھی بے قرار ہوگیا، جہاں گیر اس واقعہ کے بعد لکھتا ہے کہ دودھ پینے کی غرض سے لنگور کے بچے کی محبت چنداں تعجب انگیز نہیں، البتہ بکری کی محبت بہت زیادہ حیرت انگیز ہے۔(۲)

ایک بار شاہزادہ داور بخش نے اس کی خدمت میں ایک شیر نر پیش کیا، جو ایک بکری کے ساتھ اس قدر مانوس ہوگیا تھا کہ دونوں ایک پنجڑے میں رہتے تھے، جہاں گیر نے حکم دیا کہ اس بکری کو چھپا دیں، شیر نے چیخنا چلانا شروع کیا، پھر حکم دیا کہ اسی رنگ و روپ کی دوسری بکری پنجڑے میں داخل کریں، شیر نے اس کو بھی چیر پھاڑ ڈالا، پھر اس بکری کو لائے، حسب دستور سابق الفت و محبت کا اظہار کرنے لگا، چت لیٹ گیا اور بکری کو سینے سے چمٹا کر اس کا منھ چاٹنے لگا۔(۳)

---

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۳۴۔ (۲) ایضاً ص ۲۲۳۔ (۳) ایضاً، ص ۴۰۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماں روایانِ اسلام کے دور میں عجیب وغریب جانوروں کے فراہم ہونے کا ایک سبب جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے یہ تھا کہ سلاطین ایک دوسرے کو جو تحفے اور ہدیے بھیجتے تھے، ان میں جانور بھی ہوتے تھے، چنانچہ شاہ عباس صفوی نے اسی تقریب سے بہت سے تحفوں کے ساتھ جہاں گیر کی خدمت میں ایک شاہین سفید بھیجا تھا۔(۱)

جہاں گیر نے بھی شاہ عباس کے پاس جب بہت سے تحفے بھیجے تو ان میں ایک عجیب وغریب گورخر تھا، جس کی تصویر جہاں گیر نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

''درنیولا گورخرے بہ نظر درآمد بغایت غریب وعجیب بعینہ مانند بیر سیاہ وزرداست ایں سیاہ وسفید از سربنی تا انتہائے دم واز نوک گوش تا سرسم خطہائے سیاہ مناسب جاہ مقام کلان وخرد بقرینہ اوفتادہ وبرگرد چشم خطے سیاہ درغایت لطافت کشیدہ گوئی نقاش تقدیر بقلم بدائع نگار کارنامہ درصحیفہ روزگار گذاشتہ از بسکہ عجب بود بعضے را گمان آن بود کہ شاید رنگ کردہ باشند بعد از تحقیقات بہ یقین پیوست کہ از خداوند جہاں آفریں است، چوں نادر بود داخل سوغات ہائے برادرم شاہ عباس نمودہ شد''۔(۲)

جہاں گیر کو نادر اور عجیب وغریب جانوروں کا اس قدر شوق تھا کہ اس نے بعض ایسے جانوروں کا پتہ لگایا، جن کا صرف نام ہی نام سنا جاتا تھا، مثلاً لوگ ہما کا صرف نام ہی نام سنتے ہیں، کسی نے اس کو دیکھا نہیں ہے لیکن جہاں گیر کو جب یہ پتہ چلا کہ کوہ پیر پنجال میں ایک جانور رہتا ہے جو ہما کے نام سے مشہور ہے اور وہ صرف ہڈی کے ٹکڑے کھاتا ہے اور ہمیشہ ہوا میں اڑتا ہوا نظر آتا ہے، تو اس نے حکم دیا کہ جو قراول اس کا شکار کر کے لائے، ہزار روپے انعام پائے گا، چنانچہ جمال خان قراول اسے بندوق سے مار کر لایا، چونکہ زخم اس کے پاؤں پر لگا تھا، زندہ وتندرست تھا، جہاں گیر نے اس کے چینہ دان کو چاک کروا کے دیکھا

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۴۰۹۔ (۲) ایضاً، ص ۳۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس سے ہڈی کے ٹکڑے نکلے اور پہاڑی آدمیوں نے بھی بیان کیا کہ وہ صرف ہڈی کھاتا ہے، اس غرض سے ہمیشہ ہوا میں اُڑا کرتا ہے اور نگاہ زمین پر رکھتا ہے، جہاں کہیں ہڈی نظر آتی ہے، چونچ میں لے کر اڑ جاتا ہے اور اوپر سے اس کو زمین پر گرا دیتا ہے تاکہ چور چور ہو جائے، اس کے بعد اس کو چن چن کر کھا جاتا ہے، اسی بنا پر شاعر کہتا ہے:

ہمائے بر ہمہ مرغان ازان شرف دارد — کہ استخوان خورد و طائرے نیاز ارد (۱)

جہاں گیر جب شکار کرتا تھا تو بعض جانوروں کا وزن اور تشریح کراتا تھا جس سے بعض جانوروں کے خصائص کے علل واسباب پر روشنی پڑتی تھی اور بعض مشہور باتوں کی غلطی ثابت ہو جاتی تھی، مثلاً اس نے ایک شیر ببر کا شکار کیا اور اس کی تشریح اس غرض سے کرائی کہ اس کی بہادری کا سبب معلوم ہو، تو معلوم ہوا کہ بخلاف اور جانوروں کے شیر ببر کا پتہ جگر کے اندر ہوتا ہے اور اس کی بہادری کا غالباً یہی سبب ہے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:

”بخلاف حیوانات دیگر کہ زہرۂ آنہا خارج جگر واقع، است زہرۂ شیر ببر در درون جگر جا دارد بخاطر می رسد کہ دلاوری شیر ببر ازیں مر خواہد بود“۔(۲)

ایک نر بھیڑیے کے پتہ کا تجربہ کرایا تو معلوم ہوا کہ شیر کی طرح اس کا پتہ بھی جگر کے اندر ہوتا ہے۔

ایک خاص قسم کے ہرنوں کی نسبت مشہور تھا کہ ان کے پتہ نہیں ہوتا لیکن جہاں گیر نے اس کی تشریح کرائی، تو معلوم ہوا کہ یہ ایک بے اصل بات ہے۔(۳)

مختلف قسم کے غیر معمولی قد وقامت کے جانوروں کے وزن کرانے کا حال اس نے تزک میں جا بجا لکھا ہے۔

شاہ جہانی عہد: شاہ جہاں اگرچہ اپنے باپ کی طرح عجیب وغریب جانوروں کا اس

(۱) تزک جہاں گیری، مطبوعہ نول کشور، ص ۴۰۹۔ (۲) ایضاً، ص ۱۷۴۔ (۳) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر شائق نہ تھا، تاہم اس کو عمدہ گھوڑوں کا نہایت شوق تھا اوران کو غیر ممالک سے منگواتا تھا، چنانچہ ایک بار ایک شخص ظریف نامی کو ایران کے ایلچی کے ساتھ عراقی گھوڑوں کی خریداری کے لیے روانہ کیا تھا لیکن چونکہ وہ اچھی طرح اس خدمت کو انجام نہ دے سکا تھا، اس لیے اس نے عرض کیا کہ اگر مجھ کو عرب اور ملک روم میں بھیجا جائے تو سفر ایران کی شرمندگی کا تدارک کرسکوں گا، چنانچہ شاہ جہاں نے اس کو جلوس کے دسویں سال بہت سے تحفہ و ہدایا کے ساتھ سلطان مراد قیصر روم کی خدمت میں بھیجا اور اس نے موصل میں جو گھوڑوں کی منڈی تھی ٹھہر کر گھوڑوں کی خریداری کی۔(۱)

شاہ جہانی دور سے پہلے سفید ہاتھی کا وجود صرف افسانہ کی حیثیت رکھتا تھا اور صرف یہ سنا جاتا تھا کہ سلاطین عجم میں کسریٰ اور پرویز کے فیل خانے میں اس قسم کا ہاتھی تھا، مسلمان فرماں روایان ہند میں بہت سے بادشاہوں کو اس قسم کے ہاتھی کی تلاش تھی، بالخصوص اکبر کو ہاتھیوں کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی وفات کے بعد چھ ہزار ہاتھی اس کے فیل خانے میں نکلے، اس شوق کے ساتھ اس نے ۵۲ سال تک حکومت کی اور برابر اس قسم کے ہاتھی کی تلاش میں مصروف رہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی، شاہ جہانی دور میں صرف حسن اتفاق اور شاہ جہاں کے بلند اقبال سے اس قسم کا ہاتھی اس کے فیل خانے میں داخل ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے:

جہاں گیری دور میں خواجہ نظام ایک مشہور تاجر تھے، جن کے گماشتے بندر پیگو، چین اور اچھی وغیرہ کا دور کیا کرتے تھے اور وہاں سے سامان تجارت خرید کر ہندوستان لاتے تھے، بندر پیگو (برہما) میں ایک نہایت کمسن اور لاغر ہاتھی کا بچہ فروخت ہونے کے لیے آیا، جس کی نسبت خافی خان نے لکھا ہے کہ اس کا رنگ مائل بہ خاکستری تھا، اگرچہ یہ یقین نہیں تھا کہ آیندہ اس کا کیا رنگ نکلے گا، تاہم اس امید میں کہ شاید آیندہ اس کا رنگ سفید

(۱) خافی خان، ج ۱، ص ۵۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکل آئے، انہوں نے اس بچہ کو خرید لیا اور خواجہ نظام کے پاس لائے اور انہوں نے امیدواری کے سلسلے میں چند دنوں تک اس بچہ کو اپنے یہاں رکھنا چاہا، اسی اثنا میں جہاں گیر نے ان کو یاقوت کی خریداری کے لیے بندر پیگو کی طرف روانہ کیا، چونکہ سید دلیر خان سے ان کی ملاقات تھی، اس لیے اس بچے کو انہوں نے ان کی جاگیر میں چھوڑ دیا، سوئے اتفاق سے خواجہ نظام بندر پیگو میں مدتوں کے لیے نظر بند ہو گئے اور یہ بچہ ۱۲ سال تک ان کی جاگیر میں پرورش پاتا رہا اور اس مدت میں اس کا رنگ صاف ہوتے ہوتے بلور کی طرح بالکل سفید ہو گیا، چونکہ ایک نادر جانور تھا، سید دلیر خان نے اس کو شاہ جہاں کے دربار میں پیش کیا، جس کو اس نے نہایت پسند کیا اور اس کا نام گج پتی رکھا، جب شاہ جہاں اس پر سوار ہوا، تو طالب کلیم نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی:

بر فیل سفیدت کہ بنیاد گزند شد بخت بلند ہر کہ او دیدہ فگند
چوں شاہ جہاں برو بر آمد گوئی خورشید شد از سپیدۂ صبح بلند

اور عمدہ صلہ پایا۔(۱)

سفید ہاتھی کی طرح سفید طاؤس بھی ایک کمیاب اور نادر پرندہ ہے، اگرچہ جہاں گیر نے لکھا ہے کہ میں نے سفید طاؤس دیکھا ہے لیکن شاہ جہاں نے نہیں دیکھا تھا، ایک بار اسلام آباد (کشمیر) کے جنگل میں اس قسم کا طاؤس ہاتھ آیا اور وہاں کے ایک شخص نے تحفۃً شہزادہ عالم گیر کی خدمت میں اور عالم گیر نے شاہ جہاں کی خدمت میں پیش کیا، جس کو دیکھ کر لوگ نہایت مسرور و متحیر ہوئے (۲)، امرائے شاہ جہانی میں مرزا جعفر کو جانوروں کے جمع کرنے کا نہایت شوق تھا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے:

''در ہر موسم فراہم آوردن جانوران شغفے داشت''۔(۳)

---

(۱) عمل صالح، ج ۱، ص ۳۴۲، ۳۴۳ و خافی خان، ج ۱، ص ۴۱۰، ۴۱۱، دونوں کتابوں کی روایتوں میں کسی قدر اختلاف ہے۔ (۲) عمل صالح، ج ۲، ص ۲۴۶۔ (۳) مآثر الامراء، ج ۱، ص ۱۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم گیری عہد: عالم گیرکو اگر چہ بذات خود اس قسم کے جانوروں کی طرف میلان نہ تھا، تاہم اس کے امراء میں فیض اللہ خان نے دنیا کے ہر قسم کے جانوروں کا ایک بہت بڑا عجائب خانہ قائم کیا تھا، یہاں تک کہ مچھر اور پسو تک کو بھی لکڑی اور تانبے کے ظروف میں پال رکھا تھا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے:

''صحبت اوجز باصناف دواب وسباع ووحوش درطیور وسوام وہوام نادر(کہ ازاقصائے امصار دنیا در برائے او مے آوردندمی ساخت گویند کم جانورے بود از وحشی وانسی ومتعارف وغیر متعارف کہ درسرکارش فراہم نیامد حتی کیک وپشتہ وسوس وشپش رادر اوانی چوبی ومسی نگاہ داشتے وپرورش میدادے''۔(۱)

ترجمہ مآثر عالم گیری میں ہے:

''اس کا تمام وقت چوپاؤں اور درندوں اور وحوش وطیور کی جو دور دراز ممالک وبندرگاہوں سے خاص اسی امیر کے لیے لائے جاتے تھے، پرورش وپرداخت اوران کے سیر وتماشے میں صرف ہوتا تھا''۔(۲)

www.KitaboSunnat.com

---

(۱) مآثر الامراء، ج۳، ص۳۰۔(۲) ترجمہ مآثر عالم گیری، ص۱۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کی ترقی

از: مولانا عبدالسلام ندوی

ہندوستان میں اگرچہ اسلامی فتوحات کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہوا لیکن اسلامی حکومت کی اصلی بنیاد سلطان محمود نے قائم کی جو ایک مذہبی اور علم دوست بادشاہ تھا، اور اسی علم دوستی اور مذہبی شیفتگی کا یہ اثر تھا کہ جب وہ ۴۰۹ھ کے بعد قنوج کو فتح کر کے غزنی میں واپس آیا تو ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی، جس کے پہلو میں ایک مدرسہ اور اس مدرسہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا، مسجد اور مدرسہ پر بہت سے دیہات وقف کیے، سلطان محمود کے اس علمی اور مذہبی ذوق کو دیکھ کر اس کے امراء واعیان دولت نے بھی اس کی تقلید کی اور بہت سے مدرسے اور بہت سی مسجدیں اور خانقاہیں قائم کیں۔(۱)

سلطان محمود کے بعد اس کا دوسرا لڑکا شہاب الدین مسعود اس کا جانشین ہوا، جو اپنے باپ ہی کی طرح علم پرور اور علم دوست تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے دربار میں علماء و فضلاء کا مجمع رہتا تھا اور وہ ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کرتا تھا، ان میں بہت سے علماء نے اس کے نام پر کتابیں لکھیں اور بیش قرار انعامات پائے، چنانچہ ابوریحان خوارزمی نے اس کے نام پر ریاضی میں قانون مسعودی لکھی تو اس کو چاندی کا ایک ہاتھی انعام میں دیا، قاضی ابومحمد ناصحی نے بھی فقہ حنفی میں اس کے نام پر کتاب مسعودی لکھی، اس علم دوستی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے حدود حکومت میں بہ کثرت مدرسے قائم کیے، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:

(۱) فرشتہ، ج ۱ ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد نہادند کہ زبان بیان از تعداد آں عاجز و قاصر است"۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جو حصے سلاطین غزنویہ کی سلطنت میں شامل تھے، ان میں بھی مدارس ضرور رہے ہوں گے۔

دوسری تاریخی تصریحات سے بھی یہ ثابت ہے کہ نہایت قدیم زمانے سے ہندوستان میں مدارس کے قائم کرنے کا رواج ہو چکا تھا، چنانچہ فرشتہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے حال میں لکھتا ہے:

"چوں مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بملتان رسید شاہ ناصر الدین قباچہ والیٔ ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بود نماز بامداد دران مدرسہ گزاردہ بدرس گفتن بہ پرداخت و شیخ بہاء الدین زکریا کہ ابتدائے حال او بود ہر روزہ بامداد آنجا حاضرت و نماز فجر در پس او گذاردے"۔ (۲)

شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ۵۷۸ھ میں ہوئی، اس لیے چھٹی صدی ہجری کے اختتام اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ہندوستان میں مدرسوں کے قائم کرنے کا رواج ہو چکا تھا۔

اسی زمانے میں خسرو ملک بن سرو شاہ غزنوی کو بہ مقام لاہور امیر شہاب الدین محمد غوری کے مقابلے میں شکست ہوئی اور حکومت ہند خاندان غزنویہ کے ہاتھ سے نکل کر غوری خاندان میں منتقل ہو گئی، اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۷ھ میں اجمیر کو فتح کیا اور وہاں متعدد مدرسے قائم کیے، اگرچہ ان مدارس کی تاریخ بنا صحیح طور پر متعین نہیں تاہم یہ یقینی ہے کہ یہ ہندوستان کے قدیم ترین مدارس ہیں (۳)، اسی زمانے میں دور اور مدرسوں

---

(۱) فرشتہ، ج ۱، ص ۲۴۴۔ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۴۰۸۔ (۳) معارف، ج ۴، نمبر ۲، بابت ماہ ذی قعدہ ۳۷ھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا پتہ چلتا ہے، ایک مدرسہ معزی اور دوسرا مدرسہ ناصریہ، مصنف طبقات ناصری نے سلطان رضیہ کے حال میں ضمنی طور پر ان دونوں مدرسوں کا ذکر کیا ہے، چنانچہ مدرسہ معزی کی نسبت لکھا ہے کہ جب قرامطہ نے دہلی پر یورش کی تو اس مدرسہ کو جامع مسجد سمجھ کر اس کے اندر گھس آئے (۱)، اس سے ہم کو اس زمانے کے مدرسوں کے طرز تعمیر اور ان کی عمارتوں کی شان و شوکت کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے، مدرسہ ناصریہ کے مہتمم اور نگراں خود طبقات ناصری کے مصنف مقرر ہوئے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''در ماہ شعبان ہمیں سال (۶۳۵ ھ) سلطان رضیہ مدرسہ ناصریہ
درحضرت منضم با قضائے کالیور بدیں داعی مفوض فرمود''۔(۲)

اگرچہ یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ مدرسے کب قائم ہوئے اور کس نے قائم کیے، تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ معزی کو شمس الدین التمش نے جو ۶۰۷ ھ میں تخت نشین ہوا تھا، اپنے آقائے ولی نعمت شہاب الدین غوری جس کا اصلی نام معزالدین محمد غوری ہے، کے نام پر قائم کیا تھا اور مدرسہ ناصریہ ناصرالدنیا والدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا تھا، اسی عہد میں جب محمد بختیار خلجی نے بنگال کو فتح کیا تو وہاں بہ کثرت مدرسے، مسجدیں اور خانقاہیں قائم کیں اور یہ پہلا دن تھا کہ ان اطراف میں شعائر اسلام کا رواج ہوا، چنانچہ فرشتہ اس کے حال میں لکھتا ہے:

''اولین کسے از بادشاہان اسلام کہ بآن نواحی رفتہ وشعائر اسلام دراں
حدود رواج دادہ محمد بختیار خلجی است۔

درعوض شہر نودیا شہرے موسوم برنگ پور تیار کردہ دارالملک خود ساخت
ومساجد وخوانقاہ و مدارس دران شہر وولایت بجائے معابد کفار برسم شعار
اسلام برونق ورواج تمام مزین ومجلی گردانید''۔(۳)

---

(۱) طبقات ناصری، ص ۱۷۹۔ (۲) ایضاً، ص ۱۸۸۔ (۳) فرشتہ، ج ۲، ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ارکان سلطنت نے بھی اس کی تقلید کی اور اس طرح ان اطراف میں بہ کثرت مدرسے قائم ہوگئے، چنانچہ طبقات ناصری میں ہے:

''مساجد و مدارس و خانقاہات دران اطراف بسعی جمیل او و امرائے او بناشد''۔(۱)

اس کے بعد آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ تغلق نے تعلیم کو بہت زیادہ ترقی دی اور جو قدیم مدرسے بالکل بے نام ونشان ہوگئے تھے، ان کو نئے سرے سے قائم کیا، چنانچہ وہ خود اپنی کتاب فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے:

''و دیگر بقاع خیر بادشاہان ماضیہ را از مسجد و خانقاہ و مدرسہ و چاہ و حوض و پل و مقبرہ کہ مندرس شدہ بود بہ تجدید معمور ساختم و اوقاف مقرر کردم''۔(۲)

تاریخ فیروز شاہی میں اس کی تعلیمی فیاضیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''و ادرارات انعامات و وظائف علماء و مشائخ و مدرسان و مفتیان و مذاکران و متعلمان و حافظان و مقریان و ارباب مساجد و آستانہ داران و حیدریان و قلندران و مستحقان و مسکینان دارالملک دہلی از ہزارہا گذشت و بہ لکھا رسید و مدارس و مساجد قدیم و جدید کہ خالی و مندرس گشتہ بود از مدرسان و مذکران و متعلمان مشحون و مملو گشت و رونق علم و رواج تعلیم از سر پیدا آمد و بہزار اور ار دستاوان دیہھا انعام یافتند و مبجل و معظم شدند و آنان را کہ صدگان و دویستگان تنگہ ادرار بودہ است و آن ادرار مندرس گشتہ و آن دفاتر محو شدہ چہارصدگان و پانصدگان و ہفتصدگان و ہزارگان تنگہ ادرار تعین فرمود و طوائفے کہ از طالبان علم محتاج دہ تنگہ بودند صدگان و دویستگان و سیصدگان تنگہ ادرار معین گشت و علماء و متعلمان شہر از خرد و بزرگ با نعمت و

(۱) طبقات ناصری، ص ۱۵۱۔ (۲) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثروت شدند و از فقر و فاقہ و احتیاج و خواست خلاص یافتند و بیشترے از طوائف مذکور کہ نقش درست نداشتند از مراحم سلطان فیروز شاہی جامہائے لطیف مے پوشند و بر اسپان چیدہ سوارے شوند و بیشتر در علوم دین و تعلیم احکام شرع مشغول مے باشند"۔(۱)

قدیم مدارس کی مرمت و اصلاح کے علاوہ اس نے خود ۳۰ مدرسے قائم کیے (۲)، جن میں مدرسۂ فیروز شاہی کی تعریف و توصیف میں ضیائے برنی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے ہیں، اس کی عبارت کا ابتدائی حصہ جس سے عمارت کا ایک اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے، حسب ذیل ہے:

"بس بو العجب عمارتے بر سر حوض علائی بنا شدہ است و عمارت مدرسۂ مذکور از رفعت گنبد ہا و شیرینی عمارتہا و موازین صحنہا و لطافت نشست جاہائی و محلہائے مروح و صفہائے دلاویز گوے لطافت از عمارتہائے کہ در عالم معروف ست ربودہ است"۔(۳)

قدیم زمانے میں تعلیم کا مفہوم صرف کتابی تعلیم تک محدود تھا اور یہ تعلیم بھی زیادہ تر دینی، ادبی اور عقلی فنون تک محدود تھی لیکن اس زمانے میں تعلیم کا مفہوم نہایت وسیع ہو گیا ہے اور کتابی تعلیم کے علاوہ ہر ہنر اور ہر پیشہ کی تعلیم، نظام تعلیم کا جزو ہو گئی ہے، فرماں روایان ہند میں فیروز شاہ پہلا شخص ہے جس نے تعلیم کے مفہوم میں وسعت پیدا کی اور صنعت و حرفت کی تعلیم کا ایک مستقل نظام قائم کیا، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس کے دل میں غلاموں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور تمام حکام اور عہدہ داران سرکاری کو تاکیدی حکم ہوا کہ منتخب غلام دربار میں بھیجے جائیں حکام اور عہدہ داروں نے بادشاہ کا یہ شوق دیکھا تو نہایت عمدہ وضع و لباس میں خوبصورت اور اصیل غلاموں کو دربار میں پیش کیا اور اس طرح ایک لاکھ اسی ہزار

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، ج۱،ص ۵۵۹۔ (۲) فرشتہ، ج۱،ص ۱۵۱۔ (۳) تاریخ فیروز شاہی، ج۱،ص ۵۶۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلام جمع ہو گئے اور فیروز شاہ نے مختلف شہروں مثلاً دیبال پور، حصار فیروزہ، سامانہ اور گجرات میں ان کے قیام کا انتظام کیا اور ان کی معاش کے لیے جاگیریں مقرر کریں، ان کے علاوہ جو غلام شہر میں تھے، ان کی مختلف تنخواہیں مقرر ہوئیں، کسی کو سو تنگہ، کسی کو پچاس تنگہ اور کسی کو چالیس تنگہ ملتا تھا اور دس تنگہ سے تو کسی کی تنخواہ کم نہ تھی، اطمینان کی یہ صورت پیدا ہوئی تو ان میں بعض نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، بعض نے دینی علوم کی طرف توجہ کی اور بعض نے تحریر و کتابت کا مشغلہ اختیار کیا اور بعض نے صنعت و حرفت سیکھ لی اور مختلف پیشوں کے بارہ ہزار غلام تیار ہو گئے، رفتہ رفتہ ان کا ایک مستقل محکمہ قائم ہو گیا اور یہ لوگ تمام شاہی کاروبار میں دخیل ہو گئے، یہی لوگ آبدار، شرابدار، جامدار، عطردار، طشت دار، چتر دار، شمع دار، پردہ دار، جاندار، سلاح دار، شکرہ دار، سیسہ گوش دار، خاصدار، دارو دار، سنگتراش، سقا اور پیلبان ہوتے تھے، کتب خانہ میں قرآن خوانی کرتے تھے، علم خانہ اور گھڑیال خانہ کی خدمات ان سے متعلق تھیں اور بعض محکموں میں محرری کی خدمت انجام دیتے تھے۔

اس کے علاوہ فیروز شاہ نے ان کو بہت سے امراء و سلاطین پر تقسیم کر دیا کہ ان کو خدمت گذاری کے آداب سکھائیں، اس شاہی حکم کے بہ موجب یہ لوگ نہایت عمدہ طریقہ پر ان کی پرورش کر کے ہر سال ان کو دربار میں بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے، تا کہ انہوں نے خدمت گذاری کا جو سلیقہ اور جو مختلف ہنر سیکھے ہیں، بادشاہ کی نظر سے گذر جائیں، چنانچہ تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

> ''چوں ہندگان مقطعان بیش می گذرانیدند، بعضے بندگان بر حکم فرمان سلطان تسلیم بعضے امراء و ملوک میشدند تا ایشاں را ادب خدمت آموزند، امراء و ملوک آن بندگان را بر طریق فرزندان می پرورند و طعام و جامہ دسر جامہ شستن و ہنر آموختن و مقام خوردن و خفتن و غمخوارگی ایشان بواجبی نگاہ می داشتند و ہر سالے ایشان را پیش تخت می گذرانیدند و ادب و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمت و ہنر ہائے ایشان را پیش تخت عرضہ میداشتند ، سلطان فیروز شاہ در باب آں امراء وملوک چنداں مرحمت می فرمودند کہ در تحریر نیاید"۔(۱)

فیروز شاہ کے بعد سلطان محمود بہمنی نے گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلچ پور، دولت آباد، چنپر، چیول، وابل اور دوسرے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں یتیم بچوں کی تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے اور بڑے بڑے شہروں میں محدثین کو وظائف دیے۔(۲)

نویں صدی ہجری میں سلطان محمود خلجی نے جو شوال ۸۳۹ھ میں مالوہ کے تخت سلطنت پر بیٹھا، تعلیم کو بہت زیادہ ترقی دی اور بہت سے مدرسے قائم کیے اور علماء وطلبہ کے وظائف مقرر کیے، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"چوں سلطنت بروقرار گرفت ہمت بر تربیت علماء وفضلاء گماشتہ ہر جا از ارباب کمال کسے رامی شنید زفرستادہ اوراطلب می نمود ودر ولایت خود مدرسہ ساختہ علماء وفضلاء وطلاب را وظیفہا مقرر کردہ بافادہ واستفادہ مشغول گردانید و بالجملہ بلاد مالوہ من جمیع الوجوہ در ایام دولت او محسود شیراز وسمرقند بود"۔(۳)

مآثر رحیمی میں ہے:

"وبجانب جتور نضہت نمودند واز آب پہم عبور نمودہ بتخانہائے ، آں ولایت را خراب نمودہ مساجد ومدارس ساخت"۔(۴)

اس نے ذی الحجہ ۸۴۶ھ میں شادی آباد میں ایک مدرسہ اور مسجد جامع ہوشنگشاہی کے محاذی منارہ ہفت منظر قائم کیا۔(۵)

اسی صدی میں سلطان محمود بیگڑہ نے جو ۸۶۳ھ میں گجرات کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، تعلیم کو بہت زیادہ ترقی دی اور بہت سے مدارس قائم کیے، چنانچہ مرأت احمدی میں ہے:

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، ج ۱، ص ۲۶۷ تا ۲۷۳۔ (۲) تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۳۰۲۔ (۳) فرشتہ، ج ۲، ص ۲۴۳۔ (۴) مآثر رحیمی، ج ۱، ص ۱۳۲۔ (۵) ایضاً، ص ۱۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مدارس بہشت آئیں ومساجد مانند خلد بریں ساخت''۔(۱)

اسی صدی میں جام نظام الدین نے جو ۸۶۶ھ میں سندھ کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، علماء وفضلاء کی جمعیت خاطر اور ان کی فارغ البالی کے سامان مہیا کیے اور اس کثرت سے مدارس قائم کیے کہ احاطۂ بیان میں نہیں آسکتا، مآثر رحیمی میں ہے:

''درزمان دولت او علماء وصلحاء وفقراء درنہایت فراغت بودند، ودر زمان دولت او احیائے سنن ورواج مدارس بنوعے درسند مقرر بود کہ زبان قلم از تحریر آں عاجز است''۔(۲)

اس کی علم پروری کی شہرت سن کر مولانا جلال الدین دوانی نے شیراز سے آنے کا ارادہ کیا اور اپنے دو ممتاز شاگرد میر شمس اور میر معین کو ٹھٹھ میں بھیجا اور جام نظام الدین سے درخواست کی کہ ٹھٹھ میں ان کے قیام کا انتظام کیا جائے، جام نے عمدہ قیام گاہ کا انتظام کیا اور مصارف سفر کے ساتھ قاصد روانہ کیے کہ مولانا کو جاکر لے آئیں لیکن خرچ راہ اور قاصدوں کے پہنچنے تک مولانا سفر آخرت کر چکے تھے (۳)، اس لیے ہندوستان ان کے علمی فیوض و برکات سے مستفیض نہ ہوسکا۔

اسی صدی میں سلطان سکندر لودی نے جو ۸۹۴ھ میں تخت نشین ہوا تھا، نہایت کثرت سے مدارس قائم کیے اور ان کے مدرسین کے وظائف مقرر کیے، چنانچہ سیر المتاخرین میں ہے:

''ومساجد ومدارس تعمیر نمودو در مساجد ومدارس امام وموذن وخطیب ومدرس مقرر کردہ وظائف آں جماعہ از سرکار مرحمت کردے''۔(۴)

اس کے عہد حکومت میں نظام تعلیم میں دو عظیم الشان انقلاب پیدا ہوئے۔

---

(۱) مرأت احمدی، ج ۱، ص ۶۰۔ (۲) مآثر رحیمی، ج ۲، ص ۳۷۲۔ (۳) ایضاً ص ۳۷۴۔ (۴) سیر المتاخرین، ج ۱، ص ۱۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱- ایک تو یہ کہ اس کے عہد حکومت سے پہلے ہندوستان میں معقولات کا رواج بہت کم تھا، لیکن ملتان کی تباہی کے بعد اس کے زمانہ میں ملتان سے دو عالم یعنی شیخ عبداللہ تلبنی اور شیخ عزیز اللہ تلبنی ہندوستان میں آئے اور شیخ عبداللہ تلبنی نے دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ تلبنی نے سنبل میں قیام کیا اور ان اطراف میں علم معقول کو رواج دیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"واز جملہ علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبل بودند و ایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان ہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیار رواج دادند و قبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نہ بود"۔

ان دونوں بزرگوں کے فیض تربیت سے بہت بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی خدمت انجام دی، خود سلطان سکندر کو درس و تدریس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ جب شیخ عبداللہ تلبنی درس دیتے تھے تو وہ خود آ کر اس خیال سے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا تھا کہ طلبہ کے درس میں خلل نہ واقع ہو لیکن جب وہ درس سے فارغ ہو جاتے تھے تو السلام علیکم کہہ کر ان کے پاس بیٹھ جاتا تھا اور باہم صحبت رہتی تھی۔(۱)

۲- دوسرے یہ کہ اب تک ہندوستان میں فارسی زبان کی تعلیم کا رواج نہیں تھا، لیکن اس کے زمانے سے ہندوستان میں بھی فارسی زبان کی تعلیم کا رواج ہوا، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

"و بعہد فرخندہ او علم رواج یافت و امراء و ارکان دولت و سپاہیان بکسب فضائل اشتغال نمودند و کافران بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں مرزمان درمیان ایشان معمول نہ بود پرداختند"۔(۲)

(۱) خافی خان، ج ۱، ص ۳۲۳، ۳۲۴۔ (۲) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۸۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورانہوں نے اس زبان میں اس قدر ترقی کرلی کہ شعر کہنے اور درس دینے لگے، چنانچہ خافی خان ایک موقع پر لکھتا ہے:

”ویکے از شعراے عہد سلطان سکندر برہمن بودمی گویند کہ باوجود کفر کتب علم رسمی را درس می گفت“۔(۱)

ان بادشاہوں کے بعد سلاطین تیموریہ میں اکبر کا دور حکومت شروع ہوا، جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے تعلیمی تغیرات وانقلابات پیدا ہوئے، چنانچہ سب سے بڑا تغیر ابتدائی تعلیم میں یہ ہوا کہ مدت تعلیم گھٹ گئی اور جو کام برسوں میں ہوتا تھا، وہ مہینوں میں ہونے لگا، اس کے ساتھ نصاب تعلیم میں وسعت پیدا ہوئی اور اس میں بہت سے علوم کا اضافہ کیا گیا، یہاں تک کہ ہندی علوم بھی نصاب درس میں داخل کیے گئے، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

”در ہر کشور خاصہ دریں آباد بوم سالہا نو آموز را بد بستان باز دارند ومفردات حروف معجم را بہ چندیں گونہ اعراب آموزش رود بقرا وان نامۂ گرامی انفاس رایگان شود بفرمودۂ گیتی خداوند حروف ابتث را برنویسند ودیگر گون پیکر راید انسان نگارند، نخست بصورت ونام آشنا گردند ودوو زبیش نکشد کہ از نقوش حروف پیوستہ آگہی برگیرد وچون ہفتہ بدین دریافت تنومندی یابد لختے نظم ونثر آشنا رود در نیایش ایزدی واندرز گزاری جدا نگاشتہ در آموزند وکوشش رود کہ ہر یک را خود بشناسد واند کے اوستاد دستگیری کند وچندے ہر روز یک مصرع بایک بیت بانجام رساند، درکمتر زمانے سواد خوانی روشنی پذیرد، وآموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی برجوید، شناسا کی حروف، الفاظ، مصرع، بیت پیشین خواندہ بدین روش انچہ بسالہا آموختے بماہ بل بروز کشید وجہانے بشگفت درآمد، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت

(۱) خافی خان، ج ۱، ص ۳۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر، منزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی،
تاریخ مرتبہ مرتبہ اندوزد و از ہندی علوم بیاکرن نیاے بیدانت پاتنجل برخواند و
ہر کس را از بایست وقت درنگذرانند"۔

طریقۂ تعلیم کے اس تغیر کی تفصیل کے بعد ابوالفضل لکھتا ہے:

"ازین طرز آگہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ
یافت"۔(۱)

اکبر کے زمانے تک ہندوستان میں جو تعلیم جاری تھی وہ زیادہ تر مذہبی حیثیت رکھتی تھی، سکندر لودی کے زمانے میں اگرچہ معقولات کا رواج ہو چکا تھا، تاہم عقائد و خیالات پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا اور مذہبی علوم کی عظمت باقی تھی لیکن اکبر نے دین الٰہی کے نام سے جب ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالی اور اس سلسلے میں تمام مذاہب کی تحقیقات کے لیے ہر مذہب وملت کے علماء کو دربار میں جمع کیا اور ان میں باہم مذہبی مناظرے ہوئے، تو بے تعصبی کے ساتھ سخت عقلی آزادی پیدا ہوگئی اور اس کا نتیجہ صاحب مآثر الامراء کے الفاظ میں یہ ہوا کہ:

"علوم شرعیہ ونقلیہ را اصلا واقع و اعتبارے نماند، مردم رغبتے
بحکمت وحساب وطب ونجوم وشعر وتاریخ نمودند"۔(۲)

اس کے ساتھ اسی زمانے میں معقولات کی ترویج واشاعت کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ ۹۹۱ھ میں امیر فتح اللہ شیرازی جو حکمت عملی ونظری میں یکتائے روزگار تھے، امرائے اکبری میں داخل ہوئے اور انھوں نے متاخرین علمائے معقول ایران کی کتابیں درس میں داخل کیں، چنانچہ مولوی غلام علی آزاد مآثر الکرام میں لکھتے ہیں:

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی ومیر صدرالدین و

---

(۱) آئین اکبری، ج۱، ص۱۴۳،۱۴۴۔ (۲) مآثر الامراء، ج۲، ص۳۸۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر غیاث الدین منصور، و میرزا جان بہ ہندوستان آوردو دور حلقۂ درس انداخت و جم غفیر از حاشیہ محفل میر استفادہ کردند، واز اں عہد معقولات را رواجے دیگر پیدا شد"۔(۱)

لیکن بایں ہمہ آزاد خیالی اکبری دور میں علوم شرعیہ کی تعلیم کا رواج بالکل جاتا نہیں رہا، خود امرائے اکبری میں قلیج خان کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"قلیج خان صلاح وتقوی بسیار داشت ودر تسنن متعصب بود و ہمیشہ بدرس علوم و افادہ طلاب اشتغال مے نمود، گویند در صوبہ داری لاہور یکپاس بدرس فقہ وتفسیر وحدیث در مدرسہ قیام مے ورزید و باقصیٰ غایت در ترویج علوم شرعیہ می کوشد مردم آنجا با امید روشناسی وانجاح مطالب غلوے تام بہ تحصیل علم کروند"۔(۲)

اکبر کے دور حکومت میں سب سے بڑا انقلاب کشمیر کی تعلیمی حالت میں ہوا، چنانچہ اس انقلاب سے کشمیر میں جو تعلیمی ترقیاں ہوئیں، ان کے متعلق بادشاہ نامہ کا مصنف لکھتا ہے:

"گرچہ دران چندے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گویند بودند، علوم متداولہ شیوع تمام نداشت، برخے خط نستعلیق نیکوے نوشتند و بندے زبان شعر داشتند بعد ازان کہ در عہد دولت حضرت عرش آشیانی کشائش یافت اکثر ساکنانش اکتساب مراسم اہلیت و دازم آدمیت نمودہ شائستگی جوہر ظاہر ساختند و فارسی گفتن و خط خوش نوشتن و نغمۂ فارسی سرائیدن رواج تمام یافت"۔(۳)

اسی زمانے میں عادل شاہ نے بیجا پور میں مذہبی تعلیم کو بے حد ترقی دی اور اپنی سلطنت کے جو ضوابط و آئین مقرر کیے اس میں دینی تعلیم کے متعلق یہ قاعدہ مقرر کیا:

---

(۱) مآثر الکرام، ج ۱، ص ۲۲۸۔ (۲) ایضاً، ج ۳، ص ۷۱، ۷۲۔ (۳) بادشاہ نامہ، ج ۲، ص ۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''در آثار شریف دو مدرس تعین نمودہ درس احادیث وفقہ وعلم ایمان بریاد آرند شاگردان را از سفرۂ آثار آش و نان بوقت صبح بریانی ومزعفر و بوقت شام نان گندم و کھچڑی فی اسم بایک ہون وبدون ایں کتاب ہائے عربی و فارسی امداد نمایند و ہر سال امتحان می شد و انعام ہوں سرفراز مے فرمودند و در مسجد جامع دو ملا مکتب دار اطفال و دو مکتب تحصیل علوم عام عربی و یک مکتب علم فارسی مقرر داشتہ ہر آنکس کہ از شاگردان متوکل ومحتاج باشد از نان و آش بوقت صبح فی اسم دو نان گندم و کھچڑی، و بوقت شام بریانی ومزعفر و شیرنی می خورانند و فی اسم یک ہوں ماہوار کتاب ہا سرفراز می فرمودند و ہم بوقت امتحان بتاریخ سلخ ذی حجہ میشد انعام از قسم ہوں میدادند وکسیکہ دران ہوشیار از علم میشد بعہدہ عمدہ بہتر نوکر و ملازم میداشتند و در اجرائے مکتب ہا وکار سنگ بجد تر گشتہ نگہ دارند''۔(۱)

اکبر کے بعد جہاں گیر تخت نشین ہوا تو اس نے رفاہ عام کے کاموں کا ایک خاص نظام قائم کیا اور حکم دیا کہ:

''ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود و وارث او حاضر نباشد مال اور امانت نگاہ دارند و در صورت مفقود الاثر بودن وارث مال ترکہ یت را، صرف تعمیر واحداث مساجد و پل و مدرسہ و سرائے نمایند''۔(۲)

اور یہ ظاہر ہے کہ اس حکم کے بعد ہندوستان میں کس کثرت سے مدرسے قائم ہوئے ہوں گے، جہاں گیر کے بعد شاہ جہاں کا دور حکومت آیا تو اس نے نومسلموں کی تعلیم کا ایک مستقل نظام قائم کیا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے زمانے میں بعض جگہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کا رواج ہو گیا تھا اور مسلمان بے تکلف ہندوؤں کو اپنی لڑکیاں دیتے

(۱) بساتین السلاطین، ص ۳۵۱۔ (۲) خافی خان، ج ۱، ص ۲۴۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، ان سے لڑکیاں لیتے تھے، شاہ جہاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ جس ہندو کے گھر میں مسلمان لڑکی ہو اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے ساتھ دوبارہ اس کا نکاح کر دیا جائے لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو مسلمان عورت اس سے علاحدہ کر دی جائے، اس حکم کے بعد جوکھو نامی زمیندار جس نے اس رسم قبیح کے جاری کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا، اپنے پورے خاندان کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور اس کے علاوہ بہت سے اور ہندو مسلمان ہوئے، چونکہ مسلمانوں میں یہ رسم جہالت کی وجہ سے پھیلی تھی اور نومسلموں کو عبادت وغیرہ کا طریقہ معلوم نہ تھا، اس لیے سرکاری طور پر قاضی اور معلم مقرر کیے گئے، تاکہ اس قسم کے لوگوں کو احکام شریعت اور طریقۂ عبادت کی تعلیم دیں (۱)، تیموری دور حکومت میں چونکہ مختلف ممالک کے لوگ ہندوستان میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، بالخصوص اس قسم کے مختلف العناصر لوگ فوج میں زیادہ تر شامل تھے، اس لیے ہندوستان پر ان کے مختلف کمالات کا اثر خاص طور پر پڑا، چنانچہ شاہ جہانی عہد میں کشمیر پر ان لوگوں کا جو اثر پڑا اس کے متعلق عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں لکھتا ہے:

> ''واز آنجا کہ در عسکر اقبال فضلاء و ہنرمندان ہفت اقلیم فراہم آمدہ کامیاب اند ساکنان ایں زمیں نشاط آگیں از مصاحبت و ہم زبانی اہل اردو فضائل و ہنرہا کسب نمودند''۔(۲)

عبدالحمید لاہوری نے اگرچہ شاہ جہاں کے عہد حکومت کی تخصیص کی ہے اور اس اثر کو کشمیر تک محدود کر دیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ تیموریوں کے ہر دور میں یہ اثر پڑا اور ہندوستان کے گوشے گوشے پر پڑا۔

شاہ جہاں کے بعد عالمگیر نے تعلیم کو بہت زیادہ ترقی دی اور علماء و طلباء کے وظیفے اور جاگیریں مقرر کر کے ہر صوبہ، ہر شہر اور ہر قصبہ کو تعلیم سے معمور کر دیا، چنانچہ عالمگیر نامہ

(۱) بادشاہ نامہ، ج ۲، ص ۵۷۔ (۲) ایضاً، ص ۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے:

''واز آنجا کہ توجہ خاطر دانش مآثر ترویج مراتب فضل وتاسیس معالم علم درجہ قصوی دارد وز جمیع بلاد وقصبات ایں کشور وسیع فضلا و مدرسان را بوظائف لایقہ از روزیانہ و املاک موظف ساختہ بشغل تدریس و تعلیم محصلان علوم گماشتہ اند و برائے طلبہ علم در ہر معمورے وناحیہ وجوہ معیشت درخور رتبہ و حالت و استعداد مقرر داشتہ و ہر سالہ بدیں وجہ نیز از خزائن احسان پادشاہانہ مبلغہائے معتد بہ صرف میشود واز فیض مکرمت و افضالی شہنشاہ ابر کف دریا نوال طالبان علم و کمال سمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال ومرفہ الحال بکسب وتحصیل علوم اشتغال مے ورزند''۔(۱)

مرأت احمد میں ہے:

''چوں حکم مقدس معلیٰ درجمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نمایند وطلبہ علم از میزان تا کشاف خوان باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق مہر مدرسان وجہ علوفہ از تحویل خزانچی خزانہ آں صوبہ میدادہ باشند درینولا سہ نفر مدرس دراحمد آباد، وپٹن وسورت وچہل دپنج نفر طلبہ علم اضافہ درصوبہ احمد آباد مقرر شد''۔(۲)

سرکاری مدارس کے علاوہ جو مدرسے دوسرے اہل خیر نے قائم کیے تھے، ان کو بھی سرکاری امداد ملتی تھی، چنانچہ اسی کتاب میں ہے ء

''ویک ہزارو پانصدو ہشتاد روپیہ بموجب برآورد دبنا برترمیم مدرسہ، مسجد وحمام ودارالشفائے بنا کردہ سیف خان تنخواہ گردید''۔(۳)

''وہمدران سال مدرسہ ہدایت بخش ومسجد بنا نمودہ شیخ محمد اکرم الدین

---

(۱) عالم گیرنامہ، ص ۱۰۸۶،۱۰۸۵۔ (۲) مرأت احمدی، ج ۱، ص ۲۷۲۔ (۳) ایضاً، ص ۳۰۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدر کہ بمبلغ یک لک وبیست و چہار ہزار روپیہ صرف عمارت آن تمام پذیرفت و بموجب التماس صدر بنابر اخراجات مدرس وطلبہ موضع سوندرہ معمولہ پرگنہ سانولی وموضع سیھپہ عملہ پرگنہ کڑی ودو روپیہ یومیہ مہب لنگراز جناب اقدس مرحمت گشت''۔(۱)

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلاطین اسلام نے اطراف ہند میں بہ کثرت مدارس قائم کیے تھے لیکن یہ پتہ لگانا سخت مشکل ہے کہ مدارس کن کن شہروں اور کن کن قصبوں میں قائم تھے؟ البتہ ہمارے دوست مولوی ابوالحسنات مرحوم نے خاص خاص شہروں اور خاص خاص قصبوں کے چند مدارس کا پتہ لگایا ہے اور اس پر معارف میں ایک سلسلۂ مضمون لکھا ہے، چنانچہ اس مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

مدارس اجمیر: ۵۸۷ھ میں شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر کو فتح کیا اور وہاں متعدد مدرسے قائم کیے۔

مدارس دہلی: قطب الدین ایبک کا جانشین شمس الدین التمش ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوا اور خاص دارالسلطنت دہلی میں متعدد مدارس قائم کیے، غالباً مدرسۂ معزی اسی علم پرور بادشاہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے، اس عہد کے بعد دلی میں ایک مدرسہ قائم ہوا، جس کا نام مدرسۂ ناصریہ تھا اور وہ ناصر الدنیا والدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا تھا۔

دلی میں ایک اور مدرسہ علاء الدین خلجی کے مقبرے میں مسجد قوۃ الاسلام اور قطب صاحب کی لاٹ کے متصل واقع تھا، ۷۱۵ھ میں علاء الدین خلجی کا انتقال ہوا اور اس کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے غالباً ۷۱۷ھ میں یہ مقبرہ بنوایا، مقبرہ، مدرسہ اور مسجد سب کی مرمت فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت میں کرائی اور صندل کے چھپرکھٹ چڑھائے،

---

(۱) مرأت احمدی، ج۱، ۳۰۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مدرسہ کب قائم ہوا اور کس نے قائم کیا؟ اگر قطب الدین مبارک شاہ نے مقبرہ علائی کے ساتھ قائم کیا تو اس کا سنہ بنا ۷۱۷ھ ہوگا اور اگر مسجد قوۃ الاسلام کے ساتھ اس کی بنیاد پڑی تو ۵۸۸ھ اس کی تاریخ بنا ہوگی، کیونکہ اسی سال قطب الدین ایبک نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، پھر ۶۲۷ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے بھی اس مسجد پر تین تین محرابوں کا اضافہ کیا اور اصل لاٹ پر بھی پانچ درجے زیادہ کیے، ممکن ہے مدرسہ کی بنیاد اسی سلسلۂ تعمیرات میں پڑی ہو۔

دلی میں ایک اور مدرسہ حوض خاص مشہور مدرسہ تھا، حوض دراصل سلطان خلجی کا بنوایا ہوا تھا، جس کو اس نے اپنی تخت نشینی کے سال ۶۹۶ھ میں بنوایا تھا، فیروز شاہ کے زمانے میں یہ حوض مٹی سے بھر گیا تھا، فیروز شاہ نے اس کو صاف کرایا، جہاں جہاں مرمت کی ضرورت تھی مرمت کرائی اور تقریباً ۷۵۵ھ میں اس کے اوپر ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں مشہور مدرسین جمع کیے گئے۔

مدرسہ فیروز شاہی دلی کا سب سے مشہور اور اپنے عہد کا بہترین مدرسہ تھا، جس کو فیروز شاہ نے ۷۵۳ھ میں فیروز آباد دلی میں قائم کیا تھا۔

مدرسہ بالا بند آب سیری دراصل ایک شاہی عمارت میں واقع تھا، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ مدرسۂ فیروز شاہی کی عمارت سے دہلی کی کوئی عمارت مقابلہ کرسکتی ہے تو وہ یہی مدرسہ بالا بند آب سیری کی عمارت ہے، اس کے لیے کچھ وقف اور شاہی وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا، نیز بہت سے طلبہ کی کفالت کی جاتی تھی۔

ماہ صفر ۷۷۶ھ میں سلطان فیروز شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ فتح خان کی وفات پر اس کے مقبرہ کے ساتھ ساتھ بطور کار خیر و ایصال ثواب ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جس کے اخراجات کا مدار شاہی وظائف پر تھا۔

ہمایوں کا عہد حکومت تقریباً ۹۳۵ھ سے شروع ہوا اور اس نے دہلی میں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے، لوگوں کو یہ عام طور پر معلوم نہیں کہ ہمایوں کے مقبرے کے اوپر جو چھت تھی، وہ دراصل ایک مدرسہ تھا، جس میں بڑے بڑے اساتذہ وقت تعلیم دیتے تھے اور مقبرہ کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے کمرے طلبہ کی اقامت کے لیے بنے ہوئے تھے۔

عہد اکبری میں ماہم بیگم نے جو اکبر اعظم کی مرضعہ تھیں، ۹۶۹ھ میں پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل میں ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، جس کا نام خیر المنازل رکھا گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو جہاں گیر کے عہد میں تھے، اخبار الاخیار میں ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہیں، جہاں انہوں نے تعلیم پائی تھی، اس مدرسہ میں تعلیم کا وقت صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا، چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہی اوقات میں مدرسہ جایا کرتے تھے۔

مدرسۂ دار البقا: دلی کی جامع مسجد ہی عہد شاہ جہانی کی تنہا تعمیری یادگار نہیں بلکہ اس سلسلے میں رفاہ عام کی چند عمارتیں بھی یادگار زمانہ تھیں، جیسا کہ اسٹیفن نے لکھا ہے، مسجد کے شمالی رخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا، جہاں غرباء و مساکین کے لیے علاج کے تمام ساز و سامان مہیا کیے گئے تھے اور مفت علاج کیا جاتا تھا، مسجد کے جنوبی رخ پر شاہی مدرسہ تھا، جس کا نام دار البقا تھا، اس مدرسہ کا سالِ بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہ جہانی ہے، یہ مدرسہ گردش روزگار کے ہاتھوں ۱۸۵۷ھ کے غدر سے بہت پہلے ویران ہو گیا۔

بہادر شاہ کے عہد حکومت میں ایک نیا مدرسہ دلی میں قائم ہوا، جس کے بانی امیر غازی الدین خان فیروز جنگ تھے، امیر غازی الدین خان نواب آصف جاہ بانی خاندان حیدر آباد دکن کے والد بزرگوار اور اورنگ زیب عالم گیر کے ان محبوب و معتمد امراء میں تھے، جو دربار بہادر شاہی کے بھی معتمد رکن رہے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا اور مدرسہ کی عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، اس مدرسہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکستہ عمارت میں ابھی تک ایک خوبصورت دروازہ باقی ہے، جو ایسے مقام پر لے جاتا ہے، جس کی ظاہری حالت بتاتی ہے کہ وہ مدرسہ کا مطبخ تھا۔

نواب اعتماد الدولہ فضل علی خان لکھنؤ نے اس مدرسہ کے خرچ کے واسطے ایک لاکھ ستر ہزار روپے انگریزی کمپنی کو دیے تھے، چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر ان کے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا، جس کی عبارت یہ ہے:

کتبہ مقبرہ غازی الدین خان — نہ بر لوح نقشے بماند و لیک
خبر اے عمل ماند و نام نیک

"بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علی خان بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و وطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء"۔

محمد شاہ کے عہد حکومت میں نواب شرف الدولہ ارادت خان نے ایک مدرسہ اور اس کے ساتھ ایک مسجد بنوائی، اس مدرسہ کا سال بنا ۱۱۳۵ھ ہے، مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

در زمان شہ خورشید سریر — ظل حق ماہ زمین شاہ زمان
ناصر الدین محمد شاہ است — تیغ او کفر شکن در دوران
شرف الدولہ بنا فرمودہ است — مسجد و مدرسۂ عالی شان
ایں دو بیت الشرف علم و عمل — ہمچو سعدین فلک کردہ قران
سال تاریخ بنا گفت خرد — قبلۂ حج ارادت کیشان

مدرسہ شاہ عبدالرحیم: دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی کا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پدر بزرگوار اور فتاوی عالم گیری کے جامعین میں تھے، یہی مدرسہ تھا، جس کے آغوش میں شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی پتی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ اسماعیل، شاہ اسحاق، شاہ عبدالقادر وغیرہ علمائے کرام پل کر جوان ہوئے اور آخر باری باری سے اس کے مسند درس پر متمکن ہوئے، یہی وہ سرچشمۂ فیض ہے، جہاں سے حدیث نبویؐ کے برکات تمام گوشہ ہائے ہند میں پھیلے، اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار اب تک دلی میں باقی ہے۔

مدارس پنجاب: پنجاب کا اسلامی پایہ تخت لاہور تھا، اس شہر نے اسلامی عہد حکومت میں بہت کچھ ترقیاں کیں، پونے دوسو برس تک غزنویہ خاندان کے حکمرانوں کا تخت گاہ رہا، علماء وفضلاء کا مرجع و مرکز تھا لیکن افسوس ہے کہ تصریح کے ساتھ اس شہر میں متعدد مدارس کے نام نہیں ملتے، البتہ لاہور میں وزیر خان کی مسجد مدرسہ کا بھی کام دیتی تھی، اس کے نیچے اور گرد وپیش جودکانیں تھیں، ان سے بانی کا مقصد یہ تھا کہ ان کی آمدنی سے دو عالم مقرر کیے جائیں تا کہ سلسلۂ تعلیم بغیر کسی مالی دقت کے جاری رہے۔

اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں سیال کوٹ کی علمی شان وشکوہ کا پتہ چلتا ہے، اس شہر نے اس عہد میں علمی مرکزیت حاصل کر لی تھی، یہاں بڑے بڑے مشاہیر علماء تھے، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی جن سے ہمارے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے، ان کے صاحبزادے ملا عبداللہ اپنے والد ماجد کی جگہ پر اس شہر کے مدرسہ میں قائم مقام ہوئے۔

سیال کوٹ کی علمی مرکزیت کا نشان عہد اکبری کے بعد سے ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں علم وفضل کا چرچا بہت پہلے سے تھا۔

مدرسۂ درگاہ شیخ چلی: تھانیسر علاقہ پنجاب میں درگاہ شیخ چلی کے قریب ایک مدرسہ تھا، جو مدرسۂ شیخ چلی کے نام سے مشہور بھی تھا، مدرسہ کی عمارت ایک سو چوہتر فٹ مربع تھی، اس کے ہر طرف نو نو در اور جانب مشرق دروازہ مع سیڑھیوں کے بنا ہوا تھا، اس کے دروازے ہندوانہ وضع کے تھے، جب سکھوں نے زور پکڑا اور درگاہ شیخ چلی کو مندر بنایا، تو اس عمارت میں گرنتھ رکھا گیا، اب یہ عمارت شکستہ حال اور مرمت طلب ہے، اثریات ہند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کو ۱۰۶۵ھ میں داراشکوہ نے تعمیر کرایا تھا۔

مدرسہ نارنول: شیر شاہ نے ایک مدرسہ نارنول میں قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی، شیر شاہ کے دادا ابراہیم سور کی قبر یہیں واقع ہے، ایک کتبہ جو مدرسہ کی عمارت پر اب تک لگا ہوا ہے، اس سے تاریخ تعمیر ۹۶۷ ظاہر ہوتی ہے، مدرسہ ومقبرہ کے تعمیری مصارف ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھے، یہ مدرسہ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت سے پہلے دادا کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر بنوایا تھا۔

مدارس آگرہ: اس شہر نے اسلامی عہد حکومت میں مختلف حیثیتوں سے ایسی ترقیاں حاصل کیں، جو کسی دوسرے شہر کو نصیب نہیں ہوئیں، تعلیمی حیثیت سے ایک مدت تک فخر روزگار رہا، آگرہ میں متعدد مدارس قائم تھے، یہاں کی تعلیم گاہوں کے لیے علماء شیراز سے بلائے جاتے تھے، لالہ سیل چند جو غدر ۱۸۵۷ء کے پس وپیش زمانہ میں موجود تھے، اپنی کتاب تفریح العمارات میں لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ تک آگرہ میں ایک بہت بڑا مدرسہ موجود تھا، جس کی پروفیسری کے لیے شیراز سے ایک عالم بلائے گئے تھے۔

شیخ زین الدین خوافی نے جو نظم ونثر کے ماہر تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا تھا، جس کے مصارف کا تعلق بالکل ان کی ذات سے تھا، ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء میں جب چنار کے قریب ان کا انتقال ہوا، تو وہ اسی مدرسہ کے صحن میں دفن کیے گئے، جو ان کا قائم کیا ہوا تھا، آگرہ نے اکبری عہد حکومت میں جو عروج وترقی حاصل کی تھی، وہ جہاں گیر کے زمانہ تک باقی رہی، وہ خود اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ:

> ”آگرہ کی آبادی صناعوں اور طلبائے علوم سے بھری ہوئی ہے، ہر مذہب وملت کے علماء اس شہر میں آباد ہیں“۔

جام جہان کا مصنف لکھتا ہے کہ جہاں گیر نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندوں اور جانوروں کے مسکن بنے ہوئے تھے، طالب علموں اور استادوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھر دیا۔

ایک مدرسہ آگرہ کے مقابل جمنا کے کنارے قائم ہوا تھا، بانی اور سنہ بنا کی تفصیل نہیں ملتی۔

مدرسہ خس: مولانا علاء الدین لاری جنہوں نے شرح عقائد نسفی پر حواشی لکھے ہیں، آگرہ میں درس دیا کرتے تھے، جو مدرسہ انہوں نے قائم کیا تھا، وہ مدرسہ خس کے نام سے مشہور ہوا اور یہی اس کا تاریخی نام تھا، ملا بدایونی لکھتے ہیں:

"بآگرہ آمدہ اشتغال بدرس علوم نمود و مدرسہ از خس ساخت و مدرسہ خس تاریخ آن یافتند"۔

مدرسۂ بیانہ: منجملہ دیگر مدارس کے بیانہ کا ایک مدرسہ قابل ذکر ہے، جس کو مولوی قاضی رفیع الدین صاحب نے قاضیوں کی مسجد کے متصل قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت پر جو کتبہ ہے، اس سے مدرسہ کا سال بنا ۱۰۸۰ھ معلوم ہوتا ہے۔

مدارس فتح پور سیکری: اکبر نے فتح پور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، لالہ سیل چند اپنی کتاب تفریح العمارات میں لکھتے ہیں:

"اکبر نے اجمیر سے واپس آکر فتح پور سیکری کو اپنا دار السلطنت بنایا، یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں، جن میں مدرسہ و خانقاہ وغیرہ بھی داخل ہیں"۔

آئین اکبری میں لکھا ہے:

"بفرمان گیہان خداوند مسجدے و مدرسۂ و خانقاہ ہے، بر فراز آن کوہ انجام یافت جہاں دیدگان بدان نمط نشان کم دہند"۔

ان کے علاوہ فتح پور سیکری میں اور مدارس کے نام بھی مل سکتے ہیں، لیکن ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔

مدارس متھرا و نردار: سکندر لودی نہایت پابند شریعت اور علم دوست بادشاہ تھا، تاریخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داؤدی اور جام جہان سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا میں اس نے متعدد مدرسے قائم کیے، گوان مدارس کی تفصیلی حالت نہیں معلوم لیکن قاسم فرشتہ ان الفاظ میں ان کا مجمل تذکرہ کرتا ہے:

"در ہر جاہا کہ ہندوان غسل می کردند سرائے و مسجد و مدرسہ و بازار ساختہ موکلاں گماشتہ اند"۔

سکندر لودی نے جب ۹۱۴ھ میں علاقہ مالوہ کے قلعہ نزدار کی تسخیر کا ارادہ کیا اور پورے آٹھ مہینے کی مسلسل کوششوں کے بعد فتح یاب ہوا، تو چھ مہینہ تک وہاں اقامت گزیں ہوکر مساجد و مدارس کی بنا و تاسیس میں مشغول رہا، فرشتہ لکھتا ہے:

"وسلطان شش ماہ در پائے قلعہ نشستہ بتخانہا را برانداخت و مساجد بنا نمودہ مفتی و خطیب متعین فرمود و علماء و طلبہ را وظائف مقرر ساختہ دران جا متوطن گردانید"۔

مدارس بدایوں: قدیم زمانہ سے یہ شہر پٹھان امراء اور شاہزادوں کا مستقر رہا ہے، اس کی علمی و تعلیمی تاریخ دہلی و آگرہ کی طرح روشن ہے لیکن آج اس کی تاریخی تفصیلات مجہول ہیں، پھر بھی وہاں ہمیشہ علماء و فضلاء کی جمعیت اور طلبہ کا ہجوم اس کی گزشتہ عظمت کی ہلکی سی یادگار ہے، تاریخ شاہ عالم میں جس کو مسٹر فرنکلین نے شائع کیا ہے، لکھا ہے کہ:

"بدایوں کی قدیم عمارتوں کے ویران و منہدم حصے جو اب تک باقی ہیں، وہ دراصل باغوں، مسجدوں، خانقاہوں اور قدیم مدرسوں کے آثار باقیہ ہیں"۔ (ص ۵۷)

مدرسہ معزی: بدایوں کی جامع مسجد ۶۲۰ھ میں شمس الدین التمش کے عہد امارت میں بنی، اس کے عقب میں مدرسہ معزی تھا، یہ دونوں عمارتیں غالباً شمس الدین التمش ہی کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔

مدرسہ دارانگر: یہ امروہہ کے گردونواح میں ایک مشہور مقام ہے، یہاں نجیب الدولہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جہاں سے بے شمار طلبہ نے فیض تعلیم حاصل کیا، اس مدرسہ میں خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کے اکثر فارغ التحصیل اشخاص مدرسین میں داخل تھے۔

مدرسۂ رام پور: مولانا بحر العلوم کو نواب فیض اللہ خان نے رام پور بلایا اور مدرسہ عالیہ جواب تک قائم ہے، اس کا صدر مدرس مقرر کیا، مولانا وہاں پانچ برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے، ہندوستان کے دوسرے مشہور عالم ملا حسن بھی مدرسہ عالیہ رام پور میں عرصہ تک مدرس رہے، ان بزرگوں کے فیضِ برکت سے تعلیم و تعلم کی وہاں بڑی گرم بازاری رہی۔

مدارس شاہ جہاں پور و بریلی: اخیر زمانے میں روہیل کھنڈ پر حافظ الملک رحمت خان نے قبضہ کر لیا تھا اور اپنی نوابی کے زمانے میں انہوں نے روہیل کھنڈ کے مشہور شہروں کو رشک دہلی بنا دیا، مولانا بحر العلوم کو بہ اصرار و التجا شاہ جہاں پور بلایا اور ان کے لیے ایک خاص مدرسہ قائم کیا، جس میں مولانا ۲۰ برس تک مشغول درس و تدریس رہے۔

حافظ الملک رحمت خان کی علمی فیاضیاں جس قدر بڑھی ہوئی تھیں اور انہوں نے اپنے قلیل زمانے میں تعلیم کی جو کچھ اشاعت کی، مصنف گل رحمت کے اس بیان سے اس کی تصدیق ہوگی:

> ''باستماع خیر قدر شناسی و دین پروری حافظ الملک صدہا علمائے متبحر مثل مولانا عبد العلی لکھنوی وغیرہم در تمامی شہر ہائے کیٹھر (علاقہ روہیل کھنڈ کا قدیم نام ہے) مجتمع شدہ مواجب کثیرہ زیادہ از حاجت از سرکارے یافتند و در مدارس و مساجد کہ برائے ایشان از سرکار ترتیب یافتہ بود بفراغ خاطر بدرس و تدریس اشتغال می ورزیدند و در ہر مدرسہ کتب درسی و وظیفہ طلبہ از سرکار تعین مے یافت''۔

ایک ہندو مصنف کندن لال اشکی جو اسی زمانہ میں تھا، اپنی تصنیف نزہۃ الناظر کے خاتمہ میں لکھتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یاددارم کہ درایام تحصیل فقیر در بلدہ بریلی قریب سہ صد کس طالب العلم آشنائے فقیر بودند"۔

مدارس صوبہ اودھ والہ آباد: یہ صوبے نسبتاً اور صوبوں سے اس خاص وصف میں ممتاز تھے کہ یہاں دس دس پانچ پانچ میل پر شرفاء اور نجباء کے دیہات آباد تھے، جن میں اچھے اچھے علماء وفضلاء درس دیتے تھے اور دور دور سے طلبہ آکر تحصیل علوم کیا کرتے تھے، سلاطین کی طرف سے ان مدرسوں کے مصارف کے لیے دیہات معاف ہوتے تھے، مآثر الکرام میں مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہیں:

"اگرچہ جمیع صوبہ جات ہند بہ وجود حاملان علوم تفاخر دارند اما صوبہ اودھ والہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت چہ تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ باد بہ فاصلہ پنج کردہ نہایت دہ کردہ تخمیناً آبادی شرفاؤ نجباء است کہ از سلاطین و حکام وظائف وزمین مدد معاش داشتہ اند، ومساجد ومدارس وخانقاہات بنانہادہ اند ومدرسان عصر در ہر جا ابواب علم برروے دانش پژوہاں کشادہ صلائے اطلبو العلم دردادہ وطلبہ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے میروند ہر جا موافقت دست بہم داد بہ تحصیل مشغول مے شوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبہ علم را نگاہ میدارند و خدمت ایں جماعہ را سعادت عظمی می دانند"۔

یہ نظام ۱۱۳۰ھ یعنی عالمگیر کی وفات کے بعد ۱۲ سال تک قائم رہا، لیکن جب محمد شاہ کے عہد حکومت میں برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور صوبہ الہ آباد کے بہترین شہر مثلاً جونپور، بنارس، غازی پور، کڑا اور مانک پور وغیرہ بھی ان کی حکومت کے ساتھ ملحق ہوگئے، تو انہوں نے یہ تمام معافیاں ضبط کرلیں، اس لیے علماء و فضلاء کی اولاد کسب معاش کی ضرورت سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہ گری میں مصروف ہوگئی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرسے ویران ہو گئے اور علمی صحبتیں درہم برہم ہو گئیں، برہان الملک کی وفات کے بعد ان کے بھانجے ابوالمنصور خان صفدر جنگ اودھ کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور ان کے زمانے میں بھی یہ تمام معافیاں بدستور ضبط رہیں، محمد شاہ کے آخری زمانہ یعنی ۱۱۵۹ھ میں وہ الہ آباد کے بھی صوبہ دار ہوئے اور انہوں نے اس صوبے کے بچے کھچے وظائف بھی ضبط کر لیے، احمد شاہ کے زمانے میں صفدر جنگ کو وزارت ملی اور ان کے نائب نے وظیفہ داروں کو اور تنگ پکڑا اور اس طرح وہ تمام علمی بستیاں اُجڑ گئیں لیکن بایں ہمہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ کلیۃً منقطع نہیں ہوا، بالخصوص ان صوبوں میں معقولات کی تعلیم کو اور صوبوں سے زیادہ فروغ حاصل ہوا، چنانچہ مولوی غلام علی آزاد اس تفصیل کے بعد مآثر الکرام میں لکھتے ہیں:

> ''باوجود ایں خرابیہا رواج علم خصوص معقولات بہ کیفیتے کہ آنجاست در قلمرو ہندوستان ہیچ جا نیست ہنوز علماء فحول جلوہ طراز اند و بہ وصول اقصی مراتب کمال ممتاز''۔

مدرسہ سہالی: اودھ کے ان ہی مشہور قصبوں میں سہالی بھی داخل تھا، جو لکھنؤ سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، شیخ نظام الدین انصاری ایک مشہور عالم اس قصبہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور انہوں نے سلسلہ درس و تدریس قائم کیا، ان کے پرپوتے شیخ حافظ نے علم و فضل میں بڑی شہرت حاصل کی، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا، جب وقائع نگاروں کی اطلاع سے جس کا سلسلہ خصوصیت کے ساتھ تیموری عہد حکومت میں تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، اکبر تک اس کی خبر پہنچی تو شیخ حافظ کے لیے جاگیر مقرر ہوئی، شیخ موصوف بہ اطمینان تمام مشغلہ درس و تدریس میں مصروف رہے، ان کی درس گاہ میں طلبہ کی سکونت کا انتظام بھی تھا، مصارف کی کفالت بھی تمام تر شیخ موصوف کرتے تھے، جس کا ذریعہ وہی شاہی وظیفہ تھا، ملا قطب الدین شیخ حافظ کی نسل سے چوتھی پشت میں تھے، ملا قطب الدین کے والد لاہور کے کسی مدرسہ میں مدرس تھے، انہوں نے زیادہ تر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں سے بھی فراغت کے بعد سہالی ہی میں سلسلہ درس جاری کیا، عالم گیر نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انہوں نے اپنے زاویہ عزلت سے باہر نکلنا پسند نہ کیا، ملا صاحب نے ۱۱۰۳ھ میں شہادت پائی اور اس دن سے سہالی کی بزم علم فرنگی محل میں منتقل ہوگئی۔

فرنگی محل لکھنؤ: ملا قطب الدین شہید سہالوی کے نامور فرزند ملا نظام الدین کے فیض نے فرنگی محل کو ہندوستان کا دار العلم والعمل بنا دیا، یہ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کے تھے، شرح ملا جامی تک تعلیم ہوچکی تھی، بقیہ کتابیں ملا علی قلی جائسی، مولانا نقشبند گورکھپوری، مولانا عبدالسلام دیوی اور مولانا امان اللہ بنارسی سے پڑھیں۔

۲۴ برس کی عمر میں فراغت تعلیم کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور سہالی کا چراغ علم و فضل فرنگی محل میں روشن ہوا، فرنگی محل کا مکان سکونت شہنشاہ عالم گیر نے عطا کیا تھا، فرمان کے چند جملے یہ ہیں:

> ”فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ یک منزل حویلی فرنگی محل بامتعلقہ آں واقع بلدہ لکھنؤ مضاف بہ صوبہ اودھ کہ از امکنہ نزولی است برائے بودن شیخ محمد سعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم“۔

چونکہ ملا نظام الدین اس وقت صغیر السن تھے، اس لیے فرمان میں ان کا نام مذکور نہیں ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں یہ فخر صرف اسی خاندان کو حاصل ہے کہ تقریباً ڈھائی سو برس تک اس میں بلا فصل علماء و فضلاء پیدا ہوتے رہے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی محض علم و فن کی خدمت کے لیے وقف کردی اور ان کی درس گاہوں سے ہزار ہا علماء نکل کر ملک کے ہر گوشہ میں پھیل گئے اور الحمدللہ کہ یہ فیض اب تک جاری ہے۔

اس سلسلہ میں دیوا، جائس، گوپامئو اور خیرآباد وغیرہ قصبوں کے نام بھی لینا چاہئیں، جہاں اول الذکر میں مولانا عبدالسلام، ثانی الذکر میں ملا علی قلی، ثالث الذکر میں قاضی مبارک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رابع الذکر میں مولانا فضل حق وغیرہ مدتوں درس وتدریس میں مشغول رہے اور ان کے فیوض علمی بھی بہت کچھ عام تھے، ملا نظام الدین نے اول الذکر دو بزرگوں کے حلقہ درس میں شرکت کی تھی اور زانوئے تلمذتہ کیا تھا، بلگرام بھی ان قصبات میں مخصوص حیثیت رکھتا ہے، تعلیمی حیثیت سے یہ جگہ بھی مدتوں ممتاز رہی اور متعدد مشاہیر علماء وفضلاء اس کی خاک سے اٹھے۔

مدرسہ فتح گڑھ: یہ قصبات درحقیقت اپنے اپنے علماء کے فیض وجود سے بجائے خود کالج بلکہ یونیورسٹی تھے، اس سلسلہ میں فتح گڑھ کا مدرسہ بھی قابل ذکر ہے، جس کو حکیم مہدی وزیر نواب سعادت علی خان اور نواب غازی الدین نے اپنے عہد قیام میں جب لکھنؤ سے فتح گڑھ کچھ دنوں کے لیے آکر رہے تھے، قائم کیا تھا لیکن اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہیں معلوم، مسز فینی پارکس نے اپنے روزنامچہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

مدارس فرخ آباد: بہادر شاہ کے عہد حکومت میں فرخ آباد کے ایک مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، جس کا نام فخر المرابع تھا، بعض لوگ اسی نام کو ربع المفاخر کی صورت میں بدل کر قنوج کا بھی ایک مدرسہ بتاتے ہیں لیکن یہ اشتباہ اسمی ہے، ربع المفاخر یا فخر المرابع نام قنوج میں کسی مدرسہ کا تذکرہ کتب تاریخ میں نہیں ملتا، فخر المرابع فرخ آباد کا مدرسہ ہے، جس کے بانی مولوی ولی اللہ نامی ایک بزرگ تھے، مولوی علیم الدین اور مولوی فہیم الدین نے اسی درس گاہ میں تعلیم پائی تھی، حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے فرخ آباد (مگر صحیح غالباً فیض آباد) میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس مولانا عبدالواحد خان خیر آبادی تھے، یہ زمانہ شاہ عالم کے عہد حکومت کا تھا۔

مدارس جونپور: اسلامی عہد حکومت میں جونپور کی تعلیمی وعلمی اہمیت اس درجہ ممتاز تھی کہ اس کو شیراز ہند کا لقب دیا گیا، شاہ جہاں فخریہ کہا کرتا تھا کہ:

پورب شیراز مملکت ماست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خاص جونپور کو اس نے شیراز ہند کا خطاب دیا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیر شاہ نے اسی علمی سرزمین کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، ۸۴۵ھ میں بی بی راجہ بیگم نے جونپور میں ایک مدرسہ قائم کیا، جو مدرسہ بی بی راجہ بیگم کے نام سے موسوم ہوا۔

جب ۹۰۲ھ میں سلطان سکندر لودی نے جونپور کو فتح کیا تو حسین شاہ شرقی کی اس شکست پر سلاطین شرقیہ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا لیکن جونپور کی بزم علمی اب بھی قائم رہی، اب جونپور کا انتظامی تعلق براہ راست حکومت دلی سے ہو گیا اور شاہ جہاں نے حکام جونپور کو عام طور پر حکم دے دیا کہ وہاں کے علماء وطلبہ کو ہمیشہ وظائف دیے جایا کریں اور واقعہ نگار ہر مدرسہ کے حالات لکھیں، جب شاہ جہاں کو کسی نئے مدرسہ کے قیام اور استحقاق اعانت کی خبر ملتی تھی تو فوراً اس کے لیے وظائف مقرر کرتا تھا، جب ملک کے امراء، شاہزادے اور حکام جونپور سے گزرتے تھے، تو ان مدرسوں کے دیکھنے کے لیے لازمی طور پر قیام کرتے تھے اور جیب خاص سے بیش از بیش عطیے دیتے تھے، تا کہ اس طرح شاہان دہلی کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

تقریباً ۱۱۴۷ھ میں نواب سعادت خان نیشا پوری جب اودھ، جونپور اور بنارس کے صوبہ دار مقرر ہوئے، تو حسب دستور اس عظیم الشان شہر کی بھی زیارت کی لیکن اس بنا پر کہ علماء ان سے ملنے کے لیے نہیں آئے، خفا ہو کر چلے گئے اور حکم دیے گئے کہ ان کی جاگیریں ضبط کر لی جائیں، اس حکم کی تعمیل ہونا تھی کہ دفعتاً جونپور کی تمام علمی و تعلیمی سرگرمیوں پر اوس پڑ گئی، طلبہ اور علماء وہاں سے چلے گئے اور تمام آباد مدرسے ویران ہو گئے، ۱۱۸۷ھ میں آصف الدولہ نے ان کی جاگیروں کی واپسی کا حکم دیا لیکن ایلچ خان نے مخالفت کی، اسی زمانے میں جونپور انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا، ۱۱۸۸ھ میں جب ڈنکن نے اس شہر کو دیکھا تو اس کی بربادی پر افسوس کیا، اس زمانہ کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات میں اس کی گزشتہ عظمت کے غیر فانی نقوش باقی ہیں، مرقوم ہے کہ:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جونپور جو مسلمانوں کے علوم وفنون کا مرکز اور علماء کا مرجع تھا، جس کو شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا، جہاں بہت سے مدارس قائم تھے اور جس کی اب گزشتہ عظمت کی داستان ہی داستان باقی رہ گئی ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا یا ازمنۂ وسطیٰ کا پیرس، جونپور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم وحکمت کا مربی ہے، علماء وحکماء اس شاہی دارالحکومت کی پرامن سرزمین میں ہر طرح کی علمی ترقی کے لیے ہمہ تن کوشاں رہتے تھے، محمد شاہ کے زمانے تک ساٹھ مشہور مدرسے جونپور میں موجود تھے، جن کے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے ایک کا بانی پندرہویں صدی کے وسط میں مرا اور ایک اور کا بانی سترہویں صدی کے وسط میں''۔

اٹالہ کی مسجد: جونپور کی یہ مشہور ومعروف مسجد دراصل ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی کا مدرسہ ہے، جس میں ایک مدت تک اس فخر روزگار ہستی کی بدولت بزم تعلیم گرم رہی، اس کے گردو پیش جو وسیع سلسلہ حجروں کا ہے، اس کو علماء وطلبہ کی اقامت گاہ سمجھنا چاہیے۔

مدرسہ مولانا امان اللہ بنارس: بنارس میں مولانا امان اللہ بنارسی کی بہت مشہور درس گاہ تھی، جہاں سے ملا نظام الدین نے بھی فیض حاصل کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کی حیثیت کیا تھی؟ اگر کوئی خاص مدرسہ تھا تو اس کے متعلق تفصیلی معلومات بہم نہ پہنچ سکیں۔(۱)

ان مدارس کے علاوہ ابتدائی تعلیم کے لیے مکتبوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم تھا اور اس سے مسلمانوں کا کوئی شہر بلکہ کوئی محلّہ خالی نہ تھا، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:

''ومحاذی مکتب خانہ کہ در بلاد اسلام مے باشد در ہمہ محلات احمد نگر درزش خانہ شمشیر بازی ساختہ''۔(۲)

---

(۱) منقول از معارف، ج۴، نمبر۲و۳ بابت ماہ ذی قعدہ وذی الحجہ ۳۷ھ بہ حذف وتغیر واضافہ۔ (۲) فرشتہ، ج۲، ص۱۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ہندوستان میں اسلامی مدارس و مکاتب کی یہ نہایت نامکمل تاریخ ہے اور ان کے علاوہ ہندوستان میں اور بھی سینکڑوں اور ہزاروں مدارس و مکاتب قائم تھے، جن کا تفصیلی ذکر تاریخوں میں موجود نہیں، البتہ مورخین کے اجمالی اشارات سے ان کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، مثلاً ہر شخص نے فارسی تاریخوں میں سلاطین اسلام کے اعمال زندگی میں عموماً یہ الفاظ پڑھے ہوں گے:

''در عہد حکومت خود تالا بہا و چاہ ہا و پلہا بستند و در ہر طرف دیگر عمارات و بقاع خیر نیز بنا نہادند''۔

ایسی عبارتوں میں عموماً عمارات و بقاع خیر سے مدرسے، مکتب، مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں، مدارس و مکاتب کے علاوہ اس زمانہ کی تمام مسجدیں بھی مدارس کا کام دیتی تھیں، دلی، آگرہ، لاہور، جونپور، بیجاپور، احمد آباد اور گجرات وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتوں میں جو عظیم الشان مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں اور جواب تک باقی ہیں، ان کی ہیئت کذائی صاف بتاتی ہے کہ ان کا بڑا حصہ تعلیم گاہوں کے کام میں آتا تھا، ان مسجدوں میں اب تک صحن کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے حجروں کا جو وسیع سلسلہ نظر آتا ہے، یہ درحقیقت طلبہ اور مدرسین کے رہنے کے مقامات تھے اور ان میں سے اب تک بعض اسی کام میں ہیں۔

مساجد کی طرح قدیم خانقاہیں بھی عموماً تعلیم گاہوں کے فرائض ادا کرتی تھیں اور ہر خانقاہ میں تشنہ لبان تصوف و علوم باطن کی طرح طالبین علوم ظاہر کی جماعت کثیر بھی پائی جاتی تھی، خانقاہوں کے لیے حکومت کی طرف سے جو عطیے یا شخصی اوقاف ہوتے تھے، ان کا بڑا حصہ طلبہ پر صرف ہوتا تھا، اس بنا پر قدیم خانقاہوں کو بھی مدارس و مکاتب کے سلسلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

سلاطین اور بزرگان کرام کی قبروں پر جو مقبرے اور روضے تعمیر ہوتے تھے، ان کے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اس غرض سے تعمیر کیے جاتے تھے کہ وہ مدرسوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کام میں آئیں، چنانچہ اس وقت بھی جو قدیم مقبرے دلی، آگرہ، احمد آباد اور بیجاپور وغیرہ میں قائم ہیں، ان کی ہیئت خود ان کی تاریخ کو بتا رہی ہے۔

مدارس و مکاتب سے زیادہ طریقۂ تعلیم اور نصاب تعلیم کی تاریخ تاریکی میں ہے، البتہ تفحص و جستجو سے جو باتیں معلوم ہو سکیں ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ہندوستان کے نصاب درس میں اگرچہ ہمیشہ تغیرات و انقلابات ہوتے رہے، تاہم چند کتابیں ان تغیرات سے محفوظ رہیں اور وہ اب تک عربی و فارسی کے نصاب میں داخل ہیں، چنانچہ خافی خان شیر خان کے حال میں لکھتا ہے:

"در جونپور بہ تحصیل علوم و کسب کمالات می گزرانید تا آنکہ کتاب کافیہ را با حواشی و دیگر مختصرات خواند و از کتب سواد گلستان و بوستان و سکندر نامہ وغیر آن نیز استحضار کرفت"۔(۱)

مرأت احمدی میں عالم گیر کے حال میں ہے:

"حکم مقدس و معلیٰ در جمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نمایند و طلبہ علم از میزان تا کشاف خوان با ستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بمہر مدرسان وجہ علوفہ از تحویل خزانچی آن صوبہ میدادہ باشند"۔(۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کشاف نصاب درس میں داخل تھی لیکن اب اس کی جگہ دوسری تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں، البتہ میزان اب تک داخل نصاب ہے۔

فیروز شاہ بہمنی جو بہت بڑا ریاضی دان تھا، ہفتے میں چند روز حسب ذیل کتابوں کا درس دیا کرتا تھا۔(۳)

زاہدی، شرح تذکرہ، شرح مقاصد، تحریر اقلیدس، مطول لیکن مطول کے سوا آج

---

(۱) خافی خان، ج۱، ص ۳۵۷۔ (۲) مرأت احمدی، ج۱، ص ۲۷۲۔ (۳) فرشتہ، ج۱، ص ۳۰۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام کتابیں خارج از درس ہیں۔

اس کے بعد ان تغیرات کی تفصیلی تاریخ تو معلوم نہیں ہے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ خاندان فرنگی محل نے نصاب درس میں بہت زیادہ تبدیلیاں پیدا کیں، مثلاً اس خاندان سے پہلے ہر فن میں متعدد اور کثرت سے کتابیں داخل درس تھیں، ملا قطب الدین شہید نے یہ طریقہ قائم کیا کہ ہر فن کی صرف ایک مختصر اور جامع کتاب مقرر کی، ملا نظام الدین نے ایک ایک کتاب کا اور اضافہ کیا، یعنی ہر فن کی دو دو کتابیں لیں، اس طرح ایک بڑا طومار کم ہو گیا اور حاشیہ قدیمہ و جدیدہ وغیرہ جن کو ملا فتح اللہ نے ہندوستان میں رواج دیا تھا، سب نصاب درس سے خارج ہو گئے۔

ہندوستان میں علم وفن کا رواج گو چھ سو برس سے ہے لیکن زیادہ تر منقولات کا رواج تھا، سب سے پہلے مولانا عبد اللہ تلبنی المتوفی ۹۲۲ھ نے معقولات کی ترویج و اشاعت کی، اس کے بعد دور اکبری میں کچھ تو اکبر کے مذہبی خیالات اور کچھ ملا فتح اللہ شیرازی کی وجہ سے معقولات کا زیادہ رواج ہوا، ان کے بعد مولانا قطب الدین شہید اور ان کے خاندان نے معقولات کو بہت زیادہ ترقی دی، یہی وجہ ہے کہ صوبہ اودھ والہ آباد میں منطق وفلسفہ کو زیادہ فروغ حاصل ہوا، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علماء میں وہ سختی کم ہو گئی، جو فقہاء میں عموماً ہوتی ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں: ہندوستان میں فرماں روایانِ اسلام نے جو بڑے بڑے مدارس قائم کیے، وہ زیادہ تر مذہبی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کے لیے مخصوص تھے، البتہ مکاتب میں معمولی نوشت وخواند اور فارسی زبان کی ابتدائی تعلیم ہوتی تھی، اس لیے ہندو بھی ان میں تعلیم حاصل کر سکتے تھے اور قیاس یہ ہے کہ سکندر لودی کے زمانے میں جب ہندوؤں نے فارسی زبان کی تعلیم شروع کی تو ان ہی مکاتب سے فائدہ اٹھایا ہوگا، بہر حال جہاں تک ہم کو معلوم ہے، مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعلیم وتربیت کے لیے کوئی مستقل انتظام نہیں کیا لیکن مختلف طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی کی، جس کی تفصیل آگے آئے گی اور ہندوؤں نے اپنے خاص علوم وفنون کی تعلیم کے لیے صوبہ ٹھٹھ، ملتان، بالخصوص بنارس میں جو مدارس قائم کیے تھے، وہ بدستور قائم رہے، بلکہ خود مسلمانوں کو ان درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے سے بھی نہیں روکا، البتہ عالم گیر نے اپنے عہد حکومت میں ان مدارس کو بالکل توڑ دیا، مآثر عالم گیری میں ہے:

”بہ عرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھ وملتان، خصوص بنارس برہمنان بطالت نشان، در مدارس مقرر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند وراغبان و طالبان از ہنود و مسلمانان مسافتہاے بعیدہ طے نمودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آن جماعت گمراہ مے آیند، احکام اسلام نظام بہ ظمان کل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دینان دستخوش انہدام سازندہ وبہ تاکید اکید طور درس وتدریس ورسم شیوع مذہب کفرانیان برانداز ند“۔ (ص ۸۱)

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے تمام صوبوں میں ہندوؤں کے مدارس قائم تھے اور ان میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی تعلیم حاصل کرتے تھے لیکن بایں ہمہ عالم گیر کے زمانے تک ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا تھا لیکن اس کو مذہبی تعصب پر مبنی کرنا صحیح نہ ہوگا، بلکہ وہ اورنگ زیب کی تعلیمی پالیسی کا نتیجہ تھا، جس طرح انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور حکومت میں مسلمانوں کے عربی مدارس توڑ دیے اور ان کے اوقاف ضبط کر لیے، جس کی پوری تفصیل مسٹر ہٹلر کی کتاب میں موجود ہے لیکن ہندوؤں کی دینی تعلیم کے نظام سے کوئی تعرض نہیں کیا، خافی خان لکھتا ہے:

”جس زمانے میں، میں بندر سورت میں مقیم تھا، بانہا نامی ایک برہمن طبیب نے مجھ سے بیان کیا کہ ہماری قوم میں یہ قاعدہ ہے کہ جب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب برہمن، طب، نجوم اور شاستر کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بنارس جاتے ہیں، تو وہاں کے ایک برہمن کو اپنا استاد بنا لیتے ہیں اور ان سے پڑھتے ہیں اور اپنے استاد کی طرف سے صبح و شام گنگا کے کنارے جا کر مقررہ قاعدہ کے مطابق ان لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، جو غسل کے لیے آتے ہیں اور اس خدمت کے صلہ میں جو کچھ ملتا ہے، نہایت ایمان داری کے ساتھ اپنے استاد کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، شاگردوں کی خوراک اور پوشاک کی ذمہ داری استاد پر ہوتی ہے اور وہ بہ قدر ضرورت ان کو لازمی طور پر دیتے ہیں، میں نے بنارس میں جا کر تین چار سال تک ایک برہمن کی خدمت کی اور دوسروں کی طرح دریا کے کنارے جو کچھ ملتا رہا، اس کو استاد کی خدمت میں پیش کرتا رہا اور وہ نہایت خیر رسی کے ساتھ میری کفالت کرتا رہا، ایک روز صبح کے اندھیرے میں حسب دستور روزانہ میں دریا کے کنارے گیا، تو ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر مٹھی بھر جواہر، اشرفی اور ہون میرے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ مٹھی مت کھولو اور مجھ کو جلد لوازم غسل سے فارغ کر دو، میں اس خوش نصیبی سے جامے میں پھولا نہ سمایا اور سرسری نظر سے دیکھا، تو جواہر اور اشرفی کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور جلد جلد اس کی داڑھی مونڈنے اور غسل دینے لگا، ابھی میں اس کی خدمت سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ سیوا کی دار و گیر کا شور ہوا اور گزر بردار پہنچ گئے، میں چونکا تو وہ شخص فوراً غائب ہو گیا اور میں سمجھا کہ میں جس شخص کی خدمت کر رہا تھا، وہی سیوا تھا، پھر میں نے اس نقد کی مقدار و تعداد پر نظر ڈالی تو جواہر، اشرفی اور ہون شمار میں نہ آئے اور میں نے بہ مقتضائے مصلحت پھر استاد کی صورت نہیں دیکھی اور اپنے وطن بندر سورت کی راہ اختیار کی، یہ حویلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو میری خاص ملک ہے، اسی روپیے سے بنی ہے"۔(۱)

یہ نظام تعلیم صرف طب و نجوم تک محدود نہ تھا، بلکہ اس طریقہ سے شاستر کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم دوسری قوموں کو اس قدر ملیچھ اور ناپاک خیال کرتی تھی کہ اس وقت یہ کسی کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کسی زمانے میں ہندو قوم بھی اس قدر رواداری اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی، اس کی زبان سیکھے گی، اس کے علوم وفنون پڑھے گی، اس کے تمدن و معاشرت کو اختیار کرے گی اور اس کے ساتھ شاگردی اور استادی کا رشتہ قائم کرے گی لیکن سو دو سو برس ہی کے اندر ان خیالات میں بڑا تغیر پیدا ہو گیا اور فارسی زبان کی تعلیم نے جو سکندر لودی کے زمانے سے ہندوؤں میں پھیلی، ہندوؤں کے اخلاق و معاشرت میں وہی تبدیلی پیدا کی جو انگریزوں کے زمانے میں انگریزی زبان نے پیدا کر دی تھی، یہ تبدیلی فارسی زبان کی اس تعلیم کا اثر تھی، جو ہندو اور مسلمان مکتبوں میں پہلو بہ پہلو بیٹھ کر مسلمان استادوں سے حاصل کرتے تھے، اس غیر متعصّبانہ طریقہ سے پہلے ہندوؤں نے فارسی زبان کی تحصیل و تکمیل کی اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے رسم و رواج اور وضع ولباس کی تقلید کی، جس طرح انگریزی دور کے زمانے میں لوگوں نے پہلے انگریزی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد انگریزی وضع ولباس اختیار کیا، بہرحال فارسی زبان کی تعلیم نے ہندوؤں میں بے تعصبی پیدا کی اور یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا زینہ ہے۔

اگر مسلمانوں کا درمیانی دور جس نے سو دو سو برس کے اندر اندر ہندوؤں کو اپنی قدیم تنگ خیالی کے بدلنے پر مجبور کیا اور ان میں دوسری قوموں کے علوم وفنون کے سیکھنے کا شوق پیدا کیا، ہندوستان میں قائم نہ ہوا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ انگریزوں کی حکومت کے

(۱) خافی خان، ج ۲، ص ۲۱۹-۲۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اول یوم سے وہ انگریزی تعلیم کا آغاز کر دیتے اور ساٹھ ستر برس کے اندر اندر تمام ہندوستان میں ایک غیر قومی زبان کی تحصیل کے لیے اسکول اور کالج کھل جاتے، ان کو سو دو سو برس تو صرف اپنے تعصب مذہبی کے مٹانے میں صرف ہوتے اور اس اثنا میں مسلمان کہیں سے کہیں جا نکلتے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا دوسرا تعلیمی احسان یہ ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندو دھرم کے مطابق، تعلیم ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقہ تک محدود تھی اور یہ حکم تھا کہ اگر وید کا کوئی فقرہ کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اس میں سیسہ پلا دیا جائے، ممکن ہے کہ یہ سخت حکم مذہبی تعلیم تک محدود ہو، تاہم اس کا اثر عام تعلیم پر بھی پڑا اور برہمنوں کے علاوہ ہندوؤں کے دوسرے طبقوں میں یا تو تعلیم کا مطلق رواج ہی نہیں ہوا اور اگر ہوا تو بہت کم ہوا لیکن مسلمانوں نے ہندوستان میں آ کر تعلیم کو ہندوؤں کے ہر طبقہ تک عام کر دیا اور برہمنوں سے لے کر کھتری، کایستھ، بنیے اور ان سے بھی نیچے درجوں تک علم اتر آیا، آج ہندوستان میں برہمنوں سے زیادہ نہیں تو برہمنوں کے برابر غیر برہمن ہندو بھی تعلیم سے بہرہ اندوز ہیں اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی یہی حال تھا کہ برہمنوں سے زیادہ کایستھ اور کھتری تعلیم یافتہ تھے۔

مسلمان فرماں روایان ہندوستان میں صرف اکبر کی نسبت تاریخوں میں مذکور ہے کہ اس نے رذیل قوموں کو تعلیم سے روک دیا تھا لیکن تاریخوں میں اس کی کوئی وجہ مذکور نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس کی کوئی سیاسی وجہ موجود ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے قدیم ہندو نظام تعلیم کا دوبارہ احیاء کیا ہو جس کے رو سے شودر لوگ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے، بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو لیکن اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانے سے پہلے رذیل قومیں بلا روک ٹوک تعلیم حاصل کرتی تھیں اور اکبر کے بعد بھی اور سلاطین نے اس کے اس تعلیمی اصول کو قائم نہیں رکھا، اس لیے جہاں گیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی وہ تعلیم حاصل کرتی رہیں، ہندوؤں پر مسلمانوں کا تیسرا تعلیمی احسان یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان کے تعلیمی علوم وفنون میں وسعت پیدا کی، مسلمانوں کے عہد سے پہلے ہندوستان میں جن علوم کی تعلیم رائج تھی، ان کی فہرست نہایت مختصر تھی، نصاب تاریخ سے یہاں کے مدارس ہمیشہ خالی رہے، جغرافیہ کا وجود یہاں برائے نام تھا، فلسفہ، حکمت، اقلیدس، ہیئت، طب، شاعری اور موسیقی وغیرہ علوم ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے لیکن ان کی تعلیم اولاً تو مخصوص لوگوں کو دی جاتی تھی، دوسرے یہ کہ ان علوم کے متعلق دنیا کی دوسری قوموں کی جو تحقیقات تھی، اس سے ہندو بالکل ناواقف تھے، مسلمان علماء نے ان کے نصاب تعلیم کی یہ کمی پوری کی۔

مسلمانوں میں ہندوستان کا سب سے پہلا علمی فاتح بیرونی ہے، وہ سلطان محمود کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور ہندوؤں کو بہت سی نئی باتیں سکھائیں، چنانچہ خود کتاب الہند کے پہلے باب میں لکھتا ہے:

> ''اجنبی ہونے کے سبب سے مجھ کو ہندو علمائے ہیئت کی پہلے شاگردی اختیار کرنی پڑی لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد جب میری زبان دانی کی واقفیت بڑھ گئی تو میری حیثیت استاد کی ہوگئی، چونکہ ہیئت وریاضیات میں مجھ کو کامل مہارت حاصل تھی، میں خود ان کو تعلیم دینے لگا، پنڈتوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، تعجب سے پوچھتے تھے کہ تم نے یہ باتیں کس پنڈت سے سیکھی ہیں، ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ کسی دوسری قوم کا آدمی بھی علوم وفنون میں ان کا ہمسر ہوسکتا ہے، وہ مجھ کو جادوگر سمجھتے تھے اور ''بحر العلوم'' کہتے تھے''۔

ہندو پنڈتوں کی واقفیت کے لیے اس نے عربی زبان سے حسب ذیل کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کیں رسالہ اصطرلاب، مجسطی، اقلیدس کے مقالے، اس کے علاوہ ہندو ہیئت دانوں نے اس سے ہیئت کے متعلق سوالات کیے اور ۱۲۰ صفحوں میں اس نے ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جوابات لکھے، ایک رسالہ اس کا اس بحث پر ہے کہ اعداد کے مدارج جو عربی زبان میں ہیں، وہ باعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر ہیں، مسلمانوں کی فتوحات نے ہندوستان میں جب وسعت حاصل کی تو ہندو پنڈتوں کو ان کے اندرونی حالات کے دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بھوجر برہمن نام بنارس کا ایک باشندہ قاضی رکن الدین کی خدمت میں پہنچا اور ان سے مسلمانوں کے علوم کی تکمیل کی، قاضی صاحب نے بھوجر سے سنسکرت سیکھی اور اس کی مدد سے ایرت کنڈ (حوض آب حیات) نام ایک کتاب کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ میں تخت کشمیر پر جلوہ آرا ہوا تھا اور جس کے آثار سلطنت پر شہنشاہ اکبر نے اپنی حکومت کی بنیادیں کھڑی کیں، اس نے ہندوؤں کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے ہندی میں کرائے، نصاب تعلیم میں سب سے پہلے اکبر کے زمانے میں وسعت پیدا ہوئی۔

ہندوؤں کی تعلیم: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہندوؤں کی تعلیم سلاطین دہلی کے زمانہ سے شروع ہوگئی تھی اور ہر دور میں ان میں ایسے صاحب علم وکمال پیدا ہوتے رہے، جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہوئے لیکن ان کی تعلیمی ترقی کا اصلی دور تیموریوں کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے، انہوں نے تعلیم کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے عربی مدارس کے مروجہ مذہبی نصاب کے علاوہ ایک مشترک نصاب بھی بنایا جس کو ہندو مسلمان دونوں پڑھ سکیں، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں حسب ذیل فنون تھے، جن کو کسی مذہب سے کوئی علاقہ نہیں۔

اخلاق، ریاضیات، حساب، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد، مال، آئین سلطنت، طب، طبیعات، الٰہیات اور تاریخ، ہندوؤں کو ان کے علاوہ سنسکرت، صرف ونحو، ہندو تصوف واخلاق اور ہندو فلسفہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس تعلیم کے بدولت تمام سلطنت آراستہ ہوگئی۔(۱)

---

(۱) آئین اکبری۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارسی زبان وادب کا عام نصاب یہ تھا، جس میں وقتاً فوقتاً جزوی تبدیلی بھی ہوتی رہی، کریما، ماقیمان، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، بہار دانش، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، شاہنامہ، انشائے خلیفہ، بعد کے زمانہ میں اس میں وقائع نعمت خان عالی، سہ نثر ظہوری، رقعات عالمگیر، پنج رقعات اور انشائے مادھورام بھی درس میں داخل ہوتی رہیں۔

یہ اعلیٰ مشترک تعلیم کا نصاب تھا، ابتدائی مکتبی تعلیم کا پرانا نظام بدستور قائم رہا، جس میں پنڈت اپنے پاٹھ شالوں میں اور مسلمان ملا اپنے مکتبوں میں بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے، جن سے ہندو مسلمان طلبہ دونوں پڑھتے تھے، چنانچہ بہت سے ہندو مکتبوں اور مسلمان اساتذہ کے فیض یافتہ تھے، مسلمان فضلاء کے اساتذہ میں بھی ہندوؤں کے نام ملتے ہیں، ان کا ذکر تاریخوں میں بہ کثرت ملتا ہے، اس لیے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں، آج بھی ہندو مسلمانوں کی پرانی نسلیں اس کی شاہد ہیں۔

اس کے علاوہ تیموریوں نے مختلف طریقوں سے ہندوؤں کی تعلیمی ہمت افزائی کی وہ اپنے درباروں میں مسلمان فضلاء کے پہلو بہ پہلو ہندو فضلاء اور اصحاب کمال کو بھی جگہ دیتے تھے، اکبری دربار میں حسب ذیل فضلاء کے نام ملتے ہیں۔

مہادیو، بھیم ناتھ نارائن، شیوجی، مادھو، رام چندر، سری بھٹ، مادھوسرستی جدروپ، بشن ناتھ، مدسودن، رام کشن، نارائن اسرم، بلبھدر مصر، ہرجی سور، باسدیو مصر، دامودر بھٹ، باہن بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گوری ناتھ، برم اندر، گوپی ناتھ، بجے سین سور، کشن پنڈت، نہال چند، بھٹاچارج، کاشی ناتھ، دیوی برہمن، دیوی برہمن نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

اکبری دور کے مصوروں میں مسلمانوں کے علاوہ حسب ذیل ہندو تھے، دسونت کہار دساون، کیشو لال، مکنہ، مادھو، جگن، مہیش، کھیم کرن، تارا، سانولا، ہربنس رام، اس کی تفصیل آئین اکبری میں موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں گیر نے بھی ہندو ارباب کمال کی قدردانی میں کمی نہیں کی، اس کے زمانہ میں جدروپ گوشائیں ایک مشہور پنڈت تھا، جہاں گیر خود اس کی ملاقات کو جاتا تھا اور گھنٹوں اس کے پاس بیٹھتا تھا، رائے منوہر لال ولد لون کرن، جہاں گیر کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پاکر جوان ہوا، فارسی شاعری اور خوشخطی میں خاص سلیقہ رکھتا تھا (۱)، اس کے دربار کا مشہور نقاش بشن داس تھا، جس کو اس نے ایران بھیجا تھا۔ (۲)

داراشکوہ خود ہندوؤں کے علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا، اس کا دربار ہندو فضلاء سے بھرا ہوا تھا، اس کے دربار کا نامور شاعر جس کو ملک الشعراء کہنا چاہیے چندر بھان برہمن تھا، اس کا فارسی دیوان اب تک موجود ہے۔

تیموریوں کی اس قدر افزائی کی وجہ سے ان کے زمانہ میں ہندوؤں نے تعلیم میں بڑی ترقی کی، بیشتر ہندو شرفاء فارسی زبان و ادب، خوشخطی و خطاطی اور دوسرے مروجہ فنون میں پورا درک رکھتے تھے، خصوصاً لاہور، دلی، آگرہ صوبہ متحدہ آگرہ، اودھ اور بہار کے ہندو تعلیم میں بہت ممتاز تھے، یہاں کے ہندوؤں میں ہر علم و فن کے بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوئے، جن کے نام تاریخوں میں محفوظ ہیں، ان میں بہت سے مصنف اور صاحب قلم بھی تھے، جنہوں نے مختلف علوم پر کتابیں لکھیں، ان کی تصانیف آج بھی موجود ہیں اور اپنے موضوع پر سند کا حکم رکھتی ہیں اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے، ان سب کتابوں کی فہرست نقل کرنا دشوار ہے، نمونے کے طور پر صرف اہم فنون کی کچھ کتابوں اور ان کے مصنّفین کے نام لکھے جاتے ہیں:

مورخین، لب التواریخ بندرابن داس، خلاصۃ التواریخ سجان رائے بٹالوی، فتوحات عالم گیری ایشر داس ناگر، تاریخ دلکشا، بھیم سین کایستھ، تاریخ کشمیر، نرائن کول عاجز، گلشن بہ اسرار تیہ نرائن کھتری، تحفۃ الہند رام لال، تاریخ محمد شاہی، خوشحال چند کایستھ، چہار گلشن، رائے چترمن کایستھ، تاریخ فیض بخش، منشی شیو پرشاد، تاریخ شاہ عالم، منا لال، چہار گلزار،

(۱) تذکرہ خوش نویسان و تزک جہاں گیری۔ (۲) ایضاً ص ۲۸۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شجاعی ہر چرن داس کایستھ، تاریخ جگل کشور، جگل کشور، صحیح الاخبار، سروپ چند کھتری، زبدۃ الاخبار، امر سنگھ خوش دل، حالات مرہٹہ رگھوناتھ، خلاصۃ التواریخ، کلیان سنگھ، مخزن الفتوح، بھگوان داس، مرأت دولت عباسیہ، بھاول پور دولت رائے، خلاصۃ التواریخ مہاراجہ کلیان سنگھ، منتخب التواریخ، سداسکھ، اشرف التواریخ کشن دیال، احوال شہر اکبر آباد مانک چند، احوال عمارات مستقر الخلافہ سیل چند، تواریخ جمون وصاحب نامہ گنیش داس قانون گو، سلطان التواریخ رتن ناتھ زخمی، کشمیر نامہ بھان سنگھ۔

تذکرہ نویس: سفینۂ خوشگو درگا داس عشرت، گل رعنا، شام غریبان اور چمنستان شعراء لچھمی نرائن شفیق، عیار الشعراء خوب چند ذکا سفینہ ہندی و تذکرہ حدیقہ ہندی بھگوان داس، تذکرۃ الامراء منشی کیول رام، انیس العارفین رتن ناتھ زخمی۔

انشاء: انشائے ہر کرن، ہر کرن ولد متھرا داس کنبوہ، منشات برہمن چندر بھان برہمن، انشائے مادھورام، نگار نامہ منشی لعل چند، ہفت انجمن اودھے راج رستم خانی، طرز الانشاء اندر جیت محقر، دقائق الانشاء رنجھو داس، رقعات مخلص آنند رام مخلص، طلسمات خیال نول کشور نزاکت، خلاصۃ الانشاء لچھمن رام دہلوی، منشات منشی، منشی گنیش داس، شمع شبستان درگا پرشاد عاشق، تضمین گلستان ہر گوپال تفتہ، انشائے دل پسند سنیل داس سیٹھی، منشات مہنگو لال، مفید الانشاء پنڈت لچھمی نرائن، انشائے فیض پیرا منشی ہر سہائے قانون گو، منشات امر لال، منشات کالی رائے تمیز، رقعات فیض آگین و گنجینۂ خیال منشی خیالی رام، نادر الانشاء کشن جی پنڈت، دستور الصبیان و دستور المکتوبات نوندہ رائے، انشائے دولت رائے، منشات ہیرا لال۔

لغت: مراۃ الاصلاح آنند رام مخلص، مصطلحات دارستہ سیال کوٹی مل دارستہ، بہار عجم ٹیک چند بہار، گنج اللغات گردھاری لال، غنچۂ بے خار گنیش داس لائق، ہفت گل منشی کامتا پرشاد ناداں، مفتاح الصفات رام نرائن۔

ان کے علاوہ ہیئت، نجوم، طب، موسیقی، علوم طبعیہ، ریاضیات، قصص و حکایات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دوسرے فنون پر بھی ہندوؤں کی بہ کثرت تصانیف ہیں، ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے، اس لیے اس کو قلم انداز کیا جاتا ہے، ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اپنی قابل قدر تصنیف ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' میں ان تصانیف کی پوری فہرست دی ہے اور اہم تصنیفوں پر تبصرہ بھی کیا ہے، مذکورہ بالا تصانیف اور ان کی تصانیف کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

فارسی زبان کے ہندو شعراء کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، مثال کے طور پر کچھ نام لکھے جاتے ہیں، جن میں کچھ صاحب دیوان بھی تھے، چندر بھان برہمن، متھرا داس ہندو، سالم کشمیری، :نوالی داس دلی، لچھمی نرائن شفیق، بندرا داس خوش گو، آنند رام مخلص، سیال کوٹی مل دارستہ ٹیک چند بہار، جسونت رائے منشی، لالہ دھن راج برہان پوری سبقت، لالہ سدانند ے تکلف، رائے رام جی ہاتف، کشن چند کھتری اخلاص، اودھے بھان بہار، لالہ سکھ راج سبقت، گلاب رائے مخلص، لالہ شیورام حیاء، لالہ امانت رائے امانت، خوش حال چند فرحت، سری گوپال، برہمن تمیزرا بنے داس مخلص، لالہ اجاگر چند الفت، بابو بال مکند شہود، گورر بخش حضوری، لالہ حاکم چند ندرت، راجہ رام نرائن موزوں، منشی سرپ سنگھ کایستھ خاکستر، جے کشن عشرت، بندرابن داس خوش گو، لالہ رتن سکھ رائے شوق، پنڈت رندہ رام موبد، منشی سندر داس آرام، راجہ دیا مل امتیاز، سنگھم لال عزت، رائے پھکنی مل نشاط، رائے بجے مل سعی، شیورام عاشق، راجہ مدن سنگھ اٹاوی موزوں، لال جی تازہ، لالہ دولت رائے برہان پوری، دبیر الامشتاق رائے کھتری قدرت، لالہ روپ نرائن ذہین، لالہ فتح چند برہان پوری، منشی سرپ سنگھ دیوانہ، آنند کا ہن خوش، لالہ گارام بہجت۔

مغلوں کے آخری دور میں جب شمشیر و سنان کے بجائے چنگ و رباب کا دور آیا اور شعر و ادب کا ذوق تعلیم و تہذیب کے لوازم میں داخل ہو گیا تو اس کثرت سے شعراء پیدا ہوئے کہ ان کا شمار دشوار ہے، جن شعراء کے نام کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں، ان کا احاطہ بھی نہیں کیا جا سکتا، صرف مثال کے طور پر کچھ نام لکھے جاتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کندن لال اشکی، بساون لال شادان، کنہیا لال ہندی، رام داس قابل، منشی تھن لال بہجت، مٹھو لال مرشد، نتن لال آفرین، لکشمی نرائن سرور، منو لال فلسفی، بجھو لال تمکین، ہرگوپال تفتہ، خیالی رام خیالی، سنیل داس بے خود، کالکا پرشاد نادان، کامتا پرشاد نادان، میڈو لال زار، ہیرا لال ضمیر، ذوقی رام حسرت، صاحب رام خاموش، بابو رائے احقر، پنڈت بنی رام احقر بلدیو پرشاد احقر، رام دیال احقر، کندن لال ارشاد، منا سنگھ آشنا منشی گر سہائے آشنا، دیوان امرناتھ اکبری، کالکا پرشاد انور، لالہ جگن ناتھ انور، خیالی رام افسر، پرشاد رائے عالم، لالہ بیج ناتھ آتش، لالہ کیرت سنگھ اسد، لالہ گردھاری پرشاد باقی، پنڈت سنت رام بیخود، مکھن لال بہجت، میدنی لال بیمار، لالہ جے کشن بیجان، لچھمن پرشاد بہار، رائے ٹکا رام تسلی، گنگا داس، تسکین رائے بجھو لال تمکین، موہن لال انیس، جواہر سنگھ جواہر، بشن نرائن حیران، کنج بہاری لال حیرت، بنی رام حقیر، خوش وقت رائے لکھنوی، جے سکھ رائے خیال، بہاری لال خود رفتہ، جواہر لال دبیر، نرائن داس دل، دیا رام درا، دھرم نرائن ذکر، جے سکھ رائے ذہین، رام پرشاد رام لالہ، لچھمی نرائن رفیق، لالہ بھاگ مل رنج، دیو ناتھ پنڈت رنگین، لالہ جواہر سنگھ رام، گوبند رام زیرک، منشی منو لال زاری، لالہ ہیئت پرشاد سرور، گنگا پرشاد شاد، لالہ بدھ سنگھ شادان، راجہ کشن پرشاد شاد، پنڈت امرناتھ شیداء، لالہ خوش وقت رائے شاداب، لالہ دیبی پرشاد شامل، رادھے کشن شائق، بستی رام شائق، لالہ متھرا داس شاعر، شنبھو ناتھ جودت، امرناتھ شعلہ، دولت سنگھ شکری، لالہ طوطا رام شایان، جے جے رام صبا، رائے بالک رام صبوری، پنڈت سیتا رام صوفی، جے موہن لال صادق، سکھ رائے ضمیر، پنڈت نرائن داس ضمیر، جانکی پرشاد ضمیر، لالہ ٹکا رام ظفر، بدیا دھر فصیح، پریم کشن فراقی، لالہ دین دیال فرحت، لچھمی نرائن فرزانہ، پنڈت بدیا دھر فطرت، گوبند پرشاد فضا منو لال فہیم، رائے بیج ناتھ عاشق، موہن لال عاشق، مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق، بابو سربجیت سنگھ عاشق، رائے سوہن لال عاشق، درگا پرشاد عاشق، زور آور سنگھ عزیز، لالہ ہندو پت عشرت، لالہ شتاب رائے عزیز، آتما رام عاشق،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھولا ناتھ عاشق، بھگوان دیال، اقل، لچھمن سنگھ غیوری، لالہ موہن رائے غالب، رائے رتن لال غریب، رائے چنی لال فریب، رام داس قابل راجہ اپروکشن کنور، نندلال گویا، پرکاش داس لطفی، راجہ کانجی سہائے مہیتن، منشی کنورسین مضطر، سنیل داس ممتاز، بیج ناتھ مشتاق، سکھن لال موحد، گنگا بشن مسرور، لالہ مٹھولال مرشد، لالہ بلند سنگھ مصروف، پنڈت مادھورام مشتاق، موتی لال مفتون، مہر چند مہر، موہن لال منعم، لالہ درگا پرشاد مضطرب، کنہیا لال میز، منشی کنور جی مدہوش، رائے چنی لال نحیف، منشی درگا پرشاد نشاط، لال مولراج نظمی، دیا شنکر نسیم، لالہ مٹھن لال نامی، شنکر ناتھ نادر، بنسی دھر ہمت، رائے کنہیا لال ہندی، گوکل چند لاہوری ہندو، نوبت رائے وقار، جوالا پرشاد وقار، مہاراجہ چندولال شادان وغیرہ۔

یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ فارسی کے مصنف اور اہل قلم بھی تھے، اردو زبان کے دور میں اس سے بھی زیادہ ہندو شعراء، ادباء اور مصنّفین و اہل قلم پیدا ہوئے، اردو نے گو مغلوں کے آخری دور میں مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی لیکن اس کا دائرہ بول چال اور شعر و ادب تک محدود تھا، نثر کی تصانیف برائے نام تھیں، وہ بھی زیادہ تر مذہبیات اور ادبیات تک محدود تھیں اور اس کی زبان بالکل ابتدائی شکل کی تھی، اس کی اصلی ترقی کا زمانہ انگریزوں کے عہد سے شروع ہوتا ہے، اس لیے اس کا شمار اسلامی دور میں نہیں کیا جا سکتا لیکن اردو جس شکل میں بھی رہی، اس کی تعلیم اور توسیع و ترقی میں ہندوؤں کا بھی حصہ رہا، چنانچہ فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں میں للولال جی، بینی نرائن منشی، طوطا رام شایان اور منشی شادی لال چمن نے اردو کی کتابیں بھی تالیف و ترجمہ کیں، اس کے بعد اردو کی ترقی کے ہر دور میں اردو کے ہندو شعراء و ادباء اور مصنّفین پیدا ہوتے رہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس دور کے نامور شعراء اور ادیبوں سے اصحاب علم عام طور سے واقف ہیں، اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اس زمانہ میں بھی ہندو شعراء اور ادیبوں اور مصنّفین کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاغذ سازی

از: مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی مؤلف تاریخ گجرات وغیرہ

آج جس کثرت سے ہم کاغذ کا استعمال کرتے ہیں، اس فراوانی کو دیکھ کر بہت کم اشخاص اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا بھی ہندوستان پر گزرا ہے کہ یہاں کاغذ کا رواج نہ تھا۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کاغذ کی جگہ دوسری مختلف چیزیں رائج تھیں، ضرورت کے وقت ان ہی کو استعمال میں لاتے تھے، بھوج پتر، کھجور کے پتے، تاڑ کے پتے، تانبہ، پتھر، ریشم وغیرہ کا استعمال ہوتا تھا، چنانچہ اشوک کے فرمان آج بھی پتھر پر کندہ ہیں، اسی طرح عطیات کے پروانے جو ڈلبھی خاندان (کاٹھیاواڑ) کی طرف سے دیے گئے تھے، تامر پتر (تانبہ کی تختی) پر تحریر ہیں، جن کو محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے بمبئی کے عجائب خانہ میں رکھ دیا گیا ہے۔

ہندوستان کی ہم عصر قومیں بھی اس سے واقف تھیں، جیسا کہ عربی کی ایک قدیم تاریخ میں ہے:

العرب تكتب في اكتاف الابل واللخاف والهند في النحاس والحجار و في الحرير الابيض۔(۱)	عرب اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر اور ہندوستانی تانبہ، پتھر اور سفید ریشم پر لکھتے تھے۔

(۱) کتاب الفہرست، ص ۳۲، مصر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستانیوں نے جب اس سے زیادہ ترقی کی تو درخت کے پتے استعمال کرنے لگے اور اس کے لیے انہوں نے بھوج پتر اور تاڑ زیادہ موزوں سمجھا، بیرونی لکھتا ہے:

اما فی البلاد الجنوبیة فلھم شجر باسق کالنخل والنارجیل ذو ثمر یوکل واوراق فی طول ذراع وعرض ثلاث اصباع مضمومة یسمونھا تاری (تاڑ) ویکتبون علیھا ویضم کتابھم منھا خیط ینظمھا من ثقبة فی اوساطھا فینفذ فی جمیعھا ۔	جنوبی ہند میں ایک اونچا درخت کھجور اور ناریل کی طرح ہوتا ہے، جس کا پھل کھایا جاتا ہے، اس کے پتے طول میں ایک ہاتھ اور عرض میں تین انگل کے برابر ہوتے ہیں، اس کا نام تاڑ ہے، اسی پر لکھتے ہیں، اس کے بیچ میں ایک سوراخ کرکے دھاگے سے اس کو منظم کر لیتے ہیں۔
واما فی واسطة الملکة وشمالھا فانھم یاخذون من لحاء شجرة التوز الذی یستعمل نوع منه فی اغشیة الغسی ویسمونه "بھوج" فی طول ذراع و عرض اصابع محدودة فما دونه و یعملون به عملا کالتدھین والصقل یعلب به و یتملس ثم یکتبون علیھا، وھی متفرقة یعرف نظامھا بارقام العدد المتوالی ویکون جملة الکتاب ملفوفة فی قطعة ثوب و مشدودة	اور وسط مملکت اور اس کے شمالی حصہ میں توز کے درخت کی چھال کو جس کی ایک قسم کمانوں کے غلاف میں استعمال کی جاتی ہے، اس کو بھوج کہتے ہیں، اس کو ایک گز کے طول اور پھیلی ہوئی انگلیوں کے عرض کے برابر یا اس سے کم لیتے ہیں، پھر اس پر ایک طرح سے مہرہ کشی اور صیقل کرکے اس کو چکنا بنا دیتے ہیں، جس سے وہ سخت اور چکنا ہو جاتا ہے، تو اس پر لکھتے ہیں، یہ متفرق ہوتے ہیں، ان کی نظم و ترتیب کے لیے صفحوں میں ہندسے لکھ دیتے ہیں اور پوری کتاب دو تختیوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بین لوحین بقدر واسم ھذہ الکتاب "پوتی" (پوتھی) ورسائلھم وجمیع اسبابھم تنفذ فی التوز الفیًا ۔(۱)

درمیان کپڑے کے ایک ٹکڑے (جزدوان) میں لپٹی ہوتی ہے اوراس کا نام "پوتھی" ہوتا ہے، ان کے خطوط اور دیگر چیزیں سب اسی میں لکھی جاتی تھیں۔

سجان رائے نے اڑیسہ کے حالات میں لکھا ہے کہ تاڑ کے پتہ پر فولادی قلم سے تحریر کرتے تھے، اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

بربرگ درخت تار بفولادی قلم تامہا نویسند وخامہا بہ مشت برگیرند، کاغذ وسیاہی کمتر بہ کاررود۔

تاڑ کے پتہ پر لوہے کے قلم سے خطوط لکھتے تھے اور قلم کو مٹھی میں پکڑتے، کاغذ (بھوج پتر) اور سیاہی بہت کم کام میں لاتے۔

کشمیر کے حالات میں بیان کرتا ہوا تحریر کرتا ہے:

وبیشتر برتوز درخت کہ خاص درآن ملک است برنگارند وہمگی کہن تامہا برآن نوشتہ وسیاہی چنان سازند کہ بشست وشوئی رود۔(۲)

اور زیادہ تر بھوج پتر پر جو اس ملک میں بہ کثرت ہوتا ہے، لکھتے ہیں اور قدیم تحریریں اسی پر ہیں اور سیاہی اس طرح بناتے ہیں کہ دھونے سے زائل نہیں ہوتی۔

ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ ہندوستان میں کاغذ کا رواج نہ تھا بلکہ پتوں پر لکھا کرتے تھے، اس قسم کی پوتھی جس کا بیرونی نے بیان کیا ہے، اب بھی ہندوستان میں موجود ہے، جس میں قدیم کتابیں تحریر کی گئی ہیں، ایک دفعہ احمد آباد میں خود راقم الحروف کو اس قسم کی پوتھی دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ جین مذہب کی ایک قدیم کتاب تھی، جو بھوج پتر پر لکھی گئی تھی، اس کے دونوں جانب دفتی کی جگہ چوبی تختی لگی تھی، جس کے سبب سے ذرا وزنی ہوگئی تھی۔

دوسری قدیم کتاب بودھ مذہب کی رنگون کے بڑے مندر میں تھی، جس وقت میں

---

(۱) کتاب الہند بیرونی، ص ۸۱، لیڈن۔ (۲) خلاصۃ التواریخ ذکر صوبہ جات (قلمی دارالمصنّفین)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا تو اس کی نقل ایک سل (پتھر) پر کندہ کی جارہی تھی، یہ کتاب تاڑ کے پتوں پر تھی۔

کاغذ کی اصل ایجاد چینیوں کی ہے، یہ لوگ ایک قسم کی گھاس سے کاغذ بناتے تھے، الفہرست میں ہے:

والصین فی ورق الصینی ویعمل من الحشیش وھو اکثر ارتفاع البلد۔(۱)	چین والے چینی کاغذ پر لکھتے ہیں، جو گھاس سے تیار کیا جاتا ہے اور یہ شہر کی بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

ابتداء میں اس قسم کے کاغذ سے دنیا ناواقف تھی، آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے اس کو سیکھا اور پھر ان کے توسط سے تمام دنیا میں یہ ہنر پھیل گیا۔

بیرونی نے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے سمرقند پر حملہ کیا تو قیدیوں میں چند ایسے بھی تھے جو کاغذ بنانا جانتے تھے، عربوں نے ان سے اس صنعت کو سیکھ کر اسے ترقی دی، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

ولیس للھند عادة بالکتابه علی الجلود کالیونانیین فی القدیم ...... والکراغذ للعبن وانما احدث صنعھا لسمرقند سبی منھم ثم عمل منه فی بلاد شتیٰ۔(۲)	ہندوستان میں یونانیوں کی طرح چمڑے پر لکھنے کا دستور نہیں ...... کاغذ چینیوں کی ایجاد ہے، سمرقند میں اس کو چینی قیدیوں نے جاری کیا، پھر وہاں سے مختلف مقامات میں یہ صنعت پھیلی۔

ہندوستان فتح کرنے سے پہلے مسلمانوں میں کاغذ رائج ہو چکا تھا اور مختلف مقامات میں اس کے کارخانے قائم ہو چکے تھے، غالباً سمرقند اور خراسان میں سب سے پہلے اس کا کارخانہ قائم کیا گیا، جہاں اس قسم کی گھاس بہ کثرت پیدا ہوتی تھی، پھر ۱۳۴ھ/۷۵۱ء کے بعد عربوں نے کاغذ سازی میں ترقی کا قدم بڑھایا اور روئی سے کاغذ تیار کرنے لگے (۳) اور

(۱) کتاب الفہرست، ص ۳۲، مصر۔ (۲) کتاب الہند، ص ۸۱، لیڈن۔ (۳) انسائیکلوپیڈیا، ج ۲۰، ص ۲۵، طبع یازدہم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری ہجری کے وسط میں اس کا استعمال با قاعدہ سرکاری دفتروں میں بھی ہونے لگا۔(۱)

ہندوستان میں گو مسلمان کی آمد و رفت پہلی صدی ہجری کی ابتداء ہی سے شروع ہوگئی تھی، مگر صوبہ سندھ پر قبضہ اس صدی کے آخر (۹۳ھ) میں ہوا، حجاج بن یوسف ثقفی محمد بن قاسم فاتح سندھ کو ہر قسم کی ہدایات تحریری بھیجا کرتا تھا اور وہ ہر تیسرے دن اس کا جواب دیا کرتا تھا، بلاذری میں ہے:

و کانت کتب الحجاج ترد علی محمد و کتب محمد ترد علیه یصفه ما قبله و استطلاع رائه فیما یعمل به فی کل ثلاثة ایام ۔(۲)	حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس، محمد بن قاسم کے حجاج کے پاس آتے جاتے رہتے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، حجاج کی رائے کے مطابق عمل درآمد کے لیے ہر تیسرے دن خط روانہ کیے جاتے۔

عرب: سوال یہ ہے کہ یہ کس کاغذ میں خط و کتابت ہوتی تھی؟ قلقشندی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں سپید پتھر اور کھجور کی شاخوں پر لکھتے تھے، عہد صحابہ میں رق (پتلا چمڑا) استعمال ہوتا تھا، ابتدائے حکومت بنی عباسیہ تک یہی حال رہا۔

ہارون الرشید عباسی پہلا خلیفہ ہے، جس نے باقاعدہ سرکاری طور پر یہ حکم صادر کیا کہ تمام دفاتر کاغذ پر لکھے جائیں، اسی دن سے کاغذ کا عام رواج ہوگیا اور لوگ کاغذ پر لکھنے لگ گئے، صبح الاعشیٰ میں ہے:

.... واجمع رائ الصحابة رضی اللہ عنہم علی کتابه القران فی الرق الطول بقائه او لانه الموجود عند هم حینئذ وبقی الناس علی ذالک الی ان	صحابہ کے عہد میں قرآن لکھنے کے لیے مضبوطی کے خیال سے یا اس لیے کہ یہی چیز اس وقت موجود تھی، رق (پتلا چمڑا) استعمال کیا گیا، (بنی امیہ تک یہی حال رہا) عہد عباسیہ

---

(۱) صبح الاعشیٰ، ج ۲، ص ۴۰۵، مصر۔ (۲) بلاذری، ص ۱۴۲، مصر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولی الرشید الخلافة وقد کثر الورق وفشا عمله بین الناس امر ان لا یکتب الناس الا فی الکاغذ ۔ (صبح الاعشیٰ، ج ۲، ۴۷۵)

میں جب رشید خلیفہ ہوا تو اس وقت کاغذ رائج ہو چکا تھا اور لوگ اسی پر لکھنے لگے تھے، اس وقت رشید نے حکم دیا کہ سوائے کاغذ کے کسی دوسری چیز پر نہ لکھا جائے، پھر عام طور سے کاغذ پر لکھنے کا رواج ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح سندھ کے وقت (۹۳ھ) تک ہندوستان میں کاغذ نہیں پہنچا تھا، اغلب یہی ہے کہ عہد عباسی میں عرب پہلی دفعہ سندھ میں کاغذ لائے اور یہاں اس کا استعمال ہوا، چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں کی ابتدا تک سندھ میں عربوں کی حکومت رہی اور ان کے نظام حکومت میں باقاعدہ دیوان خراج وغیرہ کا محکمہ تھا، جہاں غالباً وہی عربی کاغذ استعمال میں آتا تھا، جو عرب تاجر خراسان اور دوسرے اسلامی ممالک سے لاتے تھے۔

چوتھی صدی کے آخر میں شمالی ہند سلاطین غزنہ کے مقبوضات میں شامل ہو گیا اور اسلامی تجارت کو فروغ ہونے لگا، میرا خیال ہے کہ اسی زمانہ سے اسلامی تاجروں کے ذریعہ خراسانی کاغذ ہندوستان میں داخل ہوا اور جیسے جیسے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، اس کاغذ کی تجارت بھی بڑھتی گئی۔

چھٹی صدی کے وسط میں ہندوستان میں بھی کاغذ تیار ہونے لگ گیا، چنانچہ ابو حامد غرناطی الموجود ۵۵۷ھ لکھتا ہے:

وفی سمرقند القراطیس التی عطلت قراطیس مصر لاهل المشرق کقراطیس مصر لاهل المغرب وفی بلخ انها شبیهة بالعراق وخراسان والهند ۔

اور سمرقند کے کاغذ نے مصر کے کاغذ کو اہل مشرق کے لیے بے کار کر دیا، جس طرح مصر کے کاغذ نے مغرب کے کاغذ کو بے کار کر دیا تھا اور بلخ کا کاغذ عراق، خراسان اور ہندوستان کے کاغذ کے مشابہ ہوتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(تحفۃ الالباب، ص ۲۰۲، مطبوعہ پیرس)

اس سے اس قدر معلوم ہوا کہ ہند میں کاغذ سازی شروع ہوگئی تھی اور غالباً اس کی ابتداء لاہور یا دہلی سے ہوئی ہوگی، کیونکہ ابتداء میں یہی دونوں شہر پایہ تخت تھے۔

۷۹۶ھ میں سلطان سکندر بت شکن نہیں ہوا، اس کے عہد میں کشمیر کو بڑی ترقی ہوئی، اس کی فیاضی اور قدردانی نے دور دور تک شہرت حاصل کرلی اور مختلف ملکوں کے باکمال اس کے دربار میں آکر فیض یاب ہوئے، فرشتہ لکھتا ہے:

سلطان سکندر بہ مرتبہ سخاوت داشت کہ از شنیدن آوازۂ آن دانشمندان عراق و خراسان و ماوراء النہر بہ ملازمتش آمدند و علم و فضل و اسلام در مملکت کشمیر رواج پیدا کردہ نمونہ عراق و خراسان گردید۔ (فرشتہ، ج ۲، ص ۳۴۱، نول کشور)

سلطان سکندر کی سخاوت کی شہرت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ عراق و خراسان اور ماوراء النہر (بخارا وغیرہ) کے فضلاء اس کے دربار میں حاضر ہوئے، ان کے باعث ملک کشمیر میں علم و ہنر کا بہت زیادہ رواج ہوا اور اسلام کی خوب اشاعت ہوئی، یہاں تک کہ کشمیر ملک خراسان اور عراق کا ہم پلہ ہوگیا۔

کشمیر: تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ جب تیمور ۸۰۰ھ میں ہندوستان آیا تو سلطان سکندر نے سفارت بھیج کر دوستانہ تعلقات قائم کیے اور حسب ارشاد امیر تیمور اس سے ملنے کے لیے تیاری میں مصروف تھا کہ سیاسی امور کے سبب وہ جلد از جلد ہندوستان سے سمرقند روانہ ہوگیا اور اس سبب سے سکندر کی اس سے ملاقات نہ ہوسکی لیکن سکندر کا لڑکا شاہی خان، امیر تیمور گورگانی کے ہم رکاب تھا، اس لیے اس کو وہ سمرقند لیتا گیا، امیر تیمور کی وفات تک وہ نظر بند کی حیثیت سے رہا، وفات کے بعد گو وہ آزاد ہوگیا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنا قیام عرصہ تک سمرقند میں رکھا۔

شاہی خان کشمیر کے ان بادشاہوں میں سے ہے جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرسکتی، وہ بڑا عاقل اور مدبر شخص تھا، سمرقند میں رہ کر اس نے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، پھر ارباب کمال کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا، جب کشمیر واپس ہونے لگا تو اس نے ارباب صنائع کو ساتھ لے لیا، تاکہ کشمیر میں ہر قسم کی صنعت اور کاری گری کا رواج ہو جائے، چنانچہ کاغذگر، صحاف، قالین باف، زین ساز اور زبان قابلہ کو ساتھ لیتا آیا اور یہاں پہنچ کر اس نے اس کو خوب رواج دیا، تاریخ کشمیر میں ہے:

چندے در سمرقند ماندہ کسب علوم و آداب کردو جمعے از ارباب صنائع راشل کاغذ گرد صحاف و قالین باف وزین ساز و زنان قابلہ کہ وقت وضع حمل خدمت عورات می کنند با خود بہ کشمیر آورد۔	کچھ دن سمرقند میں قیام کر کے علوم وآداب حاصل کیے اور ایک جماعت کاری گروں کی جیسے کاغذ ساز، قالین باف، زین ساز اور دایہ جو وضع حمل کرانے میں ماہر تھیں، اپنے ساتھ کشمیر لایا۔

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے، جب کہ شاہی خان تخت نشین ہو کر سلطان زین العابدین ہو گیا ہے:

وسلطان بہ حسن نیت و اہتمام تمام اوقات خود را مصروف عمارات و آبادی ایں شہر شتافت و صنائع کہ ایران و توران خصوصاً خراسان کہ بہ کشمیر نزدیک تراست بجدت اہتمام فراوان طلبانید۔	سلطان نیک نیتی اور پوری کوشش سے اپنے اوقات کو شہر کی آبادی اور عمارتوں کے بنوانے میں مصروف رکھتا تھا اور کاری گروں کو ایران، توران اور خصوصاً خراسان سے جو کشمیر سے بہت ہی نزدیک ہے، اپنے ملک میں طلب کیا۔
ارباب حرفہ را از مجلد و کاغذگر وغیرہ کہ از ولایت ہا خود آوردہ بود وجہ مدد معاش دادہ بہ حرفہ خود سرگرم داشت۔	کاری گروں کو مثلاً جلد ساز، کاغذ ساز وغیرہ کو جو دوسرے ملک سے اپنے ساتھ لایا تھا، مدد معاش کے لیے (جاگیریں) دے کر اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشہ کو فروغ دینے میں معاون ہوا۔(۱)

غالباً اسی زمانہ میں کشمیر میں کاغذ کا پہلا کارخانہ جاری کیا گیا، کیونکہ اس سے قبل ہندوستان کے کسی صوبہ میں کوئی ایسا کارخانہ تاریخ کے صفحات میں نظر نہیں آتا، اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں کاغذ سازی کا سب سے پہلا کارخانہ کشمیر میں قائم ہوا۔

کشمیری قدرتی طور پر ذہین ہوتے ہیں (اور آج بھی کشمیری برہمن اس وصف میں شہرت رکھتے ہیں)، انہوں نے اس صنعت کو بڑی تیزی سے ترقی دینی شروع کی، یہاں تک کہ چند ہی سال میں یہاں کا کاغذ شہرۂ آفاق ہو گیا، یہ کاغذ اتنا عمدہ اور اعلیٰ ہوتا تھا کہ بادشاہوں کے پاس بطور تحفہ بھیجا جاتا تھا، سلاطین کشمیر میں سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ میں تخت نشین ہوا، گل سر سبد تھا، اس کے عہد میں کشمیر اوج کمال کو پہنچ گیا، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے بادشاہ اس کے ساتھ تبادلۂ ہدایا کرنا سیاسی لحاظ سے اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس کی دوستی کے خواہاں رہتے تھے، چنانچہ سلطان محمود بیگڑہ (گجرات) اور سلطان ابو سعید (خراسان) نے سلطان زین العابدین کو تحفے اور ہدیے بھیجے، سلطان نے بھی اس کے جواب میں کشمیر کے نوادر ارسال کیے۔

ان تحفوں میں سب سے زیادہ نمایاں کاغذ کا تحفہ تھا، کاغذ خراسان میں خود بنتا تھا، اس لیے خراسان والوں کے لیے یہ کوئی نادر چیز نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے سلطان ابو سعید والی خراسان کے پاس اس کو بطور تحفہ بھیجنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری کاغذ خراسانی کاغذ سے زیادہ بہتر ہوتا تھا اور اس کا شمار نوادرات میں ہوتا تھا، تاریخ فرشتہ میں ہے:

خاقان ابوسعید شاہ از خراسان اسپان تازی	خاقان ابوسعید نے خراسان سے عمدہ عربی
بادپاد اشتران راہوار و اعلی و شتران قوی	گھوڑے اور اعلیٰ نسل کے قوی اونٹ سلطان
ہیکل بادیہ پیما برائے او ہدیہ فرستاد۔	زین العابدین کو بطور تحفے کے بھیجے۔

(۱) واقعات کشمیر (قلمی)، کتب خانہ حبیب گنج علی گڑھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ ازین معنی بسیار خوش حال شدہ در برابر آن خروار ہاے زعفران وقرطاس ومشک و عطر وگلاب وسرکہ وشالہاے خوب وکاسہ ہاے بلورین ودیگر غرائب کشمیر بہ ملازمت خاقان سعید روانہ گردانید۔(۱)	سلطان کو یہ بات بہت پسند ہوئی، اس نے بھی زعفران کے گٹھے، کاغذ، مشک، عطر، گلاب، سرکہ، خوشنما شالیں، شیشہ کے پیالے اور دوسری نادر چیزیں کشمیری صنعت کی خاقان کے پاس روانہ کیں۔

کشمیر سرد ملک ہے، اس لیے قدرتی طور پر یہاں کی ہر چیز میں انجماد کا مادہ موجود رہتا ہے اور اس انجماد کی وجہ سے کوٹائی کا کام خوب ہوسکتا ہے، غالباً اسی سبب سے یہاں کا کاغذ عمدگی میں مشہور تھا، اس کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ پائدار اور بے حد مضبوط ہوتا تھا۔

گجرات: نویں صدی کے شروع میں گجرات کا پایہ تخت ''احمد آباد'' آباد کیا گیا اور پچاس برس میں اس قدر ترقی کر گیا کہ ہندوستان میں کوئی شہر اس کا مقابل نہیں سمجھا جاتا تھا، سلطان محمود بیگڑہ کو خصوصیت سے اس کی ترقی کا بڑا خیال تھا، اس کے عہد میں ہر قسم کے اہل کمال یہاں جمع ہوگئے تھے، تاریخ کے تتبع سے جہاں تک پتہ چلتا ہے، اسی وقت سے یہاں کاغذ کے کارخانے قائم ہوئے اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ خاص احمد آباد کے علاوہ پٹن اور کھنبائت میں اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوگئے، پٹن (نہروالہ) کے کاغذ کا نام ہی پٹنی ہوگیا تھا، جوناگڑھ کی پبلک لائبریری میں تاریخ بنگالہ کی جو قلمی کتاب موجود ہے، وہ اسی پٹنی کاغذ پر لکھی گئی ہے جیسا کہ اس کی آخری تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

کھنبائت میں بھی اس کے متعدد کارخانے تھے اور ابھی تک وہ محلہ موجود ہے، جہاں کاغذ تیار ہوتا تھا، احمد آباد کاغذ سازی کا مرکز تھا، وہاں اس کثرت سے مال تیار ہوتا تھا کہ ہندوستان کے علاوہ دوسرے دور دراز ملکوں میں بھی جاتا تھا، کاغذ سفیدی اور چکنے پن میں بے مثل ہوتا تھا اور ہندوستان کے کسی صوبہ میں ایسا کاغذ نہ تیار ہوتا تھا، موٹے باریک مختلف

---

(۱) فرشتہ، ج ۲، ص ۳۴۴، نول کشور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائز کے کاغذ تیار کیے جاتے تھے، رنگین کاغذ بھی مختلف اقسام کے بنتے تھے، بادامی رنگ کے کاغذ کا استعمال زیادہ تر تجارتی روزناچوں اور آمد وخرچ کے حساب میں کیا جاتا تھا، گو یورپ کی ارزاں تجارت نے اس صنعت کو فنا کر دیا، مگر گجراتی بنیوں اور تاجروں کی بدولت بادامی کاغذ کی صنعت آج بھی زندہ ہے اور اس کے متعدد کارخانے احمد آباد میں موجود ہیں، ان کارخانہ والوں کو "کاغذی" کہتے ہیں، اس لفظ نے اتنی شہرت حاصل کی کہ متعدد خاندانوں کے نام ہی کاغذی ہو گئے اور اب وہ اسی اٹک (خاندانی نام) سے شناخت کیے جاتے ہیں، ان کا ایک خاص محلہ احمد آباد میں آباد تھا، جو کاغذی ہی کے نام سے مشہور تھا، زرافشاں کاغذ بھی احمد آباد میں بنایا جاتا تھا، اس کے نمونے اب بھی ملتے ہیں، احمد آباد کی پیر محمد شاہ لائبریری میں بعض چھوٹی تقطیع کی کتابیں اسی کاغذ پر لکھی ہوئی موجود ہیں، اس وقت تک قدیم زرافشاں کاغذ کے جس قدر نمونے میری نظر سے گذرے افسوس ہے کہ ان میں کوئی خاص خوبی مجھے نظر نہ آئی یا اس فن کا ماہر نہ ہونے کے سبب خوبی معلوم نہ کرسکا۔

احمد آباد کے کاغذ کی خاص خوبی اس کی سپیدی اور چکنا پن ہے، مرأۃ احمدی میں ہے:

کارخانہ قرطاس ہر چند کہ کاغذ دولت آبادی وکشمیری خوش قماش نیکو دارد، اما بہ سفیدی و بیاض ساخت احمد آباد نمی رسد، و چندیں نوع ازاں بہ عمل می آرند۔(۱)	کاغذ سازی کے کارخانے، اگرچہ دولت آبادی اور کشمیری کاغذ بہت ہی عمدہ ہوتا ہے لیکن سفیدی اور چمک میں احمد آبادی کاغذ کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ مختلف قسم کے تیار کیے جاتے ہیں۔

لیکن بڑا عیب اس کاغذ میں یہ ہوتا ہے کہ بننے کی حالت میں اس میں غیر محسوس طور سے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں، اس کا سبب احمد آباد کی جائے وقوع ہے جو ریگستان میں آباد ہے، مصنف مرأۃ احمدی لکھتا ہے:

(۱) مرأۃ احمدی، ص ۱۸، بمبئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از آنجا کہ ایں دیار ریگ بوم شدہ در ہنگام ساختن ذرات رملی کہ بہ خمیرش درمی آید وقت مہرہ کشی بیرون می رود، وسوراخہاے تا محسوس بہم می رسد، معیوب است۔(۱)	چونکہ یہ ملک ریگستان میں آباد ہے، اس لیے کاغذ بناتے وقت ریت کہ ذرے اس کے خمیر میں گھس جاتے ہیں اور پھر چکنا کرنے کے وقت خشک ہو کر باہر نکل آتے اور غیر محسوس سوراخ ہو جاتے ہیں، جو معیوب ہے۔

اس عیب کے باوجود اس کی سفیدی، خوشنمائی اور چکنے پن کی وجہ سے اس کی مانگ بہت بڑھی ہوئی تھی اور عرب وروم تک جاتا تھا اور اس سے تاجر معقول فائدہ اٹھاتے تھے، مرأۃ احمد میں ہے کہ:

وہر سالہ بنا بر سفیدی نوش مبلغہا در اطراف بلاد ہند وعرب وروم وغیرہ چوں کاغذ زرمی برند۔(۲)	اور کاغذ کی سفیدی کے سبب ہر سال ہزاروں روپے کے کاغذ ہند وعرب اور روم میں نوٹ کی طرح تاجر برآمد کرتے ہیں۔

دولت آباد: عہد مغلیہ میں عمدہ کاغذ کا ایک اور نیا مرکز دولت آباد ہو گیا (۳)، یہاں کا کاغذ بھی پائداری میں کشمیر ہی کی طرح مشہور تھا اور غالباً تمام جنوبی ہند میں اسی جگہ سے تاجر کاغذ لے جاتے تھے، اس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

بہار: صوبہ بہار میں بھی اس کا کارخانہ موجود تھا، پایۂ تخت عظیم آباد اس کی منڈی تھی اور اس منڈی سے یہ مال صوبہ کے دوسرے حصوں میں جاتا تھا۔

سجان رائے صوبہ بہار کے متعلق بعض تفصیلات کے ضمن میں لکھتا ہے:

کاغذ خوب می شود۔	پٹنہ میں کاغذ اچھا ہوتا ہے۔(۴)

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ کاغذ خاص عظیم آباد میں تیار نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس سے

(۱) مرأۃ احمدی، ص ۱۸، بمبئی۔ (۲) ایضاً۔ (۳) مملکت بیجاپور، حصہ سوم، ص ۲۹۱۔ (۴) خلاصۃ التواریخ بیان صوبہ بہار در مقدمہ قلمی دار المصنفین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھوڑے فاصلہ پر قصبہ بہار میں بنایا جاتا۔ چنانچہ احمد آباد کی طرح وہاں بھی کاغذی محلہ آج تک موجود ہے اور اس محلّہ کے اصلی باشندوں کو اس وقت بھی کاغذی کہتے ہیں، یہاں سے کاغذ تیار ہو کر پٹنہ جاتا تھا اور چونکہ عظیم آباد (پٹنہ) کاغذ کی منڈی تھی، اس لیے اس کی نسبت پٹنہ کی طرف ہوگئی۔

اس قسم کی مثالیں ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بہ کثرت موجود ہیں، لاہوری نمک کی نسبت لاہور کی طرف ہے، حالانکہ دراصل وہ کوہ سلیمان سے نکلتا ہے، لاہور منڈی ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت لاہور کی طرف کردی گئی۔

پٹنہ: گو عظیم آباد (بہار) کا کاغذ سجان رائے کی تحریر کے بہ موجب اچھا ہوتا تھا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خاص خوبی نہیں ہوتی تھی، یہی سبب ہے کہ اس کے متعلق کسی خاص وصف کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

گیا: پٹنہ کی طرح ضلع گیا میں بھی کاغذ تیار ہوتا تھا، ''ارول'' میں جو جہان آباد سے مغرب جانب تقریباً بیس میل پر واقع ہے، کاغذ بنانے کے بے شمار کارخانے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے صوبہ بہار پر قبضہ کرنے کے بعد کاغذ کا ٹھیکہ ان ہی کارخانہ داروں کو دیا تھا، ان کی نسل آج بھی موجود ہے (۱)، غلام حسین خاں طباطبائی لکھتے ہیں کہ:

> ''و کاغذ در موضع ارول و بہار خوب بہم می رسد اکنوں ہم می سازند، و اگر کارفرمائی بہم رسد و زرے خرچ کنند، شاید کہ بہتر از آں می ساختہ آید''۔ (۲)

بنگال: زمانہ گذشتہ میں بنگال بھی اس صنعت کا اہم ترین مرکز تھا اور وہاں کاغذ سازوں کی پوری جماعت آباد تھی، جو آج بھی کاغذیوں کے نام سے مشہور ہے اور اب انہوں نے اپنے موروثی پیشہ کو ترک کر کے کسب معیشت کے دوسرے ذرائع اختیار کر لیے ہیں لیکن اب بھی کچھ

---

(۱) اس واقفیت کے لیے محبی مولوی ریاست علی صاحب ندوی سابق رفیق دارالمصنفین کا شکر گزار ہوں۔

(۲) سیر المتاخرین، ج ۱، ص ۱۹، نول کشور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ اچھے قسم کا دستی کاغذ تیار کرتے رہتے ہیں، اگر چہ اس کی مالیت سال میں چند سو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

مرشد آباد: بنگال میں ہوگلی اور مرشد آباد کے اضلاع میں کاغذیوں کی تعداد زیادہ رہی ہے، ہوگلی کے کاغذیوں کے برخلاف مرشد آباد کے کاغذی کاغذ بنانے کے لیے زیادہ تر ردی کاغذ استعمال کرتے تھے اور اس کے لیے دفتری کی دوکانوں کے کاغذ کی کترن بہترین مصالحہ ثابت ہوتی ہے، کبھی کبھی جوٹ اور ٹاٹ وغیرہ کے بوسیدہ ٹکڑے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

کاغذ سازی کی ترکیب: بنگال میں اس صنعت کو لوگ اب بھی بطور پیشہ کے اختیار کرتے ہیں، کاشتکاری سے فراغت کے زمانہ میں ان کا جو وقت بچتا ہے، اسے وہ کاغذ سازی میں صرف کرتے ہیں، احمد آباد کی طرح ان کا تیار کردہ کاغذ زیادہ تر تاجر بہی کھاتوں کے مصرف میں لاتے ہیں، اس طرح ایک کاغذی خاندان سوڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پیدا کر لیتا ہے، مرشد آبادی کاغذی، کاغذ اس طرح تیار کرتے ہیں کہ کاغذ کی تقریباً دس سیر کترن ایک حوض میں ڈال کر سڑاتے ہیں، جس کو ''ڈابہ'' کہتے ہیں اور اس کو گلانے کے لیے اس میں چونے کی تھوڑی مقدار ملا دیتے ہیں، چند دنوں کے بعد نچوڑ کر اس کا پانی نکال دیتے ہیں اور ''ڈھیکی'' سے خوب کوٹ کر ایک مسطح اور کھردرے طباق پر پھیلا دیتے ہیں، جس کو ''مجلس'' کہتے ہیں اور پھر اس کو دبا کر اس کا پانی نکال لیتے ہیں، اس کے بعد سوجی ملا کر چونے کے سلوشن میں دو تین دن رکھتے ہیں، پھر کینوس کی چادر پر ڈال کر صاف پانی سے خوب دھوتے ہیں، گودے کو پانی سے بھری ہوئی ناند میں ڈال کر ہاتھوں سے ملتے ہیں اور ایک بہت باریک کھپاچون کی چھلنی جو لکڑی کے فریم میں ہوتی ہے ناند میں ڈال دیتے ہیں، گودے کے ذرے اس کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں میں جمع ہو کر ان کی ایک پتلی سطح چھلنی پر جم جاتی ہے، پھر چھلنی کو ناند سے نکال کر فریم سے جدا کرتے ہیں اور اسے کاغذ کے ایک تختہ پر رکھ کر آہستہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آہستہ دباتے ہیں، اس کے بعد چھلنی کو احتیاط سے اٹھا لیتے ہیں اور کاغذ کا نیا بنا ہوا تختہ جم جاتا ہے، اب اس تختہ کو احتیاط سے اٹھا کر دھوپ میں چٹائی پر خشک کرتے ہیں، خشک ہو جانے پر اس کے کنارے تراشتے ہیں اور نشاستہ کا سلوشن یعنی مانڈی لگا کر دوبارہ اچھی طرح خشک ہونے کے لیے رکھ دیتے ہیں، خشک ہو جانے پر کاغذ کو لکڑی کے ایک تختہ پر پھیلا کر پتھر کی گول بیٹوں سے خوب رگڑ کر جلا دیتے ہیں، جس سے کاغذ چکنا ہو کر بازار میں فروخت کے لائق ہو جاتا ہے۔(۱)

جون پور: صوبہ اودھ میں جون پور سے متصل ظفر آباد ایک مشہور قصبہ ہے جو کسی زمانہ میں بجائے جونپور کے حاکم نشین جگہ تھی، اس کو لوگ کاغذی شہر کہتے تھے، یہاں بانس کا کاغذ بہت عمدہ پائدار اور چکنا ہوتا تھا، عموماً یہاں کاغذ دو قسم کا بنتا تھا، ایک اہار دیا ہوا بہت چکنا، دوسرے بغیر اہار کے (غیر مہر شدہ) کتابوں کی نقل اور تصنیف عموماً قسم اول کے کاغذ پر ہوتی یہ بادامی سفیدی مائل ہوتا تھا، تاجروں کا بہی کھاتہ آج سے پچاس برس قبل تک اسی کاغذ پر ہوتا تھا (۲) بغیر اہار والا کاغذ ذرا دبیز ہوتا، اس کو بنارس کے ریشم فروش تھانوں کی حفاظت کے لیے بہ کثرت استعمال کرتے تھے، اس وقت بھی ظفر آباد میں ایک محلّہ ''کاغذی محلّہ'' کے نام سے مشہور ہے، جونپور کے لوگ ابھی تک اس شہر کو ''کاغذی شہر'' کہتے ہیں، یہاں سے کاغذ کی برآمد بہت ہوتی تھی اور اسی لیے اس تجارت میں بہت زیادہ نفع سمجھ کر بہ کثرت لوگ مشغول ہو گئے تھے۔

پنجاب: اس صنعت میں پنجاب بھی کسی صوبہ سے پیچھے نہ رہا، سیال کوٹ میں کاغذ سازی کے متعدد کارخانے تھے اور اس میں مختلف قسم کے کاغذ تیار کیے جاتے تھے، جن کے علاحدہ علاحدہ نام تھے۔

---

(۱) ملخص از رسالہ ریاست دہلی، ۹ر نومبر ۱۹۳۶ء۔ (۲) ان معلومات کے لیے میں مولانا ابوبکر شیث صاحب جونپوری مرحوم سابق ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کا ممنون ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کاغذ سفید اور مضبوط ہوتا تھا اور غالباً پنجاب کے پورے صوبہ میں یہیں کا کاغذ استعمال کیا جاتا تھا، کیونکہ سیال کوٹ کے علاوہ پنجاب میں اور کسی دوسرے کارخانہ کا وجود کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا۔

کاغذ کے ناموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کارخانہ جہاں گیر کے عہد یا اس سے قبل ہی قائم ہو چکا تھا، سجان رائے سیال کوٹ کے حالات میں تحریر کرتا ہے:

ودریں شہر کاغذ نیکو می شود خصوص کاغذ مان سنگھی ونیم حریری و خاصۂ جہاں گیری بس نیک تر قماش وسفید وصاف ودیرپا می سازند۔(۱)

اور یہاں کاغذ اچھا ہوتا ہے، خاص کر مان سنگھی، نیم حریری اور خاصۂ جہاں گیری بہت ہی عمدہ، سفید، صاف اور مضبوط بناتے ہیں۔

امرائے اکبری میں راجہ مان سنگھ ایک ممتاز شخص تھا، غالباً اسی کے نام سے یہ کاغذ منسوب کیا گیا تھا، اسی طرح خاصۂ جہاں گیر، جہاں گیر بادشاہ کے نام سے روشناس عالم ہوا۔

افسوس ہے کہ اس مورخ نے ان مختلف قسم کے کاغذوں کے علاحدہ علاحدہ اوصاف نہیں لکھے لیکن جہاں گیر کی رنگینی اور جدت پسندی کو دیکھتے ہوئے یہ خیال گذرتا ہے کہ خاصۂ جہاں گیری خاص قسم کا کوئی اعلیٰ درجہ کا کاغذ ہوگا۔

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے، ہندوستان میں بجائے کاغذ کے جہاں بھوج پتر اور تاڑ کے پتے استعمال میں لائے جاتے تھے، وہاں بعض جگہ سپید ریشمی کپڑے بھی مستعمل تھے، اس وقت کاغذ کا کوئی کارخانہ نہ تھا، اب جب کہ متعدد کارخانے کاغذ سازی کے قائم ہو گئے، تو قدرتی طور پر ہندوستانیوں کا ذہن اس ریشم کی طرف منتقل ہوا ہوگا اور میرے خیال میں اسی کا نتیجہ ''نیم حریری'' کاغذ ہے، نیم (نصف) کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سوتی اور ریشمی ملا ہوا کپڑا بنایا جاتا ہے، اسی طرح ریشم اور روئی کی ملاوٹ سے یہ کاغذ تیار کیا جاتا تھا، یہ کاغذ ریشم کے سبب سے نرم، چکنا اور مضبوط ہوتا ہوگا، جیسا کہ مراکو کا

---

(۱) خلاصۃ التواریخ قلمی دار المصنفین، در مقدمہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چمڑے کا بنا ہوا کاغذ مشہور ہے اور ریشم ہی کے سبب سے بہت ہی پتلا کاغذ بھی آج کل کے نوٹوں سے زیادہ پائدار اور مضبوط رہتا ہوگا، ٹیپو سلطان کے عہد میں میسور میں بھی کاغذ سازی کا کارخانہ تھا، جہاں خاص طور سے کاغذ پر سونا چڑھایا جاتا تھا۔(۱)

کاغذ کے نمونے اور اس کی قسمیں: قدیم ہندوستانی کارخانوں کے بنے ہوئے، کاغذوں کے نمونوں کو کسی ایک جگہ تلاش کرنا اور ان کا مل جانا بہت دشوار ہے لیکن خوش قسمتی سے نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے کتب خانہ حبیب گنج میں مختلف قسم کے نمونے مجھے دستیاب ہوگئے، مولانا موصوف کی ذات تعارف سے بالاتر ہے، موصوف کو قائم صنعت کے اعلیٰ نمونوں کا شوق نہیں بلکہ عشق ہے، اسی لیے آپ کے پاس ہر قسم کے صنعتی نمونے موجود ہیں، کاغذوں کے نمونے محفوظ طریقہ سے شیشہ میں بند ہیں اور ہر نمونہ کے سامنے اردو اور انگریزی میں اس کے مختصر اوصاف تحریر ہیں، راقم الحروف مزید اضافہ کے ساتھ ضبط تحریر میں لاتا ہے۔

احمد آبادی: اس کے بے شمار نمونے میری نظر سے گذرے، اس میں موٹے، دبیز، باریک اور بہت ہی باریک ہر قسم کے ہیں، بعض سنہرے اور زرافشاں بھی نظر سے گذرے، یہاں کے کاغذ کی خصوصیت جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، سفیدی اور چکنائی ہے، یہاں کی جیسی سفیدی تمام ہندوستان کے کسی کارخانہ میں نہیں ہوتی تھی۔

حبیب گنج کے کتب خانہ میں جو نمونہ احمد آبادی کاغذ کا نظر سے گذرا وہ ذرا دبیز اور معمولی سفیدی لیے ہوئے تھا، شاید زیادہ دنوں کا ہوجانے کے سبب سے اس کی سفیدی کم ہوگئی ہے یا قدرتی طور پر اسی رنگ و وضع کا کاغذ بنایا ہی گیا ہو۔

کشمیری: کشمیری کاغذ بہت اعلیٰ ہوتا تھا، اس کے بھی مختلف اقسام تھے، بعض باریک، بعض دبیز، کچھ کارخانے ریشمی باریک تیار کرتے تھے، یہاں کی اصلی خصوصیت چکنائی اور

---

(۱) تاریخ میسور، ص ۳۲۰، مطبوعہ بنگلور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضبوطی تھی، غیر ملکوں میں بھی اس کی بڑی کھپت تھی، لوگ یہاں سے بہ کثرت باہر لے جاتے تھے، حبیب گنج کے کتب خانہ میں اس کاغذ پر لکھی ہوئی متعدد قلمی کتابیں موجود ہیں، جس سے صحیح طور پر اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

حبیب گنج میں اس کے جو نمونے نظر سے گذرے وہ سادہ ریشمی گہرے اور ہلکے رنگین حنائی ہیں، لفظ ریشمی کے متعلق میں اوپر مفصل لکھ چکا ہوں لیکن یہاں اس سے مراد باریک ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں ریشم کی طرح نرم اور باریک کو ''ریشمی'' کہنے لگے تھے، کیونکہ ریشمی کے جس قدر نمونے نظر سے گذرے کسی میں بھی ریشم کا جز بظاہر نظر نہیں آیا، اس لیے خیال گذرتا ہے کہ محض مشابہت کی بنا پر اس کو ریشمی کہنے لگے تھے۔

جہاں گیری: غالباً یہ صرف سیالکوٹ میں تیار ہوتا تھا، جیسا کہ سجان (سجن رائے) رائے نے لکھا ہے کیونکہ اور کسی صوبہ میں اس نام کا کاغذ بنایا جانا کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا، اس کا نمونہ جو حبیب گنج میں دیکھا وہ چکنا، باریک، مہرہ شدہ، سفید خفیف نیلا پن لیے ہوئے تھا، اسی قسم کا ایک دوسرا نمونہ خاکی رنگ کا تھا، جس میں خفیف سفیدی تھی۔

حیدر آبادی: حیدر آباد میں بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا، ایک محلہ میان مشک میں اور دوسرا کاغذی گوڑا میں، اس کے جو نمونے میری نظر سے گذرے مجھے ان دونوں میں کوئی فرق نظر نہ آیا، شاید ارباب فن کے نزدیک اس میں کوئی فرق ہو، دبیز اور باریک دونوں قسم کے ہیں، رنگ کے اعتبار سے ایک خاکی اور دوسرا سفیدی مائل ہے اور دونوں غیر مہرہ شدہ ہیں۔

اسی قسم کے کاغذوں کے سات نمونے دیکھے، جو قطب شاہی سلاطین کے عہد میں تیار کیے گئے تھے، اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر بادشاہ کے عہد میں جو کاغذ تیار ہوا اس کا علاحدہ علاحدہ نمونہ دکھایا ہے لیکن ان میں باہم ایک ماہر فن ہی امتیاز کر سکتا ہے، ان میں سے بعض بھورے رنگ کے مہرہ شدہ ہیں اور کچھ احمد آبادی کاغذ کے مثل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیض آبادی: کسی کتاب میں فیض آباد کے متعلق نظر سے نہیں گذرا کہ وہاں کاغذ کا کارخانہ تھا لیکن حبیب گنج کے کتب خانہ میں جو نمونہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی یہ کام ہوتا تھا۔

نمونہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر مہرہ کیے ہوئے اوسط درجہ کا زردی مائل کاغذ بنتا تھا اور بعض مہرہ شدہ گہرا پن لیے ہوئے تیار کیا جاتا تھا۔

کانپوری: یہ معمولی کاغذ بانس سے تیار کیا جاتا تھا، اپنے ماقبل سے بھورے پن میں کم ہوتا تھا، بلکہ اس کو خاکی رنگ لیے ہوئے کہیے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

دولت آبادی: دولت آباد میں کاغذ کے بے شمار کارخانے تھے اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ یہاں کے کاغذوں کے اقسام بہت ہیں، جو زیادہ تر مخصوص ناموں سے شہرت پذیر ہیں، غالباً کتابوں اور عوام میں صرف ان ہی کی یاد باقی رہ گئی جو کسی خاص وجہ سے بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے، یہاں کے کاغذ میں خاص وصف تو چکنائی اور پائداری ہے لیکن تنوع کے لحاظ سے بھی یہ مختلف قسم کے تھے۔

بہادر خانی: اس نام کا کاغذ خاص دولت آباد میں تیار کیا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاغذ اس وقت سے تیار ہونا شروع ہوا، جب کہ ''بہادر خان'' گجراتی نے دولت آباد پر قبضہ کیا، (۹۳۹ھ) اور بعض کارخانہ والوں نے اس کے نام سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس قسم کا کاغذ تیار کیا یا بہت ممکن ہے کہ خود بہادر شاہ نے ہی اس کا حکم دیا ہو، کیونکہ اس کو اس قسم کے کاموں کا خاص شوق تھا، چنانچہ اس نے ایک توپ تیار کرائی، جس کا نام بہادر شاہی رکھا، ایک خاص قسم کے کپڑے کا نام بھی بہادر شاہی ہے لیکن یہ صرف میرا قیاس ہے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ ''بہادر خان'' اس کارخانہ کے مالک کا نام ہو اور اس نے اپنے نام سے اس کاغذ کو شہرت دی ہو، یہ کاغذ معمولی اوسط درجہ کا ذرا دبیز ہے اور مضبوطی میں کسی دوسرے سے کم نہیں۔

صاحب خانی: دولت آباد ہی میں اس کا کارخانہ تھا اور غالباً صاحب خان اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجد تھے، اسی لیے اس کو صاحب خانی کہا گیا، اوسط درجہ کا دبیز کاغذ ہے۔

مرادشاہی: اس کا بھی یہی حال ہے، دبیز قسم کا اچھا کاغذ ہے، دولت آباد ہی میں اس کا کارخانہ تھا، غالباً مرادشاہ بن اکبر بادشاہ کے نام پر جب کہ وہ دکن میں مقیم تھا، یہ کاغذ تیار کیا گیا یا ممکن ہے کہ خود مالک کارخانہ کا نام ''مرادشاہ'' ہو اور اپنے نام سے اس نے کارخانہ کو رونق دی ہو، جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے۔

شربتی: دولت آباد میں ایک اور قسم کا کاغذ بنتا تھا، اس کا نام ''شربتی'' کاغذ ہے، یہ بھی دبیز اور اچھے قسم کا کاغذ ہے، جو نمونہ میں نے دیکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاغذ اپنے ماقبل سے کسی اور خصوصیت میں تو ممتاز نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس کا رنگ شربتی ہے۔

قاسم بیگی: دولت آباد میں ایک صاحب قاسم بیگ تھے، جنہوں نے اپنے کارخانہ میں ایک خاص قسم کا کاغذ بنوانا شروع کیا، یہ دبیز اور سرخ رنگ کا ہوتا، لوگوں نے غالباً اس کا نام ہی قاسم بیگی رکھ دیا، یہ کاغذ مختلف قسم کا ہوتا تھا، بعض معمولی دبیز اور بعض باریک اور بعض موٹا مگر رنگ غالباً سب کا سرخ ہی ہوتا تھا، جو نمونہ میری نظر سے گذرا اس میں ہلکی سرخی تھی، سرخی کا ہلکا پن یا تو اس کا اصلی رنگ ہے اور یا امتداد زمانہ سے ہلکا پڑ گیا ہو۔

ان کے علاوہ قاسم بیگی کاغذ کے تین اور نمونے بھی علاحدہ علاحدہ نظر سے گذرے جن میں بظاہر مجھے کوئی فرق نظر نہ آیا، بہت ممکن ہے کہ ماہران فن ان سب میں فرق محسوس کرتے ہوں۔

بالاپوری: یہ کاغذ چار پانچ قسم کا تیار ہوتا تھا بھورے رنگ کا، سفید رنگ کا، جو معمولی ہوتا، اس سے زیادہ سفید رنگ کا اور ایک خاص قسم کا تیار ہوتا جو بہت ہی سفید اور صاف ہوتا لیکن احمد آباد کے کاغذ کی طرح اس میں چکنا پن نہ ہوتا تھا۔

معلوم نہیں کہ بالاپور دولت آباد کے کسی محلّہ کا نام تھا یا کسی دوسری جگہ کا نام تھا، اغلب یہی ہے کہ دولت آباد کے متصل ہی کوئی جگہ ہوگی، جہاں اس قسم کے کاغذ تیار ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے۔

روبکاری: اس نام کا بھی کارخانہ غالباً دولت آباد ہی میں تھا، جہاں بھی اسی قسم کا کاغذ چار پانچ طرح کا تیار ہوتا تھا، غالباً دفاتر میں اس کی زیادہ کھپت تھی، اسی لیے اس کا نام ''روبکاری'' رکھا گیا۔

غیر ملکی: اکثر کتب خانوں میں دو تین قسم کے اور کاغذ نظر سے گذرے گو وہ ہندوستانی کارخانوں کے نہیں ہیں لیکن صرف اس لیے میں ان کو تحریر کر دیتا ہوں تاکہ ان کی شناخت ہو جائے اور ملکی اور غیر ملکی کاغذ میں ناظرین فرق معلوم کر سکیں۔

سمرقندی: یہ کاغذ ملگجا رنگ کا کافی دبیز ہوتا تھا، اس قدر دبیز کہ ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اس کی دبازت محسوس ہوتی ہے، ان میں سے زیادہ غیر مہرہ شدہ ہیں، اسی لیے اس میں خفیف سا کھردراپن رہ جاتا ہے، ہندوستان میں کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہونے سے پہلے غالباً یہی کاغذ زیادہ تر یہاں آتا تھا، اسی لیے اس کاغذ کے جس قدر نمونے نظر سے گذرے ان میں سے اکثر قدیم کتابوں کے ہیں، یہاں کے کاغذ کی دوسری قسم دبیز، چکنا، سفید، بادامی رنگ لیے ہوئے ہے۔

اصفہانی: یہ کاغذ مختلف قسم کے ہوتے تھے، بعض باریک، اس کا اصلی رنگ حنائی ہے، زیادہ تر اسی رنگ کا تیار ہوتا تھا لیکن اور مختلف رنگوں کے نمونے بھی نظر سے گذرے، ایران کے پایۂ تخت اصفہان میں اس کے کارخانے غالباً دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں تھے، جب کہ صفوی خاندان برسر حکومت تھا اور ایران کی صنعت و حرفت عروج پر تھی۔

خان بالغ: اس لفظ کی تشریح یہ ہے کہ قبلائی خان نے جو چنگیز کا پوتا تھا، جب چین مکمل طور پر فتح کر لیا تو یہاں ایک نیا شہر بسا کر پایۂ تخت قرار دیا اور اس کا نام خان بالغ رکھا، اسی کو آج پیکن کہتے ہیں (۱)، اسی کے نام سے یہ کاغذ مشہور ہو گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اس

---

(۱) صحیفۂ چین، ص ۱۷۲، دہلی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کا کاغذ خالص چینی تھا، یہ کاغذ دو قسم کا ہوتا تھا، ایک دبیز جس کا رنگ زیادہ تر حنائی ہوتا، اس کی دبازت اس قدر زیادہ ہوتی کہ ہاتھ میں لینے سے بالکل مشق حروف کی وصلی معلوم ہوتی، اسی لیے اس قسم کے کاغذ کی کتاب ذرا وزنی ہوتی ہے۔

اس کاغذ کی دوسری قسم حریری یعنی باریک ہے، یہ نرم اور مہرہ شدہ ہوتا، اس لیے اس میں ذرا چکنا پن رہتا، باریک ہونے کے باعث وزن میں ہلکا ہوتا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب خانے

از: مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی
مؤلف تاریخ گجرات وغیرہ

دوسری قوموں کی طرح ابتداء میں ہندوؤں میں بھی لکھنے کی رسم نہ تھی، بھوج پتر کی ایجاد اور چینیوں کے ریشمی کپڑے کی آمد کے بعد یہاں لکھنے کا رواج شروع ہوا، ابتدا میں وید، مہابھارت، گیتا وغیرہ مذہبی کتابیں لکھی گئیں، لکھنے پڑھنے والوں کا خاص فرقہ برہمنوں کا تھا، جس کا بڑا وقت پوجا پاٹ، قربانی اور تعلیم میں صرف ہوتا اور یہ سب کام مندروں یا مندر سے متعلق عمارتوں میں انجام پاتے، چنانچہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں بھی انہی مقامات میں ہوتیں۔

برہمنوں کے بعد جب بدھوں کا دور آیا تو انہوں نے مندروں کے علاوہ خاص قسم کی خانقاہیں تعمیر کرائیں، تعلیم و تربیت، طالب علموں اور معلموں کا قیام انہی میں ہوتا اور انہی کے ایک حصہ میں کتب خانہ ہوتا، جس کو "پستک بھنڈار" کہتے تھے۔

مشہور چینی سیاح ہونگ شیانگ جب ہندوستان آیا ہے، (۶۳۰ ھ) تو اس نے ہر خانقاہ میں ایک کتب خانہ دیکھا، راج گڑھ کے پاس مشہور دارالعلوم نالندہ میں جو کتب خانہ تھا، اس سے بہت سی کتابیں نقل کر کے وہ اپنے وطن چین ساتھ لے گیا (۱)، یہ کتب خانہ عرصہ دراز تک قائم رہا۔ یہاں تک کہ محمد بن بختیار خلجی نے راج گڑھ فتح کر لیا (۲)، اس وقت برہمنوں

(۱) سفرنامہ ہونگ شیانگ، سفر نالندہ، ص ۵۷، لاہور۔ (۲) طبقات ناصری، ص ۱۴۸، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نادانی سے یہ کتب خانہ ضائع ہو گیا، اس کے علاوہ پاٹلی پتر (پٹنہ)، اجین (مالوہ)، بھروچ (گجرات)، متھرا اور بنارس وغیرہ میں بھی بہت سے کتب خانے تھے، مندروں میں جو کتب خانے تھے، ان میں سے بعض فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمانوں کو دستیاب ہوئے، چنانچہ جوالہ مکھی کے مندر میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں موجود تھیں جن میں سے بعض کا ترجمہ بھی فیروز شاہ تغلق نے کرایا تھا۔(۱)

تغلق کے زمانہ میں کتب خانہ: سلطان محمد شاہ تغلق متوفی ۷۵۲ھ ہندوستان کے ان بادشاہوں میں سے ہے، جس کا حال ملکی اور غیر ملکی دونوں مؤرخوں نے لکھا ہے، اس کا دربار علماء، فضلاء، شعراء اور ادیبوں سے معمور تھا، سعد منطقی، عبید اور بدر چاچی شاعر، ضیاء برنی مورخ، مولانا عضد الدین، مولانا ناصر الدین، ملک غازی فقیہ شاعر، قاضی غزنین، مولانا رکن عالم، مولانا نصیر الدین چراغ دہلوی، جیسے یگانہ روزگار اس کے دربار کے روشن ستارے تھے، قلقشندی نے لکھا ہے کہ محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے۔(۲)

خود محمد تغلق کی نسبت مؤرخین لکھتے ہیں کہ تقریر فصیح اور کلام شیرین کرتا تھا، عربی اور فارسی میں مراسلات فی البدیہہ لکھتا، نہایت خوش خط اور بڑا اطباع اور ذہین تھا، ابتدائی باتوں سے لوگوں کا مافی الضمیر سمجھ لیتا، حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ایک بار جو سن لیتا عمر بھر نہ بھولتا، فن تاریخ کا ماہر تھا، فلسفہ سے خاص رغبت تھی، طب، نجوم، ریاضی، منطق میں کمال رکھتا تھا(۳)، یہ ظاہر ہے کہ جو بادشاہ زیور علم سے اس قدر آراستہ اور علم کا ایسا قدردان ہو، اس کے پاس کتب خانہ بھی ضرور ہوگا لیکن مؤرخوں کی ستم ظریفی دیکھیے کہ انہوں نے اس کی ۲۵ سالہ سلطنت کے ایک ایک خط و خال کا نقشہ کھینچا ہے، مگر کتب خانہ کا نام تک نہیں لکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کتب خانے مسجدوں اور خانقاہوں میں ہوتے تھے۔

---

(۱) فرشتہ، ج۱، ص ۱۴۸، نول کشور۔ (۲) صبح الاعشیٰ، ج۵، ص ۶۹۔ (۳) فرشتہ، ج۱، حالات محمد تغلق۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام الدین اولیاؒ کا کتب خانہ: چنانچہ اسی زمانہ میں (یعنی علاء الدین خلجی سے لے کر سلطان محمد تغلق کے عہد تک) دہلی کے مشہور بزرگ نظام الاولیاؒ حضرت نظام الدین بدایونیؒ متوفی ۷۲۵ھ کی خانقاہ میں ایک بڑا کتب خانہ تھا، آپ کی خانقاہ دہلی (قدیم) کے محلہ غیاث پور میں تھی (اور آج بھی وہیں ہے مگر اب اس محلہ بلکہ کل آبادی کو جو اس جگہ پر ہے بستی نظام الدین) کہتے ہیں۔

آپ کی خانقاہ کا کتب خانہ وقف تھا اور ہر صاحب علم بلا امتیاز اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک جگہ شیخ سراج الدین عثمان کے حالات میں لکھتے ہیں:

> ''وبعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ ومفصل وقدوری ومجمع البحرین تحقیق کردہ وبعد از نقل شیخ نظام الدین قس، سہ سال دیگر تعلیم کردو بعضے کتب از کتب خانہ شیخ کہ وقف بودو جامہا وخلافت نامہ کہ از خدمت شیخ یافتہ بود با خود برد''۔(۱)

فیروز شاہی کتب خانہ: سلطان محمد کی طرح سلطان فیروز شاہ تغلق متوفی ۷۹۰ھ بھی صاحب علم اور صاحب تصنیف تھا، فتوحات فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے، علم کا بڑا قدردان تھا اور اس کا دربار علماء، فضلاء، شعراء اور دوسرے اصحاب کمال سے بھرا رہتا، ضیاء برنی اور عفیف سراج جیسے مؤرخ اور ادیب، مطہر ہندی جیسے شاعر، تاتار خان جیسے عالم اور مفسر علماء سے اس کا دربار آراستہ تھا، اس نے اپنے زمانہ میں بڑی بڑی مسجدیں اور مدرسے بنوائے اور ان کے مصارف کے لیے ہزاروں روپے کے اوقاف مقرر کیے، اس کے شاہی کتب خانہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں ملتا لیکن ظاہر ہے کہ جو شخص خود صاحب تصنیف اور علم کا قدردان ہو اس کا قصر شاہی کتب خانہ کے وجود سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے، پھر جوالامکھی کے مندر سے جو کتابیں ہاتھ لگیں، جن کی تعداد ایک ہزار تین سو تھی، وہ آخر کہاں گئیں۔(۲)

---

(۱) اخبار الاخیار، ص ۱۸۱۔ (۲) فرشتہ، ج ۱، ص ۱۴۸ و طبقات اکبری، ص ۲۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخی تتبع سے یہ بھی پتہ لگتا ہے، اس زمانہ میں محکمۂ تراجم بھی قائم تھا، چنانچہ فرشتہ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''پادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمود، ازاں جملہ اعزالدین خالد خانی کہ شعراء آن عصر بود، کتاب بے درحکمت طبعی وشگون وتفاولات درسلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی، نام کردہ والحق آن کتابیست متضمن اقسام حکمت عملی وعلمی''۔(۱)

تاتارخانی کتب خانہ: اس زمانہ میں علمی مذاق عام ہو گیا تھا، دربار کے امراء، صاحب علم اور علم کے قدردان تھے، چنانچہ اسی دربار کا امیر تاتارخان بڑا افاضل شخص تھا، کلام مجید پر اس کو بڑا عبور تھا، اس نے ایک تفسیر لکھی تھی، جس میں خلافیات کو بہ تفصیل بیان کیا تھا، عفیف سراج لکھتا ہے:

''تاتارخان کی صحبت میں ہمیشہ علماء اور مشائخ رہتے، تفسیر تاتارخانی جو دنیا میں مشہور ہے، وہ اسی کی لکھی ہوئی ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ جب اس نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے ہر قسم کی تفسیریں جمع کیں اور علماء کے سامنے مفسروں کے اختلافات کو جمع کر کے یکجا کیا اور بڑی تندہی سے یہ تفسیر مرتب کی، جابجا تفسیروں کا حوالہ بھی دیا، کتاب مکمل ہونے کے بعد اس کا نام ''تفسیر تاتارخانی'' رکھا۔(۲)

اسی طرح درمختار اور شامی کی مثل ایک فتویٰ کی کتاب بھی ترتیب دینے کا ارادہ کیا، جس میں تمام مختلف فیہ مسائل درج ہوں، چنانچہ مؤرخ مذکور اس کی نسبت لکھتا ہے:

''اسی طرح خان اعظم (تاتارخان) نے فتاویٰ کی ایک کتاب مرتب کی اس کی ترتیب اس طرح کی کہ دہلی کے تمام فتاووں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ

(۱) فرشتہ، ج۱، ص۱۴۸ وطبقات اکبری، ص۲۳۴۔ (۲) تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ص۳۹۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ کو اپنی کتاب میں درج کیا اور اختلاف کرنے والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا، بڑی کاوش اور محنت کے بعد تیس (یا تین جلدوں) میں یہ کتاب مکمل ہوئی، تکمیل کے بعد اس کا نام ''فتاویٰ تاتارخانی'' رکھا''۔(۱)

اس بیان کے بعد اس کا کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ تاتارخان کے پاس کوئی بڑا کتب خانہ نہ رہا ہوگا، اس طرح کا علمی کام بغیر کتب خانہ کی معاونت کے ہو ہی نہیں سکتا۔

غازی خان کا کتب خانہ: تغلق کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیل گئی، ہر صوبہ دار خود مختار بادشاہ بن گیا، اس وقت پایہ تخت دہلی اولوالعزم اشخاص کا سیاسی مرکز تھا، اس لیے اس پر مغل (تیمور) سادات اور لودی یکے بادیگرے قابض ہوئے لیکن ان کو کبھی اطمینان سے سلطنت کرنا نصیب نہ ہوا، کیونکہ ان کو ہر وقت کسی نہ کسی دعوے دار سلطنت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، پھر بھی علمی ذوق امرا تک عام ہو چکا تھا اور وہ اپنے محلوں میں کتب خانہ کا قیام ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ غازی خان جو سلطان ابراہیم لودی کے دربار کا ایک بڑا معزز امیر تھا، اس کا ایک خاص کتب خانہ قلعہ کے اندر تھا، ۹۳۲ھ میں جب بابر نے اس کو فتح کیا تو یہ کتب خانہ بھی اس کے قبضہ میں آیا، تزک بابری میں ہے۔

''دوشنبہ کے دن قلعہ میں سیر کرتا ہوا غازی خان کے کتب خانہ میں پہنچا، چند اچھی کتابیں اس میں سے نکال کر کچھ ہمایوں کو دیں اور کچھ کامران مرزا کو کابل بھجوادیں، دینی کتابیں اس میں زیادہ ہیں اور میرے خیال کے بہ موجب عمدہ کتابیں اس میں کم نکلیں''۔(۲)

اس بیان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح دوسرے امراء کے ذاتی کتب خانے بھی موجود ہوں گے، جن کے ذکر سے تاریخیں خالی ہیں۔

بابر کا کتب خانہ: بابر شاعر، ادیب، مصنف اور صاحب علم فرماں روا تھا، زمانہ نے اس

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ص ۳۹۲۔ (۲) تزک بابری فارسی، (قلمی) دارالمصنفین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے نہ دیا، آخر عمر میں جب کابل اور دہلی پر اس کا قبضہ ہوا تو ایک گونہ اطمینان سے زندگی بسر ہونے لگی، اس وقت امور سلطنت سے جب اس کو فرصت ملتی تو علمی مشاغل کی طرف توجہ کرتا، شاہی کتب خانہ کے علاوہ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا، جہاں اپنے مذاق کی چیدہ کتابیں رکھتا تھا (۱)، چنانچہ جب اس کو زہر دیا گیا تو اسی کتب خانہ میں اس نے آکر تھوڑی دیر آرام لیا تھا۔

ہمایوں کا کتب خانہ: الولد سر لابیہ کے مطابق ہمایوں بھی علمی مذاق میں اپنے باپ سے پیچھے نہ تھا، اس کو ادب، شاعری اور علم ہیئت سے خاص دلچسپی تھی اور اس کی خاص مجلسوں میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے، مشہور امیر البحر سید علی ترکی نے اپنے سفرنامہ میں متعدد جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے کہ "القصہ ان دنوں نظم اور مشاعروں کا بڑا زور تھا، اس لیے مجھے ہمیشہ بادشاہ کے حضور میں رہنا پڑتا"۔ (۲)

ہمایوں کے دربار میں جب کوئی ماہر فن آجاتا تو اس سے اس فن میں کام لینے کی کوشش کرتا، سید علی ترکی شاعری کے علاوہ علم ہیئت سے بھی پوری واقفیت رکھتا تھا، ہمایوں نے پہلے اس کو ایک ضلع کی حکومت دے کر ملازم رکھنا چاہا، مگر جب اس نے ہندوستان میں رہنا منظور نہ کیا تو اس سے کہا گیا کہ کم از کم تین مہینے دہلی میں قیام کرنا پڑے گا، کیونکہ برسات کے باعث تمام سڑکیں زیر آب ہیں، اس درمیان میں سورج گرہن کے حساب کی جانچ کا کام اس کے سپرد ہوا، چنانچہ وہ ہندوستانی علمائے ہیئت کے ساتھ ہمایوں کے مرنے تک برابر اس کام میں مصروف رہا، ایک جگہ لکھتا ہے۔

بادشاہ نے درخواست منظور کی، مگر فرمایا کہ برسات کے باعث سڑکیں اچھی حالت میں نہیں ہیں، اس لیے تین ماہ کے بعد سفر کے لائق ہوں گی، اس مدت میں چاند اور سورج گرہن کا حساب کرے اور علمائے ہیئت کو آفتاب کی گردش اور خط استوا کے نکات پڑھنے میں

---

(۱) تزک بابری قلمی مذکور و ترجمہ اردو، ص ۳۳۶، مطبوعہ دہلی۔ (۲) سفرنامہ وطن لاہور، ص ۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدد دے، یہ سب باتیں متانت کے ساتھ مجھے سمجھائی گئیں، لہٰذا میں مجبور ہوا......اور فوراً کام میں مصروف ہو گیا اور بغیر آرام کیے رات دن مشغول رہ کر فلکی مشاہدات کا کام ختم کیا۔(۱)

ایسے صاحب ذوق بادشاہ کی نسبت یہ کہنا کہ اس کے عہد میں متعدد کتب خانے ہوں گے غیر موزوں ہوگا، صدر جہاں (یعنی قاضی القضاۃ) کے محکمہ میں جہاں سے تمام دینی اور دنیاوی معاملات کے فتوے جاری ہوتے تھے، کسی کتب خانہ کا نہ ہونا عقل سے بعید ہے، پھر شاہی کتب خانہ جو ہر بادشاہ کے عہد میں رہا ہے، دہلی میں موجود ہوگا، اس کے علاوہ بابر کا ذاتی کتب خانہ بھی اس کے مرنے کے بعد ہمایوں کے قبضہ میں آیا، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ بابر کی طرح ہمایوں کے پاس بھی ذاتی کتب خانہ موجود تھا، چنانچہ اس کی موت بھی اسی کتب خانہ کی چھت سے اترتے وقت ہوئی، طبقات اکبری میں ہے:

عجیب باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ۷ ربیع الاول کو غروب آفتاب کے وقت جنتِ آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کتب خانہ کی چھت پر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اترنے لگے، جب دوسری سیڑھی پر پہنچے تو مؤذن نے اذان دی، کمال ادب سے بیٹھ گئے، پھر جب اٹھنے لگے تو پیر پھسل گیا اور زینہ سے زمین پر آ گئے۔(۲)

اس کتب خانہ کی نسبت ذاتی کتب خانہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ راقم الحروف نے اس کتب خانہ کی عمارت خود دیکھی ہے، جو قدیم قلعہ کے اندر محکمہ آثار قدیمہ کی بدولت اب تک موجود ہے، خود قلعہ پرانی دلی سے فاصلہ پر ہے اور غالباً اس زمانہ میں اس کی آبادی قلعہ تک ہوگی، قلعہ کے اندر جو عمارتیں ہوتی ہیں، ان کا تعلق عوام سے نہیں ہوتا، بلکہ بادشاہ یا محکمۂ جنگ سے ہوتا ہے، اس لیے اس کتب خانہ کی عمارت کا قلعہ کے اندر ہونا ہی اس کا ثبوت ہے کہ یہ بادشاہ کا ذاتی کتب خانہ تھا، یہ عمارت دراصل شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہے، اب اس کا نام شیر منڈل ہے، عمارت میں سنگ سرخ زیادہ استعمال کیا گیا ہے، وسط میں ایک کمرہ ہے

---

(۱) سفرنامہ ترکی امیر البحر (مرآۃ الممالک)، اردو، ص ۴۳، لاہور۔ (۲) طبقات اکبری، ص ۱۴۷، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے گرد غلام گردش، عمارت کے اوپر ایک برج ہے، شیر شاہ نے محض تفریح کے لیے یہ بلند مقام بنوایا تھا، اس لیے اس کا اصلی نام ''شیر گاہ'' ہے، سید علی ترکی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ''ہمایوں شیر گاہ کی سیڑھی سے گر کر مر گیا'' (۱) ہمایوں نے جب ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس کو اپنا کتب خانہ بنایا، وہ کبھی کبھی علم ہیئت کے تجربات یہیں کیا کرتا تھا، اس کتب خانہ کا ناظم نظام نامی شخص تھا، جس کی شہرت باز بہادر کے نام سے زیادہ تھی۔

سوری خاندان میں صرف شیر شاہ اور سلیم شاہ ایسے بادشاہ گذرے ہیں جو علم اور اہل علم کے قدردان تھے، ان کو فتوحات اور خانہ جنگی سے اتنی فرصت نہ ملی کہ اس طرف زیادہ توجہ کرتے پھر بھی جس قدر موقع مل سکا رفاہ عام کے کام بھی انجام دیے۔

تاریخ میں صاف طور سے تو کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی کتب خانہ قائم کیا گیا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا عہد اس سے خالی رہا ہوگا، بلکہ جہاں جہاں مدرسے، جامع مسجدیں اور خانقاہیں تھیں ان کے ساتھ کتب خانہ کا ہونا لازمی تھا، یہی حال محکمۂ قضاء کا تھا۔

اکبر کا کتب خانہ: ہمایوں کے بعد اکبر تخت نشین ہوا، اکبر ان خوش نصیب بادشاہوں میں سے ہے، جس کے عہد میں بڑی علمی ترقی ہوئی، اس کا دربار بڑے بڑے علماء، ادباء، حکماء، شعراء اور ہر فن کے اصحاب کمال کا مرکز تھا، اس کے دربار کے نورتن کی شہرت آج تک ہے۔

اکبر اگرچہ معمولی لکھا پڑھا تھا لیکن علمی ذوق میں وہ اپنے اسلاف سے کسی طرح کم نہ تھا، اس نے محکمۂ تراجم بھی قائم کیا تھا، جس کے ذریعہ سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور مستقل تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا، جس میں تاریخ کے علاوہ تقریباً ہر فن پر کتابیں لکھی گئیں، اکبر خود بھی کتابوں کا بڑا شائق تھا، اس کو جب کوئی نئی کتاب مل جاتی تو

---

(۱) سفرنامہ سید علی، ص ۴۳، لاہور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو ضرور کتاب دار سے منگوا کر سنتا اور ایک رات میں جہاں تک سنتا وہاں نشان لگا دیتا، دوسرے دن پھر اسی جگہ سے شروع کراتا، یہاں تک کہ کتاب ختم ہو جاتی۔(۱)

اس کے پاس ایک بڑا عظیم الشان کتب خانہ تھا، اپنے بزرگوں سے ورثہ میں جو کتب خانہ پایا تھا، اس کے علاوہ گجرات، جونپور، بہار، کشمیر، بنگالہ اور دکن کی فتوحات میں یہاں کے کتب خانوں سے جو کتابیں اس کو دستیاب ہوئیں، ان کی بڑی تعداد اس نے اپنے کتب خانہ میں داخل کی، اس طرح اس کا کتب خانہ نوادر کتابوں کا بیش بہا خزانہ بن گیا، اسی میں نصیر الدین ہمایوں شاہ کا فارسی دیوان بھی تھا، جس کی چند رباعیاں ابوالفضل نے اکبر نامہ میں نقل کی ہیں (۲)، قلعہ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ تھا، وہی شاہی کتب خانہ تھا، کیونکہ موجودہ مثمن برج شاہ جہاں کا بنوایا ہوا ہے، نظر بندی کے زمانہ میں وہ اسی جگہ رہتا تھا۔(۳)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس عہد میں بادشاہ کی قدر دانی سے علم وفن کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، دربار میں بہ کثرت علماء و ماہرین فن جمع ہو گئے تھے اور جن کی رسائی دربار شاہی تک نہ ہو سکی، وہ ان امرائے دولت سے وابستہ ہو گئے، جو علم وفن کے قدر دان اور مربی تھے۔

ابوالفضل، فیضیؔ، مولانا فتح اللہ شیرازی، حکیم ابوعلی گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمام عبدالرحیم خانِ خاناں، مولانا عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالقادر بدایونی، ملا مبارک نام نظام الدین بخشی، ان میں سے ہر شخص خود ماہر علوم وفنون، صاحب ذوق اور علم کا قدر دان تھا، ہر شخص کے پاس اپنا ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔

کتب خانہ، خانِ خاناں: خانِ خاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خان ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہا ہو لیکن علم کی قدر دانی میں ان سے بہت آگے تھا،

---

(۱) اکبر نامہ، ج ۱، ص ۲۷۰، نول کشور۔ (۲) ایضاً۔ (۳) تاریخ آگرہ، ص ۷۵، مطبوعہ آگرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا کتب خانہ شروع میں احمد آباد میں تھا، جب کہ وہ وہاں کا حاکم تھا، یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا، کتابوں کی مرمت، اصلاح اور حفاظت کے لیے بہت سے ملازمین مقرر تھے، کاتب، جلد ساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے، یہ خوش نویس، طلاکار، صحاب اور حکاک بھی تھے، علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی، طبع موزوں بھی رکھتے تھے۔

ان کی نسبت مآثر رحیمی میں ہے:

> ''وہ ایک مدت تک اس کتاب خانہ میں کتاب داری کے عہدہ پر ممتاز رہے، ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں، تصویریں اور طلاکاری کے نمونے بہ کثرت ہیں''۔(۱)

اس کے بعد (غالباً ان ہی جگہ) مشفق نقاش کا تقرر ہوا، جو فن نقاشی میں یکتائے روزگار تھا۔

خوش نویس: بہبود مرزا مشہور خوش نویس تھا، جو میر علی خوش نویس کا بھائی تھا، نقاشی اور خوش نویسی میں اس کو کمال حاصل تھا، خانِ خاناں کے کتب خانہ میں اسی کام پر ملازم تھا۔

شجاع شیرازی اس کو خط ثلث اور نسخ میں بڑی مہارت تھی، ۹۹۹ھ میں اس نے مقام ٹھٹھ میں شرف ملازمت حاصل کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد کتب خانہ کی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔

ملا عبدالرحیم ہروی، ان کا خطاب ''عنبرین قلم'' تھا، خط نسخ اور نستعلیق میں ان کو کمال حاصل تھا، محمد حسین کشمیری (خوش نویس) کے سوا کوئی ان کا حریف نہ تھا، اس کتب خانہ کی اکثر کتابیں اسی کے قلم کی مرہون منت ہیں۔

مصور و شبیہ ساز: میاں ندیم، میاں فہیم کے بھائی تھے، یہ دونوں آبو (گجرات) کے راجپوت

---

(۱) مآثر رحیمی، ص ۱۶۸۶، ج ۳، حصہ ۲، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجہ کے لڑکے تھے، خان خاناں نے ان کی تربیت اپنے بچوں کی طرح کی تھی، فن مصوری میں اس زمانہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا، اسی کتب خانہ سے ان کا تعلق تھا۔

مادھو، فن مصوری کے علاوہ شبیہ سازی میں بے مثل تھا، اس کتب خانہ کی اکثر کتابوں کی تصویریں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔

جلد ساز: محمد امین خراسانی، ایک مشہور جلد ساز اور رنگ طلائی کا ماہر تھا، اس نے مشہد کے کتب خانہ میں بہت دنوں تک کام کیا تھا، چار سو روپے ماہانہ اس کی تنخواہ تھی، اسی کتب خانہ میں ملازم تھا، یہ محمد امین خراسانی وہی ہے جس نے ابری کاغذ کی ایجاد سے شہرت دوام حاصل کی۔

ملا محمد حسین جلد ساز اپنے فن میں ماہر تھے، مصوری کا کام بھی خوب جانتے تھے، ۳۵ سال تک اس کتب خانہ میں ملازم رہے، کتب خانہ میں سب سے زیادہ معتمد یہی تھے۔

داروغہ کتب خانہ: شیخ برہمی، بہرائچ کے باشندے اور ہندی (بھاکھا) زبان کے بڑے اچھے شاعر تھے، اسی کتب خانہ سے ان کا تعلق تھا، جب وہ حج کو جانے لگے تو اپنے لڑکے شیخ عبدالسلام کو داروغہ بنا گئے، جس نے خان خاناں کے زیر تربیت رفتہ رفتہ اعلیٰ لیاقت حاصل کر لی۔

مترجم: ملا محمد علی کشمیری، عربی اور فارسی میں بڑے صاحب استعداد تھے، ان کو ترجمہ کرنے میں خاص مہارت تھی، ۱۰۲۵ھ میں خواجہ صائب الدین کی ایک عربی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ان ہی نے کیا تھا۔

مصحح: مولانا صوفی ایک متبحر عالم تھے، غالباً یہ تصحیح کا کام کرتے تھے، ملا شکیبی بھی اسی کتب خانہ سے وابستہ تھے، لیکن ان کے ذمہ کیا کام تھا، اس کی تصریح نہیں ملتی، شاید تصحیح کے بعد مقابلہ کا کام انجام دیتے تھے۔

جدول ساز: ملا محمد امین جلد ساز اپنے فن کے کامل تھے، ان ہی کے ساتھ محمد حسین کامی، بقائی اور غنی ہمدانی بھی اس کتب خانہ میں کام کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناظم: میر باقی اس کتب خانہ کے افسر اعلیٰ، بڑے صاحب علم و استعداد تھے، ترکستان کے باشندے اور خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے، اس کتب خانہ کے عملے کی کل تعداد ۹۵ تھی، اسی سے اس کی عظمت معلوم کر سکتے ہیں۔

خصوصیات: اس کتاب خانہ میں خاص بات یہ تھی کہ اس عہد کے اکثر مصنفین کی تصنیفیں خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود تھیں، بعض مصنفوں نے خود ہی اپنی تصانیف پیش کی تھیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- دیوان نظیری نیشاپوری، جس نے ۱۰۶۲ھ میں آگرہ کی ملاقات میں دیوان نذر گزرانا۔

۲- خواجہ حسین ثنائی خراسانی کے کلام کا مسودہ جو ملا عبدالرحیم خوش نویس کا لکھا ہوا تھا، خاص کتب خانہ کے لیے بھیجا۔

۳- محتشم کاشی کی مثنوی جو امیر معزالدین محمد کاشی خوش نویس کی لکھی ہوئی تھی اور جس کی نقل میں ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا، اس کتب خانہ میں موجود تھی۔

۴- مشہور شاعر عرفی شیرازی کے دیوان کا مسودہ اسی کتب خانہ میں موجود تھا، جس سے اس کے موجودہ دیوان کو مرتب کیا گیا۔

۵- ملا نورالدین ظہوری کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اشعار بھی اس کتب خانہ کی زینت تھے۔

۶- محمد وقوعی نیشاپوری متوفی ۱۰۱۲ھ ایک بلند پایہ شاعر تھا، اس کے خودنوشتہ قصائد اس کتب خانہ میں موجود تھے۔

۷و۸- ساوجی صرفی اور ملا شکیبی کے بھی خودنوشتہ قصائد کتب خانہ میں تھے۔

خانِ خاناں کے کتب خانہ کی بعض کتابیں اس وقت ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک کتاب تصوف میں خواجہ عبداللہ انصاری کی ہے، اس کو ۹۲۱ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سلطان علی مشہدی نے لکھا اور خان خاناں نے اس کو ۱۰۲۳ھ میں جہاں گیر کی نذر کیا، اس پر جہاں گیر کے قلم سے اس کا نام مع سنہ تحریر ہے، پھر ۱۰۳۷ھ میں شاہ جہاں کے کتب خانہ میں داخل ہوئی، شاہ جہاں نے بھی اپنے قلم سے نام اور سنہ لکھا، آج کل یہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔

دوسری کتاب تصوف میں مجالس العشاق ہے، جو امیر تیمور کے پوتے سلطان حسین کی تالیف ہے، اس میں ۵۲ ایرانی آرٹ کی تصویریں ہیں، ۹۹۹ھ میں داخل کتب خانہ ہوئی، ۱۲۶۳ھ میں فرخ آباد کے حاکم شجاع الملک سعادت مند خان کے قبضہ میں آئی، یہ بھی رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ایک کتاب تعبیر رویا میں تھی، جس میں قرآن پاک سے خواب کی تعبیر نکالنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، یہ کتاب اکبر نے ۲۴ جلوس میں خان خاناں کو مرحمت کی، یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے۔

شش رسالہ سعدی، ۹۸۶ھ میں بہ مقام اودے پور اس کے ہاتھ لگا، پھر شاہ جہاں کے کتب خانہ میں آیا، اس پر شاہ جہاں کی تحریر ہے، اس کے بعد عالم گیر کے کتب خانہ میں داخل ہوا، اب بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں ہے۔

یوسف زلیخا، ۹۳۰ھ میں میر علی نے ہرات میں لکھی، ۱۰۱۹ھ میں جہاں گیر کو خان خاناں نے تحفہ میں دی، جہاں گیر نے اپنے قلم سے اس میں اس واقعہ کو لکھا ہے، اس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی، یہ مصوری اور طلا کاری کا بہترین نمونہ ہے (۱)، یہ بھی بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں اس وقت موجود ہے۔

قرآن پاک، طول ۱۱/۱ انچ اور عرض ۷/۱ انچ ہے، بین السطور ۱۲/۱ ہیں، شنگرف سے

(۱) یوسف زلیخا قلمی مصور طلائی جدول پاکیزہ خط نسخ چھوٹی تقطیع کا شانتی نکیتن بنگال کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، جو ۱۲۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے، جو خاص کابل سے تحفۃً لایا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نشانات رکوع، ربع، نصف، ثلث بنے ہیں اور آیات کے نشانات لاجوردی، نیلگون، سنہرے ہیں، شروع کے دو عنوان مرصع اور مزین ہیں، تمام سورتوں کے عنوان زرافشاں ہیں، کاتب کا نام نہیں ہے، مگر نہایت پختہ نسخ میں ہے، یہ قرآن ۱۰۳۲ھ میں خان خاناں کے پاس تھا، اس پر اس کی تحریر موجود ہے، پھر اللہ وردی کے کتب خانہ میں داخل ہوا، ۱۹۱۹ء سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔(۱)

سلیمہ سلطانہ کا کتب خانہ: اسی عہد میں سلیمہ سلطانہ بیگم بھی تھیں، یہ ہمایوں کی بھانجی یعنی ان کی بہن گل رخ بیگم کی صاحب زادی ہیں، عالمہ اور شاعرہ تھیں، ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئی، ساٹھ برس کی عمر پا کر ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی، جہانگیر نے بھی اپنی تزک میں ان کی قابلیت اور فضیلت کی تعریف کی ہے، ان کو کتب بینی کا بڑا شوق تھا، ان کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔(۲)

منعم خان کا کتب خانہ: اکبر ہی کے زمانہ میں سپہ سالار منعم خان خاناں جونپور کا حاکم تھا، عمر رسیدہ، تجربہ کار اور علم کا قدردان تھا، اسی نے دریائے گومتی پر جونپور میں پل تیار کرایا تھا، جو آج تک موجود ہے، اس کے پاس بھی ایک کتب خانہ تھا، وہ کتابوں کا بڑا شائق تھا، جہاں کہیں سے اس کو کتاب دستیاب ہوسکتی، حاصل کرنے کی کوشش کرتا، احباب بھی اس کے اس شوق سے واقف تھے، جو کتاب نایاب سمجھتے فوراً اس کے پاس روانہ کردیتے اور اس کے صلہ میں وہ گراں قدر عطیے دیتا، جب وہ جونپور کا حاکم تھا تو اس کے ایک دوست بہادر خان ازبک نے کلیات سعدی کا ایک نسخہ اس کو تحفۃً ارسال کیا تھا، اس کتاب کی پشت پر منعم خان نے جو کتابی چہرہ تحریر کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے:

---

(۱) یہ تمام حالات مولوی حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ کے ایک لیکچر سے ماخوذ ہیں، جو ۱۹۲۳ء میں مشرقی کانفرنس میں آپ نے دیا تھا۔(بحوالہ معارف، ج ۱۴)۔(۲) لیکچر محقق آثار قدیمہ کلکتہ، بحوالہ معارف، ج ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ایں کلیات حضرت شیخ سعدی قدس سرہ راآں عزیز بہادر خان ور بلدۂ پر سرور جونپور بدین فقیر فرستادہ بود، پانصد روپیہ انعام شد، در تاریخ نہ صدو ہفتادو شش (۹۷۶ھ) عدداوراق ایں کتاب سی صدو نودو چہاراست، عدد ابیات وسطورش ازمتن و حاشیہ نوزدہ ہزار و ہفت صد حاشیہ چہار ہزار و ہفت صدو بست وہشت است، مشتمل بردوسہ ودیباچہ مصورو چہارلوح شیرازی"۔ (العبد منعم بن بیرم غفراللہ ذنوبہما وستر عیوبہما[۱])

اسی طرح اس کے کتب خانہ کی ایک اور کتاب اس وقت خوش قسمتی سے محفوظ ہے، یہ مرزا م کامران کا دیوان ہے جو ایک عرصہ تک اس کے کتب خانہ کی زینت رہا، اس نے اپنے قلم سے اس پر جو عبارت لکھی تھی، وہ یہ ہے:

"اللہ اکبر، دیوان مرزا کامران بخط خواجہ محمود اسحاق شہابی ...... منعم خان خاناں ۲۴ فرد بہ قیمت مہر"۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اس نے خرید کر داخل کتب خانہ کی تھی۔ (۲)

نور جہاں کا کتب خانہ: علوم وفنون کی قدردانی میں نور جہاں بیگم بھی اپنے مردہم عصروں میں کسی سے کم نہیں تھی، اس کے پاس بھی ایک ذاتی کتب خانہ تھا اور وہ کتابیں خرید کر اس میں اضافہ کرتی رہتی تھی، چنانچہ مرزا کامران کا دیوان اس نے تین مہر میں خرید کر داخل کتب خانہ کیا تھا، دیوان کے اول صفحہ پر یہ عبارت درج ہے۔ (۳)

"تین مہر قیمت اموال، نواب نورالنساء بیگم"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نور جہاں کے خطاب ملنے سے قبل یہ کتاب دستیاب ہوئی تھی اور کتب بینی کا شوق شاہی محل میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس میں موجود تھا۔

---

(۱) لیکچر محقق آثار قدیمہ کلکتہ، بحوالہ معارف، ج ۱۴۔ (۲) دیوان کامران کا پہلا صفحہ کتب خانہ بانکی پور پٹنہ۔ (۳) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ فرید کا کتب خانہ: شیخ فرید بخاری جہاں گیر کے ان امیروں میں سے تھے، جس پر بادشاہ کی خاص نظر عنایت رہتی تھی، لاہور اور احمد آباد میں عرصہ تک ناظم (صوبہ دار) رہا تھا، غیر متعصب فیاض اور صاحب علم تھا، اس کے پاس بھی ایک کتب خانہ ذاتی تھا، چنانچہ دیوان حسن دہلوی کا جو نسخہ اس نے اپنے کتب خانہ کے لیے خرید کیا تھا، وہ آج بھی خدا بخش خان لائبریری میں موجود ہے۔(۱)

فیضی کا کتب خانہ: فیضی فیاضی ان لوگوں میں ہے، جن کا علمی ذوق بہت بلند ہے، وہ اپنے یگانۂ روزگار باپ کا خلف الصدق تھا، اس نے اپنے کتب خانہ میں بڑی نایاب اور نادر کتابیں جمع کی تھیں، ان میں بڑی تعداد ایسی کتابوں کی تھی، جو خود مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں یا ان کے قریب زمانہ کی تھیں اور بڑی محنت سے ان کی تصحیح کی گئی تھی۔

ان کتابوں کی بڑی نفیس جلدیں تھیں، خود فیضی کی ایک سو ایک تصانیف اس میں تھیں، کتب خانہ کی کتابوں کی مجموعی تعداد چار ہزار چھ سو تھی، فیضی کے انتقال کے بعد یہ سب کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئیں(۲)، فنون کے لحاظ سے ادب، طب، نجوم، موسیقی، حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ، تفسیر، فقہ و حدیث کی کتابیں اس کتب خانہ میں تھیں۔

جہاں گیر کا کتب خانہ: سلاطین مغلیہ میں شہنشاہ جہاں گیر اپنی خوش مذاقی اور علمی ذوق کے لیے بہت مشہور ہے، اس کی تزک پڑھنے سے اس کے علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے پاس شاہی کتب خانہ کے علاوہ اپنا ذاتی کتب خانہ بھی تھی، جو سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہتا تھا، جس کا مہتمم مکتوب خان تھا، چنانچہ جب وہ گجرات گیا ہے تو وہاں کے علماء کو اس نے اس کتب خانہ سے متعدد کتابیں تحفۃً دیں، جہاں گیر لکھتا ہے:

> "۱۶ر تاریخ سہ شنبہ کے دن گجرات کے مشائخ میرے پاس دوبارہ آئے، میں نے پھر ان کو خلعت، زادراہ اور آراضی دے کر رخصت کیا اور

---

(۱) اورینٹل لائبریری بانکی پور پٹنہ کی فہرست، ج ۱، ص ۲۴۸۔ (۲) منتخب التواریخ، ج ۳، ص ۳۰۵، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے ہر ایک کو اپنے خاص کتب خانہ سے ایک ایک کتاب مثل تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب کے مرحمت کی اور ان سب کی پشت پر اپنی گجرات کی آمد اور عطیہ کی تاریخ تحریر کردی‘‘۔(۱)

کتب خانہ کے داروغگی (مہتمم) کے عہدہ پر ۱۰۵۶ھ تک عبدالرحمٰن رشیدائی خوشنویس تھا، اس کے بعد میر صالح ولد عبداللہ مشکین رقم متوفی ۱۰۱۶ھ اس عہدہ پر مامور رہا (۲)، ۱۰۶۳ھ میں کتب خانہ کا داروغہ محمد شفیع تھا، جیسا کہ ایک کلام مجید کی مہر سے معلوم ہوتا ہے، جو اس وقت رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔(۳)

ایک جرمن سیاح جو ۱۶۳۶ء میں سورت آیا تھا اور یہاں عرصہ تک قیام کر کے واپس گیا، اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ شاہ جہاں کے کتب خانہ میں ۲۴ ہزار کتابیں اعلیٰ قسم کی جلد بندھی ہوئی موجود تھیں۔(۴)

شاہ جہاں کا کتب خانہ: شاہ جہاں بادشاہ کے عہد ۱۰۶۲ھ میں اس کتب خانہ کے ناظم کچھ دنوں کے لیے سید علی ابن سید جلال مقصود عالم بن سید محمد مقبول عالم تھے، وہ گجرات کے شہر احمد آباد میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی سید جعفر بدر عالم کی سفارش سے اس عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہوئے، ان کا سلسلہ نسب احمد آباد گجرات کے مشہور بخاری خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ عالم سے ملتا ہے، نہایت لائق اور صاحب علم لوگوں میں سے تھے، اورنگ زیب عالم گیر سے لے کر محمد شاہ کے زمانہ تک شاہی کتب خانہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہا، اس کے بعد اس کتب خانے کی جانب سے سلاطین مغلیہ بے پروائی برتنے لگے، جس کے سبب اکثر قابو یافتہ امراء نے کتب خانہ سے کتابیں منتقل کرنی شروع کردیں، چنانچہ شاہ اودھ کے کتب خانہ میں بے شمار کتابیں یہاں کی موجود تھیں۔(۵)

(۱) تزک جہاں گیر، ص ۲۱۸، علی گڑھ۔ (۲) شاہ جہاں نامہ، ج ۲، ص ۵۰۵۔ (۳) معارف، ج ۱۴، ص ۴۲۲۔ (۴) سفرنامہ، مرتبہ مین ڈلس لو، ص ۱۱۸۔ (۵) تحفۃ العالم، ص ۳۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۵۷ء کے بعد اس کتب خانے کے اجزاء مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے، اس کا کچھ حصہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے قبضہ میں آیا اور کچھ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف لندن کی نذر ہوا، بقیہ کتابیں لندن کے شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئیں، پھر بھی ہزاروں کتابیں ایسی تھیں جو ہندوستان ہی میں رہیں، چنانچہ ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں ایسی کتابیں میری نظر سے گذریں، جن پر شاہان مغلیہ اور ناظم کتب خانہ کی مہریں موجود ہیں۔

اسی طرح بہت سے ذاتی کتب خانوں میں بھی یہ کتابیں پائی جاتی ہیں۔

عالم گیر کا کتب خانہ: سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں اس کتب خانہ کو اور زیادہ ترقی ہوئی، اس وقت اس کا ناظم محمد صالح تھا جو عیسیٰ خان ترخان (سندھ) کا دوسرا لڑکا ہے اور مہتمم مہابت خان کا پوتا محمد منصور مقرر ہوا، اس کو مکرمت خان کا خطاب بادشاہ نے عطا فرمایا تھا، ۱۰۶۹ھ میں اس کے مہتمم سید علی الحسینی ہوئے، جیسا کہ ایک کتاب (قرآن شریف) کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے، جو اس وقت رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔(۱)

قطب الملک کا کتب خانہ: امرائے دولت کو کتب خانوں کا شوق تھا اور اپنا ذاتی کتب خانہ خاص اہتمام سے رکھتے تھے، قطب الملک کا کتب خانہ انہی میں سے ایک تھا، اس کتب خانہ میں نادر کتابیں بھی موجود تھیں جن کو خاص طور پر مہیا کرتا تھا۔

تزک جہاں گیری اس عہد میں بہت کم یاب تھی لیکن اس نے اپنے کتب خانہ کے لیے اس کو بہم پہنچایا، پھر اسی کتب خانہ سے شاہزادہ محمد سلطان بن عالم گیر نے اس کو حاصل کیا، یہ کتاب آج بھی خدا بخش خان لائبریری میں موجود ہے۔(۲)

نواب ابراہیم خان بہادر ہزبر جنگ ۱۱۵۷ھ میں دہلی کے ذی اثر امراء میں شمار کیے جاتے تھے، اس زمانہ کے علمی ذوق کے مطابق ان کے پاس ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا،

---

(۱) بحوالہ معارف، ج ۱۴، ص ۴۲۲۔ (۲) اورینٹل لائبریری پٹنہ کی فہرست، ج ۱، ص ۲۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں کتابیں خرید کر کے داخل کی جاتی تھیں، چنانچہ ایک کتاب ''مہندس'' شاعر کا دیوان مصنفہ ۱۱۱۵ھ خرید کر کے کتب خانہ میں داخل کیا گیا، شاعر مہندس کا اصلی نام لطف اللہ ہے، جس کا باپ نادر العصر استاد احمد معمار عہد شاہ جہانی کا مشہور انجینئر ہے، جس نے تاج محل آگرہ اور لال قلعہ دہلی تعمیر کیا۔

اس کتاب کے خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے:

''بتاریخ بستم رمضان المبارک ۱۱۵۷ھ دیوان مہندس خرید شد بسرکار نواب ابراہیم خان بہادر''۔

اور ابتداء میں ہے:

''ایں کتاب سرکار نواب ابراہیم خان بہادر ہزبر جنگ بہ کتاب خانہ داخل شد''۔(۱)

نواب لوہارو کا کتب خانہ: مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں نواب لوہارو بہت بامذاق اور علم دوست رئیس تھے، عموماً ان کے دربار میں اہل علم جمع رہتے، دہلی کے مشہور شاعر غالب سے ان کی بڑی دوستی تھی، نواب صاحب ان کی بڑی قدر کرتے تھے، نواب صاحب کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں مختلف فنون کی کتابیں تھیں، نوادر کا بڑا شوق تھا، اسی لیے نقاشی اور مصوری کے بہترین نمونے اس میں تھے، بقول غالب کے اس میں کم از کم بیس ہزار کی مالیت کی کتابیں تھیں (۲)، افسوس ۱۸۵۷ء کی بادخزاں نے کتب خانہ کا ورق الٹ دیا۔

گجرات کا شاہی کتب خانہ: گجرات میں ممکن ہے کہ کتب خانہ کا رواج اسلامی حکومت سے پہلے آباد شدہ مسلمانوں میں رہا ہو، جیسا کہ مولانا یعقوب الموجود ۶۵۶ھ کے قیام جامع مسجد پٹن سے معلوم ہوتا ہے لیکن تاریخ میں صریح طور پر اس کا کوئی ذکر نہیں۔(۳)

(۱) معارف، ج ۳، نمبر ۱۔ (۲) عود ہندی، ص ۲۹، ۱۷۔ (۳) خاتمہ مرأۃ احمدی، بمبئی، ۲، ۷، ۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب گجرات میں خودمختار حکومت قائم ہوئی تو سلطان احمد متوفی ۸۴۶ھ کے دربار میں ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہر جمع ہو گئے اور ان لوگوں کے فیض صحبت سے اس نے مدرسوں، مسجدوں، سراؤں اور رفاہ عام کے دوسرے کاموں کی بنیاد رکھی، ان میں کتب خانہ بھی تھا، اس کتب خانہ کا تذکرہ تاریخ میں اس طرح آتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے محمد شاہ متوفی ۸۵۵ھ نے شاہی کتب خانہ سے کتابیں نکال کر مدرسہ شمع برہانی کے طلبہ پر پڑھنے کے لیے وقف کیں (۱)، یہ کتب خانہ ۹۸۰ھ تک قائم رہا، اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو اس کی کتابیں کچھ تقسیم کر دیں، اس میں سے کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور فیضی کے حصہ میں آئیں، باقی شاہی کتب خانہ میں داخل ہوئیں۔ (۲)

عثمان پورہ کا کتب خانہ: شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی، خلیفہ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ (احمد آباد) بڑے پایہ کے بزرگ تھے، آپ نے سابرمتی ندی کے اس پار ایک گاؤں بسا کر اس کا نام عثمان پورہ رکھا، اسی میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ سلطان محمد شاہ گجراتی کے ذریعہ تعمیر کرایا، جس نام مدرسہ شمع برہانی تھا، اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، جس میں دوسری کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں، ۸۰۳ھ تک تو وہ خود نگراں رہے، اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہ سب یادگاریں قائم رہیں، پھر مرہٹوں کی لوٹ مار میں تباہ ہو گئیں، اب صرف مسجد اور مقبرہ یادگار باقی ہے۔

خانقاہ سرخیز کا کتب خانہ: حضرت شیخ احمد کھٹوی متوفی ۸۴۹ھ نے سرخیز (احمد آباد) میں مسجد، تالاب اور خانقاہ خود تعمیر کرائی، آپ کے بعد سلطان محمد شاہ گجراتی نے مقبرہ اور مدرسہ بنوایا، غالب گمان ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ضرور ہوگا لیکن ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد اپنی خانقاہ میں ذاتی کتب خانہ بھی رکھتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر حدیث

---

(۱) ظفر الوالہ، ج ۱، ص ۳۲، لندن۔ (۲) تاریخ بدایونی، ج ۲، ص ۲۰۲، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کی کتاب مصابیح کو اپنے کتب خانے سے نکال کر حاضرین میں سے ایک شخص کو ایک حدیث سنائی، جس نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔(۱)

شاہ عالم کا کتب خانہ: گجرات (احمد آباد) کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ ایک باعمل عالم تھے، مطالعۂ کتب کا آپ کو بڑا شوق تھا، کثرت مطالعہ کی بنا پر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ٹیک لگانے سے نشان پڑ گئے تھے، آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب کتابیں بھی تھیں، چنانچہ مولانا صدر جہاں جب آپ سے ملنے گئے تھے تو آپ نے امام رازی کا ایک ایسا نایاب نسخہ ان کو دکھایا، جس کی خبر مولانا صدر جہان کو نہ تھی۔(۲)

آپ کے جانشین بھی اس کو برابر ترقی دیتے رہے، سید جعفر بدر عالم متوفی ۱۰۸۵ھ کے وقت میں یہ کتب خانہ عروج پر تھا(۳)، آپ نے خود بھی سیکڑوں کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر داخل کتب خانہ کیں، ایک دفعہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن کا نسخہ طلب کیا، آپ نے کہا کہ آج کتب خانہ سے دیکھ کر دیں گے، اس نے کہا کہ جو آپ کے پاس اس وقت موجود ہے، وہ کیوں نہیں دیتے، آپ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک قرآن مجید رکھتے تھے، مجبوراً وہی دے دیا، مرہٹوں کی یورش کے زمانہ میں ان کی لوٹ مار کے خوف سے آپ کی اولاد شہر پناہ کے اندر چلی آئی تھی، جس کی بنا پر کتب خانہ کی کافی حفاظت نہ ہوسکی، جس سے آہستہ آہستہ کتب خانہ تباہ ہوگیا لیکن کچھ بچی ہوئی کتابیں آج بھی ان کے سجادہ نشین اولاد کے قبضہ میں ہیں۔

نہروالہ پٹن کے مشہور و معروف محدث علامہ محمد بن طاہر پٹنی گجرات کے پاس بڑا نایاب کتب خانہ تھا، اس میں علامہ ممدوح نے عرب و عجم سے لاکر کتابیں جمع کی تھیں، جب تک اس خاندان میں علم رہا کتابیں محفوظ رہیں، پھر آہستہ آہستہ کتابیں ضائع ہوگئیں، مگر اس کا کچھ

(۱) خاتمہ مرأۃ احمدی، ص ۶۴۔ (۲) ایضاً، ص ۳۔ (۳) خاتمہ مرأۃ احمدی اردو، ص ۶۱، لاہور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ ان کے وارثوں کے پاس آج بھی موجود ہے، راقم الحروف نے اس کتب خانہ کو ۱۹۳۲ء میں جب دیکھا تو اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا، اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں کے بعد یہ بھی تلف ہو جائے گا، اس میں کتاب مجمع البحار کے ایک نسخہ کے متعلق بتایا گیا کہ وہ مصنف کے قلم کا ہے مگر اس کی کوئی شہادت اندرونی نہ ملی، جو اس کی تصدیق کرتی۔

شاہ وجیہ الدین کا کتب خانہ: علامہ شاہ وجیہ الدین گجراتی، متوفی ۹۹۸ھ کی احمد آباد میں بڑی مقدس ہستی تھی، ۹۳۴ھ میں آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آپ کی وفات کے بعد ۱۲۳۶ھ تک قائم رہا، اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، یہ کتب خانہ بہت بڑا تھا اور ہر فن کی کتابیں اس میں موجود تھیں، بزرگوں کا بیان ہے کہ دو بڑے کمروں میں بے ترتیبی سے کتابیں بھری تھیں لیکن جب خاندان میں علم کے قدردان نہ رہے تو کتابیں بھی ضائع ہو گئیں، اس صدی کی ابتداء میں مولوی عبدالمنعم صاحب باغلطہ خطیب جامع مسجد بمبئی اور یوسف صاحب بی-اے کھٹ کھٹے مرحوم (بمبئی) بہت سی کتابیں اٹھا لے گئے، راقم الحروف نے ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانہ کو دیکھا تو صرف چند صندوق کتابیں تھیں لیکن اب وہاں کچھ نہیں ہے، کچھ کتابیں تو احباب کے نذر ہوئیں اور کچھ دریائے سابرمتی میں بہ گئیں، کچھ تھوڑی سی کتابیں ہمارے دوست پیر حسینی صاحب اور بڑے میاں صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہیں۔

مدرسہ پٹن کا کتب خانہ: ۱۰۹۲ھ میں بہ مقام نہر والہ پٹن (گجرات) میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا، جس کا نام فیض صفا تھا، اس کے ساتھ مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، جس پر مندرجہ ذیل تاریخی شعر درج ہے:

بنا شد مدرسہ و مسجد پُر فیض صفا   در ہزار و نو دو، دو ز عنایاتِ خدا

اس مسجد میں ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، راقم الحروف نے ۱۹۳۱ء میں جب اس کو دیکھا تو وہ نہایت بڑے حال میں تھا، نایاب کتابیں اس میں کم رہ گئی تھیں، تاہم قلمی کتابوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا بڑا ذخیرہ تھا۔

مخدوم ابراہیم کا کتب خانہ: کاٹھیاواڑ میں کتیانہ ایک مشہور قصبہ ہے، ۱۰۹۹ھ میں یہاں ایک بڑا مدرسہ قائم ہوا تھا، اس کے بانی مخدوم شیخ ابراہیم بن سلیمان تھے، ان کی وفات ۱۱۲۱ھ میں ہوئی، ان کا مدرسہ پچھلی صدی تک قائم تھا، اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، مدرسہ بند ہوجانے کے بعد بھی یہ کتب خانہ عرصہ تک قائم رہا، راقم الحروف نے جب ۱۹۲۵ء یا ۱۹۲۶ء میں اس کو دیکھا تو متوسط درجہ کا کتب خانہ تھا، جس میں قلمی کتابوں کے علاوہ مطبوعات بھی تھیں، متولی صاحب فرماتے تھے کہ اس میں سے بڑا حصہ جونا گڈھ والے اٹھا لے گئے۔

مدرسہ ہدایت بخش کا کتب خانہ: احمد آباد میں مولانا شیخ نورالدین یگانۂ روزگار عالم اور متقی صوفی تھے، فلسفہ، منطق، ریاضی کی تعلیم مولانا احمد بن سلیمان متوفی ۱۰۸۷ھ سے حاصل کی تھی، جو مخدوم شیخ ابراہیم بن سلیمان کے حقیقی بھائی تھے، ان کے لیے شیخ الاسلام نے ایک عمارت مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے تیار کرادی تھی، اس کی تعمیر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے خرچ ہوئے تھے، ۱۱۱۱ھ میں مدرسہ کی عمارت، مسجد اور دارالاقامہ کی عمارتیں بن کر تیار ہوئیں (۱)، اسی کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں، خواص کے سوا عوام بھی اس کتب خانے سے فیض یاب ہوتے تھے، افسوس کہ مرہٹہ گردی میں یہ کتب خانہ تباہ ہوگیا، اس کی متعدد کتابیں کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ حیدرآباد میں موجود ہیں، محلّہ والوں کی دیکھ بھال سے مسجد البتہ اب تک قائم ہے۔

مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ: احمد آباد میں تلیا مل کے متصل جو مسجد ہے، اسی کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ تھا، ۱۱۵۵ھ میں مولانا عمادالدین اس کے ناظم تھے، اس کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں اور بہت سی فن کی منتخب کتابیں تھیں،

(۱) خاتمہ مرأۃ احمدی، ج۱، ص ۵۷، کلکتہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرہٹہ گردی میں اس مدرسہ اور کتب خانہ کا حال بھی ابتر ہوگیا، اس خاندان میں جب علمی چرچا کم ہوگیا تو کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا، اہل خاندان نے شائقین کو خود بہت سی کتابیں دے دیں، کچھ کیڑوں کی تواضع میں صرف ہوئیں، غرض اس طرح تمام کتب خانہ منتشر ہوگیا، بقیہ کتابیں جو اس وقت موجود ہیں، ان سے قیاس ہوتا ہے کہ کتب خانہ بہت بڑا اور گوہر ہائے نایاب کا بیش بہا خزانہ ہوگا، کیونکہ اس علمی خزانہ کے لٹ جانے کے باوجود آج بھی اس میں بہت سی نایاب اور بیش بہا کتابیں موجود ہیں، جو احمد آباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں وقف کردی گئی ہیں۔

شیعہ بوہروں کا کتب خانہ: احمد آباد گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک شیعہ اسماعیلی بوہروں کا مرکز رہا ہے، ان کا والی یا داعی یہیں رہتا تھا اور ان کے مدارس بھی زیادہ تر یہیں قائم تھے، داعی کے زیر نگرانی ایک بڑا عالی شان کتب خانہ بھی تھا، جس میں ہر فن کی کتابیں تھیں، ۱۰۶۵ھ کے بعد کتب خانہ جام نگر (کاٹھیاواڑ) میں منتقل کردیا گیا (۱)، یہ کتب خانہ آج بھی داعی وقت سیدنا طاہر سیف الدین کی نگرانی میں بہ مقام سورت اچھی حالت میں ہے، قوم کے مخصوص علماء اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ۱۰۰۰ھ (دسویں صدی) کے آخر میں یہاں ایک اور کتب خانہ سلیمانی بوہروں کی طرف سے قائم کیا گیا تھا، جس میں زیادہ تر مذہبی کتابیں تھیں، یہ کتب خانہ بھی آج تک ان کے داعی کے پاس موجود ہے۔

کھنبایت کے کتب خانے: کھنبایت ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست ہے، اس زمانہ میں اس کی آبادی بارہ لاکھ تھی، اس لیے اس کے حکمران مومن خان اول کے وقت سے یہاں ہمیشہ عربی، ایرانی اور ہندوستانی علماء اور فضلاء کا مجمع رہا اور یہاں متعدد کتب خانے موجود تھے لیکن جب ریاست پر زوال آیا تو یہ علمی شیرازہ بھی بکھر گیا اور کتب خانہ برباد ہوگیا۔ کھنبایت کے بعض خاندانوں میں اس کا بقیہ حصہ موجود ہے، چنانچہ سید غلام عباس

(۱) موسم بہار، بیان سیدنا داؤد، ج ۳، صفدری بمبئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد علی صاحب کے یہاں ۱۹۲۱ء میں راقم الحروف نے اس کتب خانہ کی بعض کتابیں دیکھیں، اس میں ایک قرآن پاک بھی بہ خط نستعلیق تھا، جسے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دست مبارک کی تحریر سمجھ کر بڑی عزت کرتے تھے، محکمۂ قضاۃ کا بھی ایک کتب خانہ تھا جو ضائع ہو گیا اور موجودہ قاضی صاحب کے پاس چند معمولی کتابیں رہ گئی ہیں۔

ایک دوسرا کتب خانہ عبداللطیف دیوان صاحب کا تھا، جس کو ان کے وارث نہ سنبھال سکے اور آخر میں وہ برباد ہو گیا، باقی کچھ کتابیں ایک بقال نے قرض میں لے لیں، اس بقال نے راقم الحروف کو یہ کتابیں دکھائیں لیکن افسوس کہ ان میں کوئی کام کی کتاب نہ تھی، سب معمولی فارسی کی تھیں۔

احمد آباد کے محکمۂ قضاۃ کا کتب خانہ: اسلامی عہد میں احمد آباد کے قاضی شہر کا درجہ بہت بلند ہوتا تھا، وہ پورے ضلع کے محکمۂ قضاۃ کا نگران بھی ہوتا تھا، اس لیے اس کے پاس کتب خانہ بھی ضروری تھا، چنانچہ احمد آباد کے قاضی شہر کے پاس اس وقت بھی ایک کتب خانہ موجود ہے، جو اسلامی سلطنت کے زمانہ سے عہدہ قضاۃ کے ساتھ چلا آرہا ہے لیکن اولاد بے علم ہونے کے سبب سے اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا، اب سنا ہے کہ کچھ حفاظت کا خیال پیدا ہوا ہے اور کتابیں صندوقوں سے نکال کر الماریوں میں رکھی گئی ہیں۔

راقم الحروف تین بار اس کو دیکھنے کے لیے گیا لیکن نامعلوم مصالح کی بنا پر قاضی صاحب نے دیکھنے کی اجازت نہ دی اور بہ لطائف الحیل ٹال دیا۔

شیخ حضرمی کا کتب خانہ: احمد آباد میں شیخ عبدالقادر حضرمی متوفی ۱۰۳۸ھ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں (۱)، ان کی تصنیفات میں سے **النور السافر فی اعیان القرن العاشر** بڑی مشہور کتاب ہے، خیال آتا ہے کہ سول اسپتال سے مشرق کو جو گلی گئی ہے، اس کے اختتام کے بعد محلّہ جوہری باڑہ میں ان کی قبر ہے، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا (۲)، لیکن

---

(۱) خلاصۃ الاثر، ج ۲، ص ۴۴۰۔ (۲) یادایام، ص ۶۸، علی گڑھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب بجز مقبرہ کچھ نہیں ہے، شیخ عبدالقادر بڑے مورخ، محدث اور صوفی تھے، اس لیے غالباً تصوف، تاریخ اور حدیث کی کتابیں اس میں زیادہ رہی ہوں گی۔

چانپانیر (گجرات) ایک زمانہ تک پایہ تخت رہا ہے، سلطان محمود اول کے زمانہ میں مولانا نصر اللہ یہاں کے قاضی شہر بڑے عالم اور متقی مانے جاتے، مشتبہ مال سے ہمیشہ بچتے تھے، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس کا تعلق محکمہ قضاۃ سے تھا۔

بھروچ کے محکمہ قضاۃ کا کتب خانہ: بھروچ (گجرات) میں بڑا قدیم شہر ہے، یونانی فوجیں جب ہندوستان میں آئی تھیں، اس وقت بھی یہ شہر موجود تھا، اسلامی عہد میں اپنے ضلع کا مرکز تھا، اس لیے یہاں ہمیشہ قاضی کا محکمہ قائم رہا، آخری دور میں یہ عہدہ مولانا سید احمد شیرازی کے خاندان میں منتقل ہوا، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس کا بقیہ حصہ اب تک ان کی اولاد میں موجود ہے۔

۱۹۳۲ء میں راقم الحروف نے اس کو دیکھا تھا، اب بھی اس میں بعض نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں، قاضی نورالدین صاحب (۱) فرماتے تھے کہ میں خردسال تھا کہ والد کا انتقال ہوگیا، اس لیے میرے ہوش سنبھالنے تک اس کتب خانہ کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اس کتاب خانہ کی حسب ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں:

مثنوی مولوی روم مکتوبہ ۱۰۹۰ھ، جلد پنجم، جدید طرز سے ایڈٹ کی ہوئی محیط سرخسی جلد ثانی مکتوبہ ۹۰۹ھ، حدیث میں کتاب المخازن المعروف بہ طرز جدید جلد ثانی، کتاب الخلاصہ فی الفتاوی مؤلفہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری، مجمع البحرین ترجمہ اُپن کھت، پرم ہنس از اتھرن وید وغیرہ۔

شیخ دائمی کا کتب خانہ: شیخ علاءالدین علی بن احمد مہائم (بمبئی) کے رہنے والے تھے،

---

(۱) قاضی صاحب موصوف اسی خاندان کے ممتاز فرد ہیں اور فی الحال اپنے آبائی عہدہ (قضاۃ) پر مامور ہیں، علمی ذوق بھی رکھتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۳۵ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے، ان کا مقبرہ آج تک زیارت گاہ خلائق ہے، شیخ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم صوفی اور بہت سی مفید کتابوں کے مصنف تھے۔

آپ کے پاس بھی ایک بڑا کتب خانہ تھا، جو عرصہ تک قائم رہا لیکن پھر متولیوں کی بے توجہی سے اصلی کتب خانہ ضائع ہوگیا، ۱۹۳۲ء میں جب راقم الحروف وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک جدید کتب خانہ درگاہ شریف میں قائم ہے، جس میں عربی، فارسی، اردو کی کتابیں تھیں، ناظم کتب خانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قدیم کتب خانہ کی بقیہ کتابیں اسی میں شامل کردی گئی ہیں، یاد آتا ہے کہ شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب مجھے دکھائی گئی تھی لیکن عجلت کے باعث میں اس کو نوٹ نہ کرسکا۔

سورت کے نواب صاحب کا کتب خانہ: سورت کے نواب صاحب کے پاس بھی ایک کتب خانہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، یہ غالباً سورت کا سرکاری کتب خانہ ہے، جو وراثت میں نواب صاحب کو ملا ہے، راقم الحروف اس کو دیکھنے کے لیے دوبار گیا لیکن نواب صاحب سورت سے باہر تشریف لے گئے تھے، اس لیے ناکامیاب رہا۔

خاندان عیدروس کا کتب خانہ: سورت کے شرفاء میں عیدروس صاحب کا خاندان مشہور خاندان ہے، یہ خاندان سلطان محمود بن لطیف خان کے عہد ۹۵۰ھ میں حضرموت سے احمد آباد آیا، پھر ان کے لڑکے بھروچ میں اور پوتے سورت میں ۹۷۵ھ میں وارد ہوئے، **جاء الجواد الفیاض** اس آمد کی تاریخ ہے۔(۱)

یہ خاندان ہمیشہ سے صاحب علم رہا ہے اور اس نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابر جاری رکھا، اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، جو سلسلہ بہ سلسلہ اس وقت تک خاندان میں چلا آرہا ہے، ۱۹۳۲ء میں راقم الحروف نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا، اب بھی بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، حدیث، تصوف، ادب، تاریخ کی کتابیں زیادہ ہیں۔

---

(۱) کتاب مزارات سورت وبھروچ مؤلفہ عبدالحکیم متوفی ۱۰۶۸ھ قلمی کتب خانہ عیدروس سورت۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید قمر الدین کا کتب خانہ: سورت ہی میں ایک اور کتب خانہ سید قمر الدین مرحوم کا ہے، ضائع ہوتے ہوتے جس کی اب تین الماریاں رہ گئی ہیں، راقم الحروف ۱۹۳۲ء میں اس کو دیکھنے کے لیے گیا تو اس وقت گھر میں کوئی مرد نہ تھا، پردہ کرا کے اس کتب خانہ کی سیر کی۔

افسوس ہے کہ اس میں کوئی نایاب کتاب نہ ملی، صرف ایک کتاب جس کا نام اللہ خدائی ہے، قابل ذکر نظر آئی، یہ خالق باری کے طرز کی تھی، اس کے دو ابتدائی شعر یہ ہیں:

ہے حمد پاک اور احد یکہ　　جان ام القریٰ کو تو مکہ
اب، پدر، باپ، والدہ مائی　　ہست اقوی برادرا بھائی

یہ کتاب ۱۲۷۸ھ میں بہ مقام بمبئی اسماعیل شیرازی کے ذریعہ طبع ہوئی ہے۔

دوسری کتاب "کلام اقدس" ہے، اس کے مصنف حضرت پیر محمد شاہ بیجاپوری ہیں، جو چالیس برس تک احمد آباد کی جامع مسجد میں معتکف رہے، یہ شاعر بھی تھے، تخلص "اقدس" تھا، اردو کے مشہور شاعر ولی گجراتی کے ہم عصر تھے، متعدد نظمیں اردو میں لکھی ہیں، ان کا دیوان بہت نایاب ہے، راقم الحروف نے ایک مکمل نسخہ احمد آباد میں دیکھا ہے اور یہ دوسرا نسخہ ہے، یہ دیوان ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، معتقدین اس کو آنکھوں سے لگاتے ہیں، مگر طبع کرنے کے خلاف ہیں۔

خانقاہ شاہ عبدالعلیم کا کتب خانہ: بھروچ سے متصل ایک قصبہ انکلیشور ہے، یہاں شاہ عبدالعلیم صاحب کی خانقاہ اور درگاہ و مسجد ہے، یہاں بھی قدیم زمانہ میں بڑا کتب خانہ تھا اور چونکہ سورت کے راستہ میں پڑتا تھا اور قافلوں کا پڑاؤ یہاں ہوتا تھا، اس لیے یہ قصبہ بڑا آباد ہو گیا تھا، اہل علم اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے تھے، اب یادگار کے طور پر تھوڑی کتابیں رہ گئی ہیں۔

میسور کا شاہی کتب خانہ: مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانہ میں جب میسور میں نواب حیدر علی نے اپنی خود مختار سلطنت قائم کی تو یہاں بھی شمع علم کے پروانے ادھر ادھر سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ کر جمع ہونے لگے، پھر ٹیپو سلطان کی قدردانی نے میسور میں اہل کمال کا بڑا گروہ جمع کر لیا، جو افسوس ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی نظر نہ آیا، ٹیپو سلطان کے پاس جو صاحب علم خصوصاً اہل کمال پہنچتا تو وہ اپنی جوہر شناسی سے اس کو اسی کام میں لگا دیتا، جس کا وہ اہل ہوتا، چنانچہ اس نے کسی کو محکمہ جنگ میں، کسی کو توپ خانہ میں اور کسی کو بحری بیڑہ میں جگہ دی، اسی طرح علماء میں سے کسی کو تعلیم، کسی کو تصنیف اور کسی کو ترجمہ پر مقرر کیا تھا۔

اس نے ایک یونیورسٹی بھی قائم کی تھی، جس کے ماتحت مختلف علوم وفنون کے شعبے کھولے جا رہے تھے، اس سے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا، جس میں تمام علوم و فنون کی کتابیں تھیں۔

۱۲۱۳ھ (۱۷۹۹ء) میں جب سلطان شہید ہوا اور سرنگا پٹن پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو قلعہ اور محلات شاہی کے کتب خانہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا اور قصر شاہی کی دوسری چیزوں کی طرح کتب خانہ بھی تاراج ہو گیا، اس لوٹ کے بعد جو کتابیں بچیں وہ چھ سال تک کس مپرسی کے عالم میں پڑی رہیں، اس کتب خانہ کی کتابیں کچھ تو رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور باقی لندن روانہ کر دی گئیں۔

۱۸۰۸ء میں میجر اسٹورٹ نے ان باقی ماندہ کتابوں کی جو فہرست شائع کی تھی، اس میں فنون کے لحاظ سے کتابوں کی تعداد مندرجہ ذیل تھیں:

قرآن مجید	۴۴	ریاضی	۷۵	حدیث	۴۲
تصوف	۵۶	ہندی نظم	۲۳	آرٹس	۱۹
نجوم	۲۰	وظائف	۳۵	زبان	۴۵
نظم	۱۹	فقہ	۹۵	ترکی	۲
تفسیر	۴۱	طب	۶۲	الٰہیات	۴۶
اخلاق	۲۴	دکھنی	۴	فلسفہ	۵۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصص ۱۸ لغات ۲۹

رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں جتنی کتابیں داخل ہوئیں، ان میں سے مخصوص کتابیں یہ تھیں:

رسالہ پدکھا۔ روزنامۂ وکلائے حیدرآباد۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ اتالیق شاہزادہ۔ رسالہ کچہری۔ مجموعۂ سندات۔ ضابطۂ امثال۔ حکم نامہ۔ راہِ فتن وسوار۔ فرمان۔ فتح المجاہدین۔ فراین کا مجموعہ۔ وقائع منازل۔

صرف اردو زبان کی کتابیں انڈیا آفس لندن میں جو داخل کی گئیں، ان میں سے مخصوص نایاب کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

تذکرہ شعرائے ہندی	مؤلفہ فتح علی حسین خان
قصہ ماہ پیکر	مؤلفہ
علی نامہ	مؤلفہ ملا نصرتی
قصہ بہرام وگل اندام (مکرر)	مؤلفہ طبعی، مکتوبہ ۱۰۸۱ھ
گلشن عشق	مؤلفہ ملا نصرتی
دیوان رفیع سودا	مؤلفہ مرزا سودا
کلیات قطب شاہ	مؤلفہ قطب شاہ
قصائد رفیع سودا	مؤلفہ مرزا سودا
روح افزا (قصہ رضوان شاہ)	مؤلفہ فائز
سری گنیش	ترجمہ سنسکرت
قصہ ماہِ پیکر	
سندر سکھار ہندی	ترجمہ سنسکرت
قصہ بہرام وگل اندام	مؤلفہ طبعی گول کندوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھوری ہندی	شاہ درویش گجراتی تصوف
پھول بن	مؤلفہ ابن نشاطی
روضۃ الشہداء	سیوا گل برگوی
طوطی نامہ	مؤلفہ ابن نشاطی
رسالہ سرود وراگ یعنی مجموعہ قدیم دکھنی غزلیات	....
قصہ پدماوت دکھنی	مؤلفہ ابن نشاطی
قصہ لعل و گہر	مؤلفہ عارف الدین خان عاجز
نشاط العشق شرح غوثیہ	ترجمہ
دیوان یقین	مؤلفہ انعام اللہ خان یقین
ترجمہ مفتاح الصلاۃ	فتح محمد برہان پوری
بھوگ بل	مؤلفہ مترجمہ شہاب الدین
خلاصہ سلطانی	سید امام الدین و محمد صمد قاضی سرنگاپٹن
مفرح القلوب	مؤلفہ حسین علی
قصہ رضوان شاہ	مؤلفہ فائز
کلید زبان تلنگی	....

اسی طرح ونڈسر کسیل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے، جو خاص شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، بہترین خط نسخ میں اعلیٰ نقش و نگار سے مزین ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کی قیمت نوے ہزار تک آنکی گئی ہے، یہ نسخہ بھی اسی ٹیپو سلطان کے کتب خانہ کی نادر چیز تھی۔(۱)

---

(۱) تاریخ میسور، ص ۳۵۵، مطبوعہ بنگلور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ عربیہ خانقاہ کا کتب خانہ: صوبہ بہار میں سہسرام مشہور جگہ ہے، جس کو شیر شاہ کی ولادت گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے، یہاں بارہویں صدی کی ابتداء میں ایک بزرگ شاہ کبیر درویش رہتے تھے، ۱۱۲۹ھ میں فرخ سیر بادشاہ نے ایک لاکھ درہم آمدنی کے اٹھارہ مواضع شاہ صاحب کو نذر کیے جن پر ان کے جانشین شاہ خلیل اللہ صاحب نے قبضہ کیا، اس کے بعد ۱۱۷۵ھ میں شاہ عالم ثانی نے بھی ۱۴۱ مواضعات التمغا کے طور پر عنایت کیے۔(۱)

اس خانقاہ کے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم ہوا تھا جو آج تک موجود ہے، مدرسہ کا نام مدرسہ عربیہ خانقاہ ہے (۲)، غالباً خانقاہ کی بنیاد ہی سے اس میں کتب خانہ قائم کیا گیا ہوگا، جیسا کہ عام طور سے دوسری خانقاہوں میں دستور تھا لیکن مدرسہ عربیہ کے قیام کے بعد اس کا تعلق مدرسہ سے کردیا گیا۔

یہ کتب خانہ بہت بڑا اور بہت بیش قیمت تھا، اس کی قیمت کا اندازہ تقریباً ایک لاکھ کیا جاتا ہے، غالباً مدرسہ کے ساتھ یہ کتب خانہ آج بھی موجود ہے۔

راجہ شتاب رائے کا کتب خانہ: سلطنت مغلیہ کے آخر زمانہ میں پٹنہ (بہار) کا ناظم شتاب رائے تھا، جو علوم وفنون کا مربی اور اہل علم کا بڑا قدر دان تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا راجہ کلیان سنگھ ناظم ہوا، یہ خود کئی کتابوں کا مصنف اور شاعر تھا، اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں زیادہ تر فارسی ادب کی اور کچھ تاریخ کی کتابیں تھیں، زمانہ کے ساتھ ساتھ جس طرح اس کی اولاد فارسی سے نابلد ہوتی گئی، اسی طرح آہستہ آہستہ کتب خانہ بھی غفلت کی نذر ہوتا گیا۔

ابھی چند سال ہوئے ایک نمائش کے موقع پر چند اہل علم نے اس خاندان کے ایک معزز ممبر سے اس کتب خانہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے از راہ لطف وکرم کتابیں دکھائیں، جو صندوقوں میں ردی کاغذوں کی طرح بھری ہوئی تھی، فی الحال اس میں کوئی نایاب

---

(۱) تاریخ سہسرام ،ص ۹، مطبوعہ دیوبند۔ (۲) ایضاً ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسخہ دستیاب نہ ہوا۔

راجہ رام نرائن کا کتب خانہ: اسی طرح راجہ رام نرائن کے پاس بھی جو شتاب رائے سے پہلے وہاں کا دیوان تھا، ایک کتب خانہ تھا، جس کی کتابیں اس کے اخلاف کے پاس اب تک موجود ہیں۔

صادق پور پٹنہ کے کتب خانے: اس کے علاوہ مولوی احمد اللہ صاحب بن مولوی الٰہی بخش صاحب جعفری اور مولوی ولایت علی صاحب بن حکیم ارادت حسین صاحب محلّہ صادق پور پٹنہ میں بڑے صاحب علم اصحاب تھے، ان کے پاس بھی اپنا ذاتی کتب خانہ تھا، غدر ۱۸۵۷ء میں حکومت نے ان کی تمام جائداد و املاک ضبط کر لی، اسی میں کتب خانہ بھی تھا، اس طرح اس کتب خانہ کا بڑا حصہ تو لندن پہنچ گیا اور کچھ خدا بخش خان کی لائبریری میں آج بھی موجود ہے، بعض کتابیں ان کے اعزہ کے پاس بھی ہیں، مثلاً شمس العلوم، علم لغت میں تبرکاً، اس خاندان میں چلی آرہی ہے، عظیم آباد کے محلّہ کیوان شکوہ، حاجی گنج، شاد منزل، تیڑہی گھاٹ ڈھول پور وغیرہ میں اکثر امراء کے پاس ذاتی کتب خانے موجود تھے، جیسا کہ عظیم آباد کے بزرگوں سے معلوم ہوا لیکن اسلاف کے علمی شوق کی اخلاف نے کوئی قدر نہ کی، کتابیں ضائع ہوگئیں یا برے حال میں ہیں۔

خانقاہ عباسی کا کتب خانہ: صوبہ بہار میں بھاگل پور کی خانقاہ عباسی محلّہ مشہور خانقاہ ہے، یہاں بھی ایک کتب خانہ تھا، اسی طرح پھلواری شریف کی خانقاہ بھی قدیم ہے اور ہمیشہ سے اربابِ علم و فضل کا مرکز رہی ہے اور اب تک یہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا ہے، یہاں بھی کتب خانہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

سلاطین فاروقیہ کا کتب خانہ: سلطان فیروز شاہ تغلق کے آخری عہد میں بڑے بڑے صوبوں پر جن لوگوں کو ناظم بنایا گیا تھا، وہ اس کی وفات کے بعد خود مختار ہوگئے، ان ہی میں سے ملک راجہ بھی تھا، جس نے اپنا نسب حضرت فاروق اعظمؓ سے ملایا تھا، اسی لیے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت کا نام فاروقی ہے۔

سلطنت فاروقی ساتویں صدی کے آخر سے شروع ہوئی اور ۱۰۰۵ھ میں اکبر اعظم کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا، یہ خاندان بھی علماء، فضلاء، شعراء اور صوفیوں کا قدردان تھا، اس کے پاس بھی ایک بڑا کتب خانہ تھا، فرشتہ کا بیان ہے کہ خواجہ مرزا علی اسفرائنی نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا، خود فرشتہ نے جب وہ ۱۰۱۳ھ میں برہان پور گیا ہے، اس کتب خانہ کی سیر کی، اس میں اس کو ایک کتاب ایسی ملی جس میں شاہان فاروقی کے سنین جلوس و وفات تحریر تھے، جس کو فرشتہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔(۱)

برطانوی عجائب خانہ میں ایلیٹ صاحب کے کاغذات کے ساتھ ملک الشعراء فیضی کا ایک رقعہ بنام راجہ علی خان فاروقی والی خاندیس محفوظ ہے، اس رقعہ میں اس نے والی خاندیس سے استدعا کی ہے کہ تغلق نامہ کا جو نسخہ اس کے پاس ہے، اس کے اول اور آخر کے چند اوراق ضائع ہو گئے ہیں، اس لیے وہ اپنے نسخہ سے ان کو نقل کرا کے بھیج دے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

> ”از کتاب تغلق نامہ کہ از انفاس مقدسۂ امیر خسرو ہست، چند ورق از اول و چندے از آخر رفتہ التفات فرمودہ دو جز از اول و ہمیں قدر از آخر بہ یکے از خدمت گاران امر فرمایند کہ بہر خطے مسودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب حاملان عریضہ فرستند“۔(۲)

اس تحریر سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ والی خاندیس کے پاس کوئی بڑا کتب خانہ تھا لیکن اشارۃً اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ والی خاندیس کو علمی اور ادبی ذوق ضرور تھا، اس لیے وہ اپنے مذاق کی منتخب پسندیدہ کتابوں کا مجموعہ اپنے پاس رکھتا تھا۔

شاہان اودھ کا کتب خانہ: مغلیہ سلطنت کے کمزور ہو جانے پر بارہویں صدی ہجری

---

(۱) فرشتہ، ج ۲، ص ۲۷۷، نول کشور۔ (۲) معارف نمبر ۵، ج ۳۶، ص ۳۴۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وسط میں برہان الملک سعادت علی خان کو اودھ کا صوبہ دار بنایا گیا، کچھ دنوں کے بعد اس نے خود مختار ہو کر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی، اس کی آٹھ پشتوں نے ۱۸۵۶ء تک اودھ کے پایہ تخت لکھنؤ میں حکومت کی۔

دہلی اجڑنے کے بعد لکھنؤ کا شباب تھا، نواب آصف الدولہ کی بدولت اہل علم و صاحب کمال لکھنؤ میں جمع اور مختلف علوم وفنون کے لیے مدرسے قائم ہو گئے، ان کے ساتھ ساتھ کتب خانے بھی قائم ہوئے ہوں گے، چنانچہ لکھنؤ میں متعدد مشہور کتب خانے تھے، ان میں شاہی کتب خانہ کا حال ایک انگریز اسپرنگر نے جو ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ آیا تھا، لکھا ہے۔

شاہی کتب خانہ قدیم دولت خانہ میں تھا، یہ دولت خانہ رومی دروازہ کے پاس لوہے کے پل کے پیچھے گومتی کے نزدیک تھا، افسوس ہے کہ اس دولت خانہ کا اب کوئی نام و نشان بھی نہیں رہا، غالباً وکٹوریہ پارک اور لوہے کے پل کے درمیان کسی جگہ رہا ہوگا، اس میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں، غازی الدین حیدر نے اس کو زیادہ ترقی دی۔

ایک دوسرا کتب خانہ موتی باغ کے محل میں تھا، اس میں زیادہ تر ادبی کتابیں تھیں، یہ محل آج بھی گومتی کے کنارے قیصر باغ سے تھوڑے فاصلہ پر موجود ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد سلیمان قدر اس میں رہتے تھے، اب اس کا نام موتی محل ہو گیا ہے، اس محل میں تین ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں، جو زیادہ تر چیدہ اور منتخب تھیں۔

ایک اور کتب خانہ فرح بخش محل میں تھا، اس میں کتابیں گو ایک ہزار سے کم تھیں لیکن قیمت کے لحاظ سے یہ بڑا بیش بہا کتب خانہ تھا، اس کتب خانہ کی ہر کتاب مطلا اور مذہب تھی اور یہ کتب خانہ نقاشی اور طلاکاری کا بہترین نمونہ تھا، واجد علی شاہ کے حکم سے یہ خاص کتب خانہ عام شاہی کتب سے علاحدہ جمع کیا گیا تھا، اس لیے اگر اس کو واجد علی شاہ کا ذاتی کتب خانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ان سب کتب خانوں کی حفاظت کا معقول انتظام تھا اور ایک گونہ اچھی حالت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تھے لیکن سلطنت کی سیاسی بدنظمی کا ان پر بھی کافی اثر پڑا اور کتب خانہ کے ناظموں کی جلد جلد تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی ناظم کو اس کے ترتیب دینے کا موقع نہ مل سکا، دیواری الماریوں میں یہ کتابیں بھری تھیں اور چونکہ ان میں کوئی ترتیب نہ تھی، اس لیے افسران کتب خانہ جائزہ لیتے اور دیتے وقت محض جلدوں کا شمار کرا دیتے تھے، اس کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی نایاب اور قابل قدر کتابیں کتب خانہ سے نکل گئیں اور جلد شماری کے لیے اس کی جگہ معمولی کتابیں رکھ دی گئیں، چنانچہ اسپرنگر لکھتا ہے کہ ناظم کتب خانہ نے دس ہزار قیمت کی کتابیں فروخت کر کے اپنے لڑکوں کی شادی کی، راقم الحروف نے بھی شاہی کتب خانہ کی مہر شدہ کتابیں ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں دیکھی ہیں جس سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے، راجہ صاحب سلیم پور کے کتب خانہ میں ایسی متعدد کتابیں آج بھی موجود ہیں، شاہی کتب خانہ کی بقیہ کتابیں ۱۸۵۷ء کے بعد لندن بھیج دی گئیں۔

زبان کے لحاظ سے ان کتب خانوں میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت، ترکی اور پشتو کی کتابیں تھیں، فنون کے لحاظ سے تصوف، تذکرہ، تاریخ کے ساتھ ادب کا بڑا ذخیرہ تھا، جس میں دواوین کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔(۱)

اودھ کے شاہی کتب خانہ کی نسبت جو کچھ لکھا گیا، یہ اس وقت کا حال ہے، جب کہ سلطنت دم توڑ چکی تھی، کتب خانہ تباہ و برباد ہو چکا تھا اور اسپرنگر صاحب نے محض بچی کھچی کتابوں کی فہرست تیار کی تھی، ورنہ عبداللطیف شوستری نے جو آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ آیا تھا، اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ:

> ”علامی تفصیل حسین خان کے ساتھ میں نے کتب خانہ کا معائنہ کیا، تقریباً تین لاکھ کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں اور ہر سو جلد پر ایک آدمی مقرر ہے“۔

---

(۱) فہرست کتب خانہ شاہ اودھ، مطبوعہ لندن۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان کے اعتبار سے یہ کتب خانہ عربی، فارسی اور انگریزی کی نظم ونثر کی کتابوں پر مشتمل تھا، خوش نویسوں کے قطعات کے علاوہ ایرانی، ہندی، رومی اور یورپین مصوری کے بہترین نمونے اس کثرت سے اس میں ہیں کہ ان سب کو دیکھنے کے لیے عمر نوح کی ضرورت ہے، علمی کتابوں کے بے شمار نسخے دیکھنے میں آئے، جیسے شرائع، مدارک، مسالک، مفاتیح، کشکول، بحار الانوار وغیرہ۔

اس کتب خانہ میں مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں بھی بہت ہیں، مہتمم کتب خانہ نے بتایا کہ سات سو جلدیں خود مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہیں، دہلی کی سلطنت جب تباہ ہوئی تو وہاں کے کتب خانہ کی کتابیں زیادہ تر لکھنؤ کے اس شاہی کتب خانہ میں منتقل ہوگئیں، حق یہ ہے کہ یہ کتب خانہ اس قدر نادر روزگار ہے اور ایسا بیش بہا ہے کہ شاہی خزانہ کے جواہرات اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچے۔(۱)

اس بیان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بارہویں صدی کے آخر میں شاہان اودھ کا کتب خانہ کتنا عظیم الشان اور اس کا انتظام کس قدر بہتر تھا، لکھنؤ میں ایک مشہور کتب خانہ مرزا سلیمان شکوہ کا تھا، مرزا سلیمان شکوہ دہلی کے بے بصر بادشاہ شاہ عالم کے تیسرے بیٹے تھے، ۱۲۰۹ھ میں قلعہ معلّٰی سے بھاگ کر لکھنؤ پہنچے۔

لکھنؤ میں آصف الدولہ کی حکومت تھی، بڑی عزت کے ساتھ ٹیڑھی کوٹھی میں قیام کا انتظام کردیا اور چھ ہزار ماہوار ان کے اخراجات کے لیے مقرر کردیے، مرزا سلیمان شکوہ بڑے علم دوست تھے، دہلی کے ارباب فن ان کے دربار میں آہستہ آہستہ جمع ہوگئے، خود بھی شاعر تھے اور شاعروں کی قدر افزائی میں ہمیشہ ساعی رہے، ان کے پاس بھی ایک کتب خانہ تھا، اسی کتب خانہ میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے متعدد دیوان مصنف کے زیر ہدایت لکھے گئے تھے، جن کی پانچ جلدیں اس وقت بھی کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں اور مرزا سلیمان شکوہ

(۱) تحفۃ العالم، ص ۳۴۹، ۳۵۰، مطبوعہ بمبئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کتب خانہ کی مہر اس پر لگی ہے۔(۱)

لکھنؤ کے ضلع میں کاکوری شرفاء کا ایک مشہور قصبہ ہے، جہاں برٹش گورنمنٹ کے عہد میں بھی عرصہ تک علم کا چرچا رہا، وہاں صاحب ذوق امراء کے سبب بہت سے علماء، شعراء اور ادیب رہتے تھے اور ان ہی کے سبب سے مدارس، کتب خانے اور علمی مجلسیں قائم تھیں، ان ہی میں سے ایک مقام ''امیر محل'' تھا، جہاں ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا گیا تھا، اس کتب خانہ میں ایک ''تذکرۂ بیاض نورِ ازل'' تھا، جس کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے ۱۲۰۹ھ میں تصنیف کیا تھا اور اس کی نقل درنقل ۱۲۳۹ھ میں ہوئی، جو امیر محل کے کتب خانہ میں داخل ہوئی اور اس وقت کاکوری کے مشہور علم دوست مشیر احمد صاحب علوی بی، اے کے پاس موجود ہے۔(۲)

فرنگی محل کا کتب خانہ: صوبہ اودھ کے مشہور قصبات میں سے ایک ''سہالی'' بھی ہے، جہاں شیخ نظام الدین انصاری مشہور عالم بزرگ سکونت پذیر تھے اور ان کا فیض جاری تھا۔

اکبر کے زمانہ میں ان کے پوتے شیخ حافظ نے بڑی شہرت حاصل کی، ان کے علم کا غلغلہ سن کر بادشاہ نے ازراہ قدردانی ان کے لیے جاگیر مقرر کردی، ان کی چوتھی پشت میں ملا قطب الدین ہوئے، یہ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ خود عالم گیر نے ان سے ملنے کی خواہش کی تھی، جب ان کو دشمنوں نے شہید کردیا تو ان کے لڑکے ملا نظام الدین لکھنؤ چلے آئے، بادشاہ نے ازراہ قدردانی فرنگی محل، جہاں پہلے پرتگیز تاجروں کی کوٹھیاں تھیں ان کے قیام کے لیے مرحمت کیا، ملا نظام الدین نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر وہ شہرت حاصل کی جو خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا ہندوستان میں کم کسی کو نصیب ہوئی۔

آپ نے جو مدرسہ فرنگی محل میں قائم کیا تھا، وہ آگے چل کر عربی و دینی علوم کی ایک بڑی عظیم الشان یونیورسٹی ہوگئی، اس کے لیے ایک کتب خانہ کا ہونا ضروری تھا، خود ملا نظام الدین کے زمانہ میں یہ کتب خانہ کس حیثیت کا تھا، اس کے متعلق تفصیلی حالات نہیں

---

(۱) فہرست کتب خانہ، رام پور۔ (۲) رسالہ نگار، ص ۱۴۳، جنوری ۳۹ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم لیکن اس قدر علم ہے کہ ملا صاحب کے بعد ان کے جانشینوں نے اس کتب خانہ میں بڑا اضافہ کیا، یہاں تک کہ مولانا عبدالحیؒ کے زمانہ میں مطابع کے اجرا سے اس میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی وفات پر کتب خانہ کا نایاب حصہ تلف ہو گیا، راقم الحروف نے جب اس کتب خانہ کو دیکھا تو اس میں فقہ کی کتابیں زیادہ تھیں، یہ کتب خانہ فی الحال یوسفی پریس کی دو منزلہ عمارت کے مشرقی دالان میں ہے، بعض کھلی اور کچھ بند الماریوں میں کتابیں فن وار رکھی ہیں، غالباً یہ کتب خانہ اسی وقت کھلتا ہے جب کوئی صاحب علم اس کا مشتاق ہو۔

مولانا عبدالباری صاحب کا کتب خانہ بھی نظر سے گذرا، اس میں زیادہ تر فقہ اور تصوف کی کتابیں ہیں، یہ کتابیں ان کے دیوان خانہ میں محراب کے طاقوں اور دیواری تختوں پر ہیں اور کچھ مخطوطات مدرسۂ نظامیہ کی دوسری منزل میں کھلی الماریوں میں رکھے ہیں۔

لکھنؤ میں ایک اور مشہور کتب خانہ تھا جو وہاں کے مجتہد صاحب کے زیر اہتمام قائم ہوا تھا، یہ کتب خانہ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی مجتہد صاحب کے پاس رہا، راقم الحروف نے ایام طالب علمی میں جناب قبلہ علن صاحب مجتہد کے انتقال پر سنا تھا کہ ان کا کتب خانہ دوسرے مجتہد صاحب کو دے دیا گیا، اس کے بعد قبلہ ناصر حسین صاحب مجتہد قرار پائے، آپ کا کتب خانہ لکھنؤ میں بہت مشہور ہے، راقم الحروف نے جب اس کو دیکھا تو اس میں دو قسم کی کتابیں تھیں، ایک وہ جو اصل کتب خانہ میں پہلے سے چلی آرہی ہیں، ان پر قدیم کا لفظ لکھا ہوا ہے، دوسری وہ جو خود مجتہد صاحب قبلہ نے اضافہ کی ہیں، ان پر جدید کا لفظ مرقوم ہے، قدیم کے لفظ سے خیال گذرتا ہے کہ شاید اس سے مراد وہ کتابیں ہوں جو سلسلہ بہ سلسلہ مجتہدوں کو کتب خانہ کی شکل میں ملتی چلی آئی ہیں۔

راجہ سلیم پور کا کتب خانہ: لکھنؤ کے قریب کے قصبوں میں ایک قصبہ ''سلیم گڑھ'' بھی ہے، جس کو آج کل سلیم پور کہتے ہیں، شاہان اودھ کے عہد سے یہاں کے حکمران جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"راجہ" کے لقب سے مخاطب کیے جاتے ہیں، صاحب ذوق اور قدردان علم وفن تھے اور ان کو خیموں اور جواہرات کی طرح کتابوں کا بھی شوق تھا، اس لیے ان کا لاجواب کتب خانہ قائم ہو گیا، اس کتب خانہ میں تقریباً ہر فن کی کتابیں تھیں، مخطوطات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، بعض کتابیں مصوری کا نمونہ تھیں، فردوسی کے "شاہنامہ مصور" کی قیمت دس ہزار تک آنکی گئی تھی، منظر الاعیان کا نسخہ تمام ہندوستان میں نادر کتاب کا حکم رکھتا ہے، حیدرآباد کے دیوانی کے کتب خانہ کے علاوہ دوسرا نسخہ اسی سلیم پور کے کتب خانہ میں ہے لیکن بہت برے حال میں ہے، راقم الحروف نے جب اس کو دیکھا تو باوجود حفاظت کے اس کی حالت ابتر تھی، جس عمارت میں یہ کتب خانہ ہے، وہ اس قدر شکستہ ہے کہ "اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند" کی مصداق ہو رہی ہے۔

کتابیں بند الماریوں میں ہیں اور ابھی تک بیشتر اچھی حالت میں ہیں، گو حفاظت کا کوئی سامان نہیں، اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں اور ہر فن کی کتابیں ہیں، فقہ، حدیث، تفسیر، (شیعہ وسنی) اور ان کے اصول کی کتابیں زیادہ ہیں، تاریخ اور ادب کا ذخیرہ بھی کافی ہے، مخطوطات کتب خانہ سے علاحدہ توشہ خانہ میں کئی صندوقوں میں بھرے ہیں۔

بلگرام کے کتب خانے: لکھنؤ کے مضافات میں ایک مردم خیز خطہ قصبہ "بلگرام" بھی ہے، جہاں قدیم عہد میں بڑے بڑے علماء، ادباء، حکماء اور صوفیہ پیدا ہوتے رہے ہے، شیخ عبدالواحد، شیخ نظام، قاضی محمود، قاضی کمال، میر عبدالواحد، مفتی امیر حیدر، سید غلام علی آزاد بلگرامی، میر عبدالجلیل بلگرامی، ڈاکٹر سید علی بلگرامی اور نواب سید حسین بلگرامی جیسے اکابر اسی خاک کے درخشندہ ستارے تھے۔

اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ بلگرام میں کیسے کیسے کتب خانے رہے ہوں گے، جو دست برد زمانہ سے برباد ہو گئے، تاریخ کے مطالعہ سے چند کتب خانوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۱- قاضی ابوالفتح شیخ کمال فرشوری بلگرام کے اہل کمال میں تھے، ۹۱۷ھ میں پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے، اکبر اعظم کے عہد میں قاضی مقرر کیے گئے، اس دولت و وجاہت کے باوجود تمام عمر خدمت علم میں مصروف رہے، آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں صرف، نحو، منطق، حکمت، معانی، بیان، فقہ، اصول فقہ، تفسیر کا بڑا ذخیرہ تھا۔

قاضی صاحب خوش نویس اور خطاط بھی تھے، اس لیے بڑی تعداد کتابوں کی خود ان ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اکثر کتابوں پر ایسے سیر حاصل حاشیے لکھے کہ پھر شرح کی ضرورت نہ رہی، کتابت میں صحت کا اتنا اہتمام رکھتے تھے کہ ایک نقطہ کی بھی غلطی نہ ہوتی تھی، آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں آپ کی تحریروں کو کمال صحت کے سبب صحف آسمانی کا خطاب دیا ہے، شیخ کمال نے چوراسی برس کی عمر میں ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی، ''شیخ کمال'' تاریخ وفات ہے، ان کے انتقال کے بعد کتب خانہ برباد ہوگیا اور اکثر نادر کتابیں بلگرام سے باہر چلی گئیں۔(۱)

۲- بلگرام میں ایک دوسرا کتب خانہ سید عبدالواحد بلگرامی کا تھا، یہ بھی بڑے خوش نویس تھے، مختلف فنون کی کتابیں جمع کی تھیں، اس کتب خانہ میں بے شمار نسخے کلام مجید کے تھے۔

۳- سید عبداللہ بلگرامی اپنے زمانہ کے مشہور فضلاء میں تھے، ان کو خوش خطی میں بھی کمال حاصل تھا، کاغذ کے پھول اچھے تراشتے تھے، طبع موزوں رکھتے تھے، قابل تخلص تھا، ۱۱۳۲ھ میں وفات پائی، سید صاحب نے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا، اس میں بڑی نادر اور عمدہ کتابیں تھیں، افسوس کہ ان کے بعد کتب خانہ نااہلوں کے ہاتھ لگا، اس لیے کتابیں متفرق اور منتشر ہوگئیں اور یہ گوہر نایاب برباد ہوگیا۔

۴- علامہ سید عبدالجلیل بلگرامی کی ذات علمی حیثیت سے بہت بلند تھی، شہنشاہ عالم گیر کے بعد وہ حکومت کے مختلف عہدوں پر ممتاز تھے، جہاں جاتے علمی مشغلہ ساتھ لے

(۱) مآثر الکرام، ج ۱، ص ۲۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے، کتابوں کے بے حد قدردان اور شائق تھے، سفر میں اپنے ساتھ صرف ضروری کتابیں رکھتے، باقی کتب خانہ بلگرام میں تھا، کتابیں زیادہ تر اس عہد کے دستور کے مطابق صندوقوں میں تھیں، ایک خط میں سید محمد کو لکھتے ہیں کہ "برخوردار! کتاب روضۃ الناظر اس صندوق میں رکھی ہے جو میں گجرات سے گھر پر لے آیا تھا"۔

کتابوں کی حفاظت کے متعلق لکھتے ہیں، کتابوں کی احتیاط کے بارہ میں کیا لکھوں، آپ پر ظاہر ہے کہ میں کتابوں کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں اور کتنی محنت اور تلاش سے ان کو فراہم کیا ہے، کبھی کبھی دھوپ بھی دکھا دیا کریں، اس کتاب خانہ میں اردو، فارسی، عربی، ترکی، ہندی اور سنسکرت کی کتابیں تھیں، فنون کے اعتبار سے ادب، ادعیہ، حدیث، طب، لغت، فقہ، صرف ونحو وغیرہ کی کتابیں دوسرے فنون کے مقابلہ میں زیادہ تھیں، میر عبدالجلیل نے تقریباً ۶۷ سال کی عمر میں بہ مقام دہلی ۱۱۳۸ھ میں وفات پائی۔(۱)

میر صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک ان کی اولاد نے کتب خانہ کی حفاظت کی لیکن پھر اس خاندان سے علمی ذوق گھٹتا گیا تو آہستہ آہستہ کتابیں فروخت کردیں اور آج اس کا ایک ورق بھی بلگرام میں نہیں ہے لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ ان کتابوں کا بڑا حصہ خصوصاً میر صاحب کی تصنیفات بلگرام سے منتقل ہو کر حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں داخل ہوگئیں۔

۵- علمائے بلگرام میں شاہ طیب متوفی ۱۱۵۲ھ بھی مشہور لوگوں میں تھے، وہ عرصۂ دراز تک بہ سلسلۂ ملازمت احمد آباد گجرات میں رہے، اپنے والد کے انتقال کے بعد خانہ نشین ہوگئے، ان کے پاس بھی ایک کتب خانہ تھا، خود بھی بڑے زود نویس اور اعلیٰ پایہ کے خوش نویس تھے، اس کتب خانہ میں خوش نویسی کے اعلیٰ نمونے بہ کثرت تھے، آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"وکتب خانہ عظیمے از خط خوش نمط خود یادگار گذاشت"۔(۲)

---

(۱) حیات جلیل، ص ۲۶۱۔ (۲) مآثر الکرام، ج ۱، ص ۵۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶- نواب شیخ میر عالم گیری صاحب ثروت ہونے کے ساتھ صاحب دل بزرگ تھے، بلگرام کے سیدواڑہ سے نکل کر شہر کے مشرقی جانب ایک محلّہ آباد کیا اور اس میں ضروریات کی تمام چیزیں مہیا کیں، کتابوں کے بھی شائق تھے، چنانچہ ایک کتب خانہ بھی ان کے پاس موجود تھا، اسی محلّہ میں مسجد تعمیر کرا رہے تھے کہ خود ان کی حیات مستعار کی تکمیل ہوگئی، مرتے وقت وصیت کر گئے کہ کتابوں کو فروخت کر کے مسجد کی تکمیل کی جائے۔(۱)

والیٔ فرخ آباد کا کتب خانہ: مغلیہ سلطنت کے آخری زمانہ میں روہیلوں کی ایک ریاست فرخ آباد میں بھی قائم ہوئی تھی، یہاں کے حکمران علم کے شائق اور اہل کمال کے بڑے قدردان تھے، چنانچہ جو بڑے بڑے اصحاب کمال دہلی سے نکلتے تو ان کی پہلی منزل فرخ آباد ہوتی۔

۱۲۶۳ھ میں یہاں کا حکمران بدرالدولہ شجاع الملک محمد سعادت مند خان بہادر اسد جنگ تھا، جو سخاوت، شجاعت اور علوم وفنون کی قدردانی میں اپنے بزرگوں کا خلف الصدق تھا، اس کے پاس بھی ایک بڑا کتب خانہ تھا، چنانچہ ایک کتاب پر اپنے قلم سے یہ عبارت لکھی ہے:

> ”بتاریخ دوازدہم ذی الحجہ ۱۲۶۳ھ مقدسہ روز جمعہ نسخہ مجالس العشاق
> کتب خانہ نیاز مند درگاہ بدر الدولہ شجاع الملک محمد سعادت خان بہادر
> اسد جنگ بن نواب امین الدولہ محمد خردمند خان بہادر ببر جنگ خلف الرشید
> نواب شمس الدولہ محمد خدا بندہ خان بہادر غضنفر جنگ والی فرخ آباد داخل
> گردید“۔

یہ کتاب آج کل ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے۔(۲)

نواب روہیلہ کا کتب خانہ: محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں روہیلہ پٹھانوں نے بڑی قوت پیدا کر لی اور آہستہ آہستہ روہیل کھنڈ پر قابض ہوگئے، اس کے حکمرانوں میں حافظ

---

(۱) مآثر الکرام، ج ۱، ص ۹۸۔ (۲) لکچر محقق آثار قدیمہ، کلکتہ، حافظ نذیر احمد صاحب بحوالہ معارف، ج ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمت خان بڑا شجاع ، بہادر ، صاحب علم اور اہل کمال کا قدر دان تھا ، اس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں بہت سے مدرسے قائم کیے اور رفاہ عام کے دوسرے کام انجام دیے۔

وہ سادات، علماء اور فضلاء کا بڑا قدر دان تھا، اس کے پاس بھی ایک کتب خانہ تھا، ۱۱۸۸ھ میں اودھ کے نواب شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خان کو قتل کر کے اس کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور شاہی محل کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔(۱)

اس لوٹ میں کتب خانہ بھی ہاتھ آیا، جس کو لکھنؤ لا کر توپ خانہ کی عمارت میں رکھا گیا، لکھنؤ میں عام طور پر اس کو توپ خانہ لائبریری کہتے تھے، یہ توپ خانہ برٹش رزیڈنسی کے قریب تھا، (جس کو آج کل بیلی گارو کہتے ہیں، جو دراصل بیلی گارڈن کا بگڑا ہوا نام ہے، میجر بیلی صاحب نواب سعادت علی خان کے عہد میں مشہور ریزیڈنٹ تھے)، غالباً یہ وہ مقام ہے جہاں آج کل بلرام پور ہسپتال ہے اور بیلی گارو کے سامنے جو بڑا میدان نظر آتا ہے، وہ اس میں شامل تھا، اس میدان میں ایک بڑی دو منزلہ عمارت تھی ، اس کے تین حصے فوجی ضروریات میں استعمال ہوتے تھے اور چوتھے حصہ کی بالائی منزل میں یہ کتب خانہ تھا۔

یہ کتابیں صندوقوں میں بڑی بے ترتیبی سے بھری ہوئی تھیں، اسپرنگر صاحب نے ان کو کس مپرسی کی حالت میں دیکھ کر بہت افسوس کیا ہے، ان صندوقوں میں مستقل طور پر چوہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی اور ڈنڈوں سے کھٹکھٹائے بغیر ان صندوقوں میں ہاتھ ڈالنا بڑا خطرناک کام سمجھا جاتا تھا۔

کیڑوں نے بھی کافی نقصان پہنچایا تھا، اچھی اچھی کتابیں کیڑوں کی ستم آرائی سے چھلنی ہو کر رہ گئیں ہفت قلزم اور تاج اللغات دونوں جو اس عہد میں نایاب اور نوادر میں شمار ہوتی تھیں برباد ہو گئیں اور اس قسم کی بے شمار کتابیں چوہوں اور کیڑوں کے نذر ہو گئیں، اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ شجاع الدولہ کو روہیلوں کے ملک، ان کی دولت اور ہیرے جواہرات

(۱) گل رحمت، ص ۱۷۴، بمبئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ضرورت تھی، جو بعد فتح حاصل ہو گئے تھے، فوجی سرداروں نے ان تمام کتابوں کو بیکار سمجھ کر ایک کونہ میں ڈال دیا، جو بلا حفاظت اسپرنگر صاحب کے وقت تک پڑی رہیں۔

رام پور کا کتب خانہ: سلطنت مغلیہ کے اختتام پر روہیل کھنڈ میں جو ریاستیں قائم ہو گئی تھیں ان میں سے ایک رام پور کی ریاست بھی ہے، اس کے فرماں روا ہمیشہ سے علوم و فنون کے سرپرست رہے ہیں۔

دہلی اور لکھنؤ کے اجڑ جانے پر اکثر اہل کمال رام پور آ گئے تھے، جن کی نواب صاحب نے بھی پوری قدردانی کی اور علمی کاموں کا دروازہ کھول دیا اور ایک بڑا عربی مدرسہ قائم کیا گیا، جس کے صدر مدرس (پرنسپل) علامہ زمان مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی تھے، اسی کے ساتھ تصنیف اور ترجمے کا کام بھی شروع کیا گیا۔

تاریخی تحقیقات سے جہاں تک پتہ لگتا ہے، باقاعدہ طور پر کتب خانہ کی ابتداء نواب محمد فیض اللہ خان والی رام پور کے عہد میں ہوئی اور تصنیف و تالیف و ترجمے اور نذر کے ذریعہ جتنی کتابیں حاصل ہوئیں، وہ سب اس کتب خانہ میں جمع ہوئیں۔

نواب سید محمد سعید خان صاحب کے عہد (۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء) میں ایک ہزار چارسو نواسی روپے آٹھ آنے کی کتابیں خریدی گئیں، اس وقت کتب خانہ میں ہمایوں نامہ، اکبر نامہ، خزانۃ العالم، تاریخ نادری، خلاصۃ التواریخ، تاریخ جہان خافی، تاریخ مجمع محفل جیسی کتابیں جو اس عہد میں نایاب تھیں، اس کتب خانہ میں موجود تھیں۔

نواب سید محمد یوسف صاحب کے زمانہ (۱۸۵۵ء) میں دو ہزار سات سو ستاون روپے ساڑھے دس آنے کی کتابیں خرید کر کے داخل کتب خانہ کی گئیں۔

اس کے بعد نواب کلب علی خان کے عہد میں کتب خانہ کو بڑی ترقی ہوئی اور تینتالیس ہزار چھ سو آٹھ روپے ۱۳ر آنے ۹ پائی کی کتابیں خریدی گئیں، اس کے علاوہ دوران سال میں جو نایاب کتابیں خریدی گئیں، ان کی قیمت اس میں شامل نہیں ہے، جیسے تاریخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غازانی مصور، جس کی قیمت دو ہزار تھی یا عجائب المخلوقات کا مصور نادر نسخہ وغیرہ۔

نواب کلب علی خاں کے بعد نواب حامد علی خان کے عہد میں چار لاکھ اٹھائیس ہزار ایک سو چھتیس روپے چودہ آنے دس پائی، کتب خانہ پر صرف ہوئے، جس میں سے چالیس ہزار کی رقم کتب خانہ کی عمارت پر خرچ ہوئی، بقیہ میں کتابوں کی خریداری اور کتب خانہ کے عملہ کی سال بھر کی تنخواہ شامل ہے۔

عملہ میں ناظم مہتمم، رجسٹرار، نائب رجسٹرار، تحویل دار، خوش نویس، نقاش، وراق، صحاف، پاسبان، فراش وغیرہ ہوتے تھے، یہ کتب خانہ آج بھی موجود ہے، اس میں مندرجہ ذیل فنون کی کتابیں ہیں:

تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ، کلام، سلوک، اخلاق، حکمت، ہیئت، منطق، طب، لغت، نحو، بلاغت، ادب، تاریخ، سیر، مناقب، الحرب، کیمیا، اعمال، متفرق۔

مندرجہ ذیل زبانوں کی کتابیں اس میں موجود ہیں:

عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ترکی، پشتو، بھاشا، سنسکرت، ناگری اور پنجابی کی کتابیں ہیں۔

قدامت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قدیم کتاب ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ کی النکت والعیون ہے، جو ۵۷۷ھ کی لکھی ہوئی ہے، کتابت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قدیم کتاب امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ کی التیسیر فی علم التفسیر ہے، جو جعفر بن عمر الصیرفی الحدادی کے ہاتھ کی ۶۷۹ھ کی لکھی ہوئی ہے۔

خطاطی کے نمونوں میں دنیائے اسلام کے مشہور خطاط یاقوت مستعصمی کے لکھے ہوئے کتبے بھی اس کتب خانہ میں موجود ہیں، ایک کتاب دیوان الحادرہ بھی اسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتب خانہ کے ابتدائی دور کی کوئی ایسی شہادت دستیاب نہیں ہوئی، جس سے اس بات کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے کہ اس زمانہ میں کتابوں کی تعداد کیا تھی، سب سے پہلی تحریر نواب کلب علی خان کے عہد کی مشہور شاعر منشی امیر احمد صاحب مینائی کی ملتی ہے، جو غالباً اس زمانہ میں کتب خانہ کے ناظم تھے، اس وقت (۱۸۸۹ء) کل کتابوں کی تعداد ۹۳۴۷ تھی، اس کے بعد حکیم محمد اجمل خان اس کے ناظم مقرر ہوئے، انہوں نے عربی کتابوں کی ایک مفصل فہرست (جلد اول) مرتب کرائی، جس میں کتابوں کی کل تعداد ۱۲۴۵ ہے، ۱۹۲۷ھ میں اس کی دوسری جلد شائع ہوئی، اس زمانہ میں اس کتب خانہ کے ناظم حافظ احمد علی خان صاحب تھے، ان کی تحریر کے بہ موجب کتابوں کی تعداد ۲۴۱۱۵ ہے۔(۱)

جون پور کے کتب خانے: خاندان تغلق کے زوال کے زمانہ میں جب ہندوستان کا ہر صوبہ دار خود مختار ہو گیا تو جون پور کے نائب حکومت خواجہ جہان نے بھی "ملک الشرق" کا لقب اختیار کر کے شرقی خاندان کی بنیاد رکھی، اس کے جانشینوں نے قنوج سے لے کر بنگال تک کا خراج وصول کیا۔

یہ بڑا زرخیز خطہ تھا، اس لیے بہت جلد یہاں کے حکمران طاقت ور ہو گئے اور بہت جلد ترقی کر کے تمدن کے تمام لوازم جون پور میں جمع کر دیے، بڑی بڑی مسجدیں، خانقاہیں، سرائیں، مدرسے، حمام اور عالی شان محلات تعمیر کرائے۔

گو اس سلطنت کی عمر بہت تھوڑی یعنی صرف اسّی برس رہی، مگر شاہان شرقی کی قدردانی اور جوہر شناسی سے ہر قسم کے اہل کمال جون پور میں جمع ہو گئے تھے، علماء کی قدردانی کا یہ حال تھا کہ خود بادشاہان وقت ان سے ملنے جایا کرتے تھے، مدارس اور خانقاہوں کے لیے لاکھوں روپے کی جائدادیں وقف کیں اور علماء کے لیے بڑے بڑے وظائف مقرر کیے۔

سلطنت کے انقلاب کے بعد جب مغلوں کا دور آیا تو ان کی قدر افزائی کی وجہ سے

---

(۱) رام پور کے کتب خانہ کے متعلق تمام معلومات فہرست کتب خانہ رامپور، ج ۱ و ۲ سے ماخوذ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرانی سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آنے پایا، شاہ جہان فخریہ طور پر کہا کرتا تھا کہ ’’شرق ماشیراز ماست‘‘ برہان الملک جب اودھ کا صوبہ دار ہو کر آیا تو اس نے اصحاب کمال کی تمام جاگیریں چھین لیں اور وہ لوگ پریشان حال ہو کر منتشر ہو گئے اور یہ علمی بزم درہم برہم ہو گئی۔

سلاطین شرق نے اپنے عہد میں بے شمار مدرسے قائم کیے اور یہ سلسلہ عہد مغلیہ تک قائم رہا، تاریخوں سے مندرجہ ذیل مدارس کا خاص طور پر پتہ چلتا ہے:

۱-مدرسۂ قاضی شہاب الدین دولت آبادی، ۲-مدرسۂ عادل، ۳-مدرسۂ استاد الملک، ۴-مدرسۂ ملا معمور، ۵-مدرسۂ شیخ رکن الدین، ۶-مدرسۂ ملا حضرمی، ۷-مدرسۂ مداریہ، ۸-مدرسۂ ملا شمس نور، ۹-مدرسۂ صادقیہ، ۱۰-مدرسۂ خلیلیہ، ۱۱-مدرسۂ جمیلہ، ۱۲-مدرسۂ ملا باب اللہ، ۱۳-مدرسۂ صدر جہان، ۱۴-مدرسۂ شمس الدین۔

یہ وہ مدارس ہیں جن کا درجہ آج کل کے کالجوں کے برابر تھا، ان میں بڑے بڑے مشہور ماہر فن تعلیم دیتے، ان مدارس کی اپنی اپنی عمارت ہوتی تھی، طلبہ کے لیے دارالاقامے اور ان کے ساتھ مسجدیں اور کتب خانے تھے، غرض تعلیم کی تمام ضروریات ان میں مہیا تھیں۔

ان کے علاوہ بے شمار ذاتی کتب خانے بھی تھے، مولوی معشوق علی مرحوم ۱۲۶۲ھ کا کتب خانہ جون پور میں خاص شہرت رکھتا تھا، اس کتب خانہ میں پانچ ہزار کتابیں تھیں (۱)، وہ خود درس و تدریس کا ذوق رکھتے تھے اور ان کے درس میں ہر فن کے طلبہ رہتے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ میں ہر قسم کی کتابیں رہی ہوں گی، آپ نے ایک کتاب تحفہ طفیفہ کے نام سے اخلاق میں اور دوسری فرائض میں تالیف کی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اخلاق اور فقہ سے خاص دلچسپی تھی۔

ایک اور کتب خانہ مفتی سید ابوالبقا متوفی ۱۰۴۰ء کا تھا، وہ شاہ جہاں بادشاہ کے عہد

(۱) تذکرہ علمائے جونپور، ج ۲، ص ۱۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جون پور کے مفتی تھے، آپ کی ذہانت اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کتاب پڑھ لینے کے بعد زبانی یاد ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ شاہ جہاں نے ایک ایسی کتاب اصلاح کے لیے بھیجی جو متعدد جگہ سے خراب ہو گئی تھی، انہوں نے اس کو ایک مرتبہ پڑھ کر کتب خانہ میں رکھ دیا اور بھول گئے، چھ مہینے کے بعد جب بادشاہ کی طرف سے تقاضا شروع ہوا تو آپ کو خیال آیا، اتفاق سے کتب خانہ میں ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملی، مجبوراً خود اپنے قلم سے مکمل کتاب لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دی، بادشاہ بہت خوش ہوا اور انعام و جاگیر سے سرفراز فرمایا۔(۱)

عادل شاہی کتب خانے: سلطنت بہمنی کے خاتمہ کے بعد دکن میں پانچ نئی سلطنتیں قائم ہوئیں، برید شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی اور عادل شاہی، ان میں سے عادل شاہی سلطنت سب سے زیادہ طاقت ور تھی، اس کے تعلقات ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی بہت دوستانہ تھے، ایران اور روم کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آتے رہتے تھے اور نادر تحائف کے ذریعہ محبت کے رشتہ کو مضبوط کرتے تھے۔

عادل شاہی سلاطین جس طرح سیاسی معاملات میں بہت ذی ہوش تھے، اسی طرح علوم وفنون کی سرپرستی میں بھی ممتاز تھے، ان کا دربار شعراء، فضلاء، حکماء سے بھرا رہتا تھا، ملا ظہوری، ملا ملک قمی، ملا فتح اللہ شیرازی، خواجہ عنایت اللہ شیرازی، قاسم فرشتہ سب اسی دربار سے متعلق تھے۔

اس قدردانی کے سبب فارس، عراق، آذربائیجان اور عرب سے اہل کمال کھنچ کھنچ کر یہاں آ گئے تھے، رفیع الدین شیرازی جو خان سالار اور خزانچی تھا، اس کا بیان ہے کہ شیراز میرا وطن ہے، اس لیے میں صحیح طور پر جانتا ہوں کہ دس ہزار اشخاص بادشاہ کی قدردانی سے فیضیاب ہوئے۔(۲)

تصنیف وتالیف وترجمہ کا جس قدر کام اس سلطنت کے زیر سایہ ہوا، اتنا اس کی

---

(۱) تذکرہ علمائے جونپور، ج۲، ص۶۴۔ (۲) بساتین السلاطین، ص۱۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حریف سلطنتوں میں سے کسی نے انجام نہیں دیا، اس عہد میں بہ کثرت مساجد، مدارس، سرائیں، پل اور خانقاہیں بنوائی گئیں، کتابوں کا بھی اس خاندان کو خاص ذوق تھا اور ایک بڑا شاہی کتب خانہ بیجاپور میں قائم تھا، خود علی عادل شاہ متوفی ۹۸۸ھ کتابوں کا بڑا دلدادہ تھا، اکثر اس کے مطالعہ میں کتابیں رہتی تھیں، شاہی کتب خانہ کے علاوہ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو سفر اور حضر میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا، تاریخوں میں عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ:

> "کتابوں کی طرف اس کو بڑی رغبت تھی، ہر قسم کی کتابیں مہیا کر کے کتب خانہ میں داخل کی تھیں، اس کتب خانہ میں ساٹھ آدمی کام کرتے تھے، جس میں کاتب، خوش نویس، مذہب، (طلا کار)، جدول بنانے والے، جلد ساز، نقاش ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے"۔

چار صندوق منتخب کتابیں ہمیشہ اس کے ساتھ سفر و حضر میں رہتی تھیں، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ سفر کا آخری دن تھا، بارش بہت سخت ہوئی، لشکر منتشر ہو گیا، بادشاہ بھی ایک جگہ خیمہ زن ہوا اور مطالعہ کے لیے کتابیں مانگیں، معلوم ہوا کہ اس پریشانی میں کتابیں کسی دوسرے گاؤں میں لشکر کے ساتھ چلی گئی ہیں، علی عادل شاہ بہت برہم ہوا اور کہا بارہا میں نے تاکید کی کہ کتابیں ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہا کریں لیکن تم لوگ خیال نہیں کرتے اور اسی وقت ایک امیر خاص کتابیں لانے کے لیے مقرر و متعین کیا گیا اور جب تک کتابیں نہ آ گئیں وہ بے قرار رہا۔(۱)

کتب خانوں کا انتظام: موجودہ زمانہ کی طرح قدیم زمانہ میں بھی کتب خانہ کے انتظام کے لیے ایک خاص محکمہ ہوتا تھا، جس کے ماتحت بہت سے چھوٹے بڑے عہدہ دار ہوتے، خانقاہ، مدارس، مساجد اور ذاتی کتب خانوں کو چھوڑ کر جو کتب خانے سلاطین یا امرائے ملک قائم کرتے، ان کے لیے ایک خاص عمارت علاحدہ بنواتے، اس میں ہوا اور روشنی

---

(۱) بساتین السلاطین، ص ۱۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس کا لحاظ بھی رکھا جاتا تھا کہ زمین ایسی ہو جہاں دیمک یا اس قسم کے دوسرے کیڑے نہ پیدا ہوں، فرش ایسا ہو جس پر نمی کا اثر نہ ہو سکے کہ اس سے کتابیں جلد خراب ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ہمایوں اور اکبر کے کتب خانوں کی عمارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ناظم: کتب خانہ کا سب سے بڑا عہدہ دار ناظم ہوتا تھا، جس کو معتمد بھی کہتے تھے(۱)، اس کو آمد و خرچ تقرری اور برطرفی ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوتے تھے، شاہی کتب خانہ کا یہ عہدہ عموماً اراکین دولت کے لیے مخصوص تھا، جیسا کہ عموماً شاہی کتابوں کے مہروں سے معلوم ہوتا ہے۔

داروغہ یا مہتمم: اس کے بعد دوسرا درجہ مہتمم کتب خانہ کا تھا(۲)، جو ناظم کے زیر ہدایت کتب خانہ کا انتظام کرتا تھا، اس کے لیے اعلیٰ قابلیت اور علوم وفنون میں کافی دستگاہ ضروری تھی، اس کا ایک نائب بھی ہوتا، انتظامی امور کے علاوہ کتابوں کا انتخاب، ان کی خریداری اور فنون کے اعتبار سے ان کی تقسیم، اس کا کام ہوتا تھا، اس کے زیرنگرانی متعدد منشی (کلرک) ہوتے تھے جن کا کام رجسٹروں میں کتابوں کا اندراج، ہرفن کا رجسٹر الگ الگ رکھنا کتابوں پر نمبر لگانا وغیرہ ہوتا(۳)، جیسا کہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں دستور تھا۔

صحاف و وراق: ان کے ماتحت متعدد ملازم ہوتے جو کتابوں کو صندوقوں یا الماریوں میں ترتیب کے ساتھ رکھتے اور نکالتے تھے، انہیں زیرنظر صحاف اور وراق بھی ہوتے (۴)، جو ایک ایک کتاب کو نکال کر جھاڑتے اور ایک ایک ورق کھول کر صاف کرتے، جو اوراق چپک جاتے ان کو علاحدہ کر کے گرد و غبار سے پاک وصاف کرتے۔

جلد ساز: کتب خانہ کے لیے جلد سازوں کا ہونا بھی ضروری تھا، جن کی تعداد ضرورت

---

(۱) شاہ جہاں نامہ، ج۲، ص ۵۰۵۔ (۲) معارف، ج ۱۴، ص ۴۲۳، ۴۲۴۔ (۳) فہرست کتب خانہ رام پور، ج۱، ص ۷۔ (۴) مآثر رحیمی، ج ۳، ص ۱۶۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق کم وبیش ہوتی رہتی، یہ جلد ساز اپنے فن کے ماہر اور جس زمانہ میں جس قسم کی جلدوں کا رواج ہوتا، ان سے بخوبی واقف ہوتے (۱) اور بحمد للہ کہ آج بھی حیدر آباد دکن میں ایسے جلد ساز موجود ہیں، جو سلف کے یادگار اور ان کے صحیح جانشین ہیں۔

مصور: ہر کتب خانہ میں متعدد مصور ہوتے تھے، جو کتابوں میں بہترین قسم کی تصویریں بناتے تھے، ان کو مصوری میں اتنا کمال حاصل ہوتا تھا کہ ان کی تصویروں میں مصور حقیقی کی روح ڈالنے کی کسر رہ جاتی تھی اور یہی حال نقاشوں کا تھا، جن کی رنگ برنگ کی نقاشی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھولوں کا چمن کھلا ہوا ہے، یہ رنگ سازی اور رنگ آمیزی دونوں کے ماہر ہوتے تھے، رنگ کی پختگی کا یہ حال تھا کہ آج سے دو سو اور تین تین سو برس پہلے کی بنائی ہوئی تصویروں اور نقش و نگار کے رنگوں کی شوخی آب و تاب اور چمک دمک میں کوئی فرق نظر نہیں آیا اور معلوم ہوتا ہے کہ مصور یا نقاش بھی اپنا کام ختم کر کے اٹھا ہے۔ (۲)

خوش نویس: متعدد خوش نویس (یا خطاط) کا ہونا بھی ضروری تھا، جو خط کوفی، نسخ، نستعلیق اور شکست وغیرہ مختلف قسم کے خطوط ماہر ہوتے تھے، ان سے یا تو مکمل کتاب لکھائی جاتی یا ان کتابوں کی تکمیل کرائی جاتی جو کسی صورت سے ناقص رہ گئی ہوں۔ (۳)

کاتب: متعدد کاتب ہوتے تھے، جو نایاب کتابوں کی نقل کرتے رہتے (۴)، انہیں کے ساتھ نقل نویس بھی کام کرتے جو ضرورت کے وقت کتابوں کے خاص خاص حصوں کو جلدی سے نقل کر دیتے۔

مقابلہ نویس: ان دونوں کی لکھی ہوئی کتابیں مقابلہ نویس کے پاس جاتی، ان کا کام اصل کتاب سے منقول شے کا مقابلہ اور ان کے اغلاط کی تصحیح تھی۔ (۵)

مصحح: اس کے علاوہ کتب خانہ میں لائق اور ذی علم مصحح بھی ہوتے تھے، جن کا کام کرم خوردہ یا مٹے ہوئے الفاظ کی جگہ صحیح لفظ لکھنا اور خاص خاص قسم کی دوسری غلطیوں کی

---

(۱) مآثر رحیمی، ج ۳، ص ۴۔ (۲) ایضاً ص ۱۶۶۰۔ (۳) ایضاً ص ۱۶۸۱۔ (۴) ایضاً ص ۱۶۸۳، ۱۶۸۔ (۵) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اصلاح تھا۔

جدول ساز: جدول ساز کا بھی ایک عہدہ ہوتا تھا، جو سادہ، رنگین، سنہری روپہلی، سچی ملمع کار ہر قسم کی جدولیں بناتے تھے۔(۱)

فراش: ادنیٰ درجہ کے ملازموں میں سے ایک فراش ہوتا جس کا کام کتب خانہ کی صفائی تھی، وہ کتب خانہ کے اوقات سے پہلے آکر فرش کو جھاڑ کر صاف کر دیتا۔

کتب خانہ کے متعلق اعلیٰ حکام سے اکثر خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی اور مالی معاملات یا اختلاف رائے کے سبب سے مکاتبات کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی، اس لیے خطوط اور کتابیں کتب خانہ سے باہر لے جانے اور لانے کے لیے علاحدہ ایک خادم ہوتا تھا، اس خادم کے ہم پلہ چند اور ملازم بھی ہوتے تھے، جن کو دربان یا محافظ کہتے تھے، جو باری باری سے شب و روز کتب خانہ کی عمارت کی حفاظت کرتے تھے اور آنے جانے والوں کو بھی نگاہ میں رکھتے تھے۔

تنخواہوں کے اعتبار سے ناظم کے علاوہ سب سے بڑی تنخواہ مہتمم کی ہوتی تھی، پھر نائب مہتمم کی، اس کے بعد مصوروں، نقاشوں، جدول سازوں، خوش نویسوں کی تنخواہیں زیادہ ہوتی تھیں، کاتب، منشی، مقابلہ نویس، مصحح کی تنخواہیں ان سے کم اور نقل نویس کی ان سے کمتر، صحاف اور وراق کی اور بھی کم اور خادم، فراش اور دربانوں کی تنخواہیں عام طور سے بہت معمولی ہوتیں۔(۲)

---

(۱) مآثر رحیمی، ج ۳، ص ۱۶۷۸۔ (۲) فہرست کتب خانہ رام پور، ج ا، ص ۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیموری دور کی خطاطی
اور مشہور خطّاط

از: شاہ معین الدین احمد ندوی

خطاطی کی اہمیت: ایک زمانہ میں خوش نویسی و خطاطی بھی بڑا کمال سمجھی جاتی تھی اور اس نے باقاعدہ فن کی حیثیت حاصل کرلی تھی، اس کے اصول وقواعد تھے، دوسرے علوم و فنون کی طرح اس کی بھی مشق و تعلیم ہوتی تھی، اس کے بغیر تعلیم مکمل نہ سمجھی جاتی تھی، سلاطین وامراء تک کے لڑکوں کو خطاطی کی تعلیم دی جاتی تھی، تیموری سلاطین میں شاہ جہاں، اورنگ زیب، داراشکوہ، شہزادوں میں خسرو، پرویز اور آخر میں بہادر شاہ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے، خوش نویسوں کی بڑی قدرومنزلت تھی وہ سلاطین وامراء کے درباروں کی زینت ہوتے تھے، نامور اساتذہ اور مشہور خطاطوں کی لکھی ہوئی کتابیں بلکہ رباعیات اور قطعات تک بڑی گراں قیمت پر فروخت ہوتے تھے، مسلمان جب ہندوستان آئے تو دوسرے علوم وفنون کی طرح خطاطی کو بھی ساتھ لائے اور ان کے زمانہ میں خصوصاً مغلوں کے دور میں دوسرے فنون لطیفہ کی طرح خطاطی میں بھی بڑی ترقی ہوئی اور یہاں بڑے بڑے خطاط اور خوش نویس پیدا ہوئے۔

مسلمانوں میں خطاطی کی ترقی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اسلام میں مصوری حرام ہے، اس لیے جن مذہبی لوگوں میں مصوری اور نقاشی کا ذوق تھا، انہوں نے اس کو پورا کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے نقاشی اور خطاطی کی طرف توجہ کی اور مصوری کی طرح اس میں طرح طرح کی نزاکتیں اور لطافتیں پیدا کیں جن کے سوادتحریر سے آج بھی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

اسلام میں خطاطی کی تاریخ: ظہور اسلام کے وقت عرب میں خط نبطی (حیری) رائج تھا، جو بعد میں خط کوفی کہلایا اور عہد رسالت میں اسی کا استعمال ہوتا تھا، کلام مجید بھی اسی میں لکھا جاتا تھا، اس کے حروف حسن و نفاست اور نقطوں اور اعراب سے معریٰ تھے، عربی عربوں کی مادری زبان تھی، اس لیے وہ نقطوں اور اعراب کے بغیر ان کو صحیح پڑھ لیتے تھے لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں اور وہ حروف کے تلفظ اور اعراب میں غلطی کرنے لگے تو حضرت علیؓ کے ایک شاگرد ابوالاسود دوئلی نے ہم شکل مگر مختلف المخارج اور مختلف الاصوات حروف ب ، ت ، ث ، ج ، ح ، خ ، د ، ذ ، ر ، ز ، س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ع ، غ ، کے تلفظ میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کے لیے نقطے ایجاد کیے۔(۱)

بنی امیہ کے ابتدائی دور تک یہی طریقہ رائج رہا لیکن نقطے بھی ہم شکل ہوتے تھے، ان میں بھی التباس ہوتا تھا، اس لیے پہلے مختلف مقصد کے نقطوں میں رنگ کے ذریعہ فرق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، مگر جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوا تو عبدالملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حروف کے امتیاز کے لیے تو نقطے قائم رکھے لیکن حرکات کی صحت کے لیے اعراب کی علامتیں ایجاد کیں (۲)، پھر آگے چل کر مخارج کی مزید صحت کے لیے فن تجوید ایجاد ہوا۔

ان تغیرات کے ساتھ خط کوفی کی ظاہری شکل میں بھی تبدیلی ہوتی رہی اور تیسری صدی کے آخر تک اس کے حسن میں نمایاں اضافہ ہوا اور اس کے بڑے بڑے کاتب پیدا ہوئے،

(۱) فہرست ابن ندیم، ص ۶، اعراب و اعجام کے موجدین کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض اس کو حجاج بن یوسف کی طرف منسوب کرتے ہیں، ابن خلکان، ج ۱، ۲۲۱۔ (۲) ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فہرست ابن ندیم، ص ۱۱۱ و ۱۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہوں نے اس کے مختلف طرز ایجاد کر کے بڑا تفنن پیدا کیا، ابن ندیم نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے لیکن اس خط میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی، البتہ وہ خط کوفی کہلانے لگا، تا آنکہ مقتدر باللہ عباس ۲۹۵ھ/۳۲۵ء کے زمانہ میں ابوعلی محمد بن علی المعروف بابن مقلہ پیدا ہوا، یہ بڑا فاضل منشی اور ادیب تھا، مقتدر کے زمانہ میں وزارت کے درجہ تک پہنچا، یہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، اس نے خط کوفی کو ترقی دے کر ایک نیا خط ایجاد کیا جو اپنے حسن و نفاست میں ضرب المثل تھا (۱)، اس کا نام اس نے بدیع اور محقق رکھا، پھر اس سے خط ثلث و ریحان ایجاد کیے۔ (۲)

بدیع و محقق ہی نے آگے چل کر خط نسخ کی شکل اختیار کر لی، یہ خط اس قدر خوبصورت تھا کہ گویا گذشتہ خطوں کا ناسخ تھا، اس لیے نسخ کہلایا، یہ خط کتابوں اور عام تحریروں میں اور ثلث و ریحان زیادہ تر کتبات و سرخیوں کے لیے استعمال ہوتے تھے، ابن مقلہ کے بعد علی بن ہلال المعروف بہ ابن بواب المتوفی ۴۲۳ھ پیدا ہوا، یہ بھی اپنے زمانہ کا نامور خطاط تھا، اس نے خط بدیع و محقق کو اور ترقی دے کر اس میں مزید حسن و نفاست اور خوبی و زیبائی پیدا کی (۳)، غالباً اسی زمانہ سے یہ خط نسخ کہلایا۔

اپنے زمانہ میں اس خط کا سب سے بڑا ماہر خود ابن بواب تھا، ملا کاتب چلپی کا بیان ہے کہ ان دونوں کے زمانوں میں چھ خط ایجاد ہوئے، ثلث، نسخ، تعلیق، ریحان، محقق (بدیع) اور رقاع، یہی چھ خط سب سے زیادہ مقبول اور رائج تھے، ابن مقلہ اور ابن بواب کے بعد خطاطی میں سب سے زیادہ شہرت اور ناموری یاقوت حموی رومی المتوفی ۶۲۶ھ، صاحب معجم الادباء اور یاقوت بن عبداللہ رومی مستعصمی المتوفی ۶۶۸ھ نے حاصل کی، خصوصاً یاقوت مستعصمی سب پر گوئے سبقت لے گیا، اس کے زمانہ میں خط نسخ میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا،

---

(۱) الفخری، ص ۲۴۴۔ (۲) پیدائش خط و خطاطان، حاجی مرزا عبدالمجید خاں ایرانی، ص ۹۲۔ (۳) ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا خط اس قدر مقبول تھا کہ اس کے لکھے ہوئے صفحات سونے کے پتر کے بھاؤ بکتے تھے، آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا درباری خوش نویس تھا، اس کے خط کی مقبولیت اور قدردانی کو دیکھ کر دوسرے خطاطوں نے سیکڑوں کتابیں اور کلام مجید لکھ کر اس کے نام سے منسوب کر دیے، جو محض اس کی نسبت سے بڑی گراں قیمت پر فروخت ہوتے تھے، ان کے علاوہ اس زمانہ میں اور بھی مشہور خوش نویس پیدا ہوئے، صاحب کشف الظنون نے ان کے نام لکھے ہیں۔(۱)

خط کی ترقی اور ان کی ایجادات کے ساتھ ساتھ خطاطوں نے اس کی کتابت کے اصول وقواعد بنائے، ان پر مستقل کتابیں لکھیں، قلم تراشی، روشنائی سازی، کاغذ وغیرہ، آلات کتابت کی ترکیبیں تحریر کیں، اس طرح خطاطی نے مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی، ابن ندیم، طاش کبریٰ زادہ اور ملا کاتب چلپی نے ان سب کی تفصیل لکھی ہے لیکن ہمارا مقصد صرف ہندوستان میں خطاطی کی مختصر تاریخ لکھنا ہے، اس لیے ان تفصیلات کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

نستعلیق کی ایجاد: ساتویں صدی کے وسط تک مذکورہ بالا خطوط، خصوصاً خط نسخ کا زیادہ رواج رہا، عربی اور فارسی دونوں کی کتابیں اسی میں لکھی جاتی تھیں، ساتویں صدی میں خط نسخ اور تعلیق کو ملا کر ایک نیا خط ایجاد ہوا، جو نوک پلک کے لحاظ سے خط نسخ سے بھی زیادہ خوبصورت تھا، اس کی ایجاد خواجہ میر علی تبریزی کی جانب منسوب کی جاتی ہے، قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس کی شان میں مولانا سلطان علی مشہدی کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں:

نسخ و تعلیق گر خفی و جلی است — واضع الاصل خواجہ میر علی است

وضع فرمود او ز ذہن دقیق — از خط نسخ و از خط تعلیق

یہ خط ابتداء میں نسخ تعلیق کہلاتا تھا، پھر کثرت استعمال سے نستعلیق ہو گیا۔(۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کشف الظنون، ج ۱، ص ۴۶۶۔ (۲) تذکرہ خوش نویساں مولوی غلام محمد ہفت قلم، ص ۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن صحیح یہ ہے کہ خط نستعلیق اس سے پہلے ایجاد ہو چکا تھا، ابوالفضل کا بیان ہے:

"نستعلیق و آں تمام دور است در زمان صاحبقران خواجہ میر علی تبریزی از نسخ و تعلیق بر گرفت و ایں باور نشود چرا کہ نامہا بنظر در آمد کہ پیش از صاحبقران نگاشتہ بودند"۔(۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خط نستعلیق خواجہ میر علی تبریزی سے پہلے ایجاد ہو چکا تھا، البتہ انہوں نے اس میں حسن و نفاست پیدا کی اور اس کے قواعد مرتب کیے(۲)، اس لیے یہ مسلم ہے کہ خط نستعلیق کے پہلے ماہر فن استاذ خواجہ میر علی تبریزی تھے۔

خواجہ میر علی کے شاگردوں میں مولانا جعفر تبریزی اور مولانا اظہر نے خطاطی میں بڑا کمال پیدا کیا اور بڑی شہرت و ناموری حاصل کی، ان کے علاوہ اس دور کے خطاطوں میں مولانا محمد ادیہی، مولانا باری ہروی اور مولانا سلطان علی مشہدی تھے، خصوصاً مولانا مشہدی اپنے زمانہ کے یگانہ خوش نویس تھے، ان کے شاگردوں میں سلطان محمد خنداں، سلطان محمد نور، مولانا علاء الدین ہروی، مولانا زین الدین، مولانا عبیدی نیشاپوری اور محمد قاسم شادی شاہ نے خوش نویسی میں شہرت حاصل کی، ان میں ہر شخص اس فن میں صاحب طرز تھا، ان کے بعد مولانا میر علی ہروی امام فن ہوئے، جنہوں نے مولانا مشہدی کے جیسے یگانہ روزگار کے فن کو بھی مزید ترقی دی(۳)، یہ سب ایران کے کاتب تھے۔

خط کی قسمیں: یوں تو خط کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں زیادہ مشہور سات ہیں، ۱-نسخ، ۲-نستعلیق، ۳-رقاع، ۴-ثلث، ۵-ریحان، ۶-شفیع اور ۷-شکست، جن کی ماہرین ہفت قلم کہلاتے تھے، طغرا نویسی اس سے علاحدہ تھی، ان خطوں میں خطاطوں نے اور طغرا نویسوں نے اتنا تفنن اور ایسی صناعیاں پیدا کیں کہ خط نے تصویر، نقش و نگار اور گل بوٹے کی جگہ لے لی، چنانچہ ایک زمانہ میں خوش خط لکھے ہوئے قطعات، رباعیات، حکیمانہ مقولے

(۱) آئین اکبری، ج ۱، ص ۷۵۔ (۲) تذکرۂ خوش نویساں۔ (۳) آئین اکبری، ج ۱، ص ۷۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورآیات قرآنی کے طغرے وغیرہ سامان آرائش میں تھے، جن سے زیب وزینت کے ساتھ اخلاقی سبق اور پندو موعظت کا بھی فائدہ حاصل ہوتا تھا، اس کے آثار اب بھی کہیں کہیں باقی ہیں، آج کل مصوری کے نمونوں سے جو کام لیا جاتا ہے اور اس کی جو قدر ہے ایک زمانہ میں یہی قدر خطاطی کے نمونوں کی تھی۔

تیموری عہد میں خطاطی: مسلمان جب ہندوستان آئے تو خطاطی اور خوش نویسی کو بھی ساتھ لائے لیکن سلاطین دہلی کے زمانہ تک زیادہ تر ایرانی خوش نویسوں ہی کی تقلید رائج رہی اور خود ہندوستانیوں نے ان میں کوئی جدت نہیں پیدا کی، جب مغلوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے دوسرے فنون لطیفہ کی طرح خوش خطی اور خطاطی کی بھی بڑی قدردانی اور سرپرستی کی اور ان میں سے اکثر سلاطین خود بھی اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے اور اپنے لڑکوں کو دوسرے فنون کی طرح خوش خطی کی تعلیم بھی دلاتے، مشہور خطاطوں کی قدردانی کرتے تھے، ان کی لکھی ہوئی تحریروں کو گراں قیمت پر خریدتے تھے، اس کے علاوہ ان کی علمی دوستی اور حکومت کی ضروریات بھی خطاطی کی ترقی میں معاون ہوئیں، تیموری خاندان اور اس کے امراء تک علم و فن کے بڑے قدردان تھے، ان کا کتب خانہ بڑا وسیع تھا، اس کی کتابوں کی کتابت، ظاہری زینت وآرائش اور مصوری کے لیے خوش نویسوں، نقاشوں اور مصوروں کا پورا عملہ رہتا تھا، عمارتوں کی تحریروں اور کتبات کے لیے اعلیٰ درجہ کے خطاطوں اور طغرا نویسوں کی ضرورت تھی، ان کا نظام حکومت اور اس کے دفاتر (سکریٹریٹ) بہت وسیع تھے، اس میں سیکڑوں کاتب اور منشی کام کرتے تھے، ان کاتبوں خصوصاً شاہی فرمان نویسوں کے لیے خوش خطی ضروری تھی، ان اسباب کی بنا پر ان کے دور میں خوش خطی اور خطاطی کو بڑی ترقی ہوئی اور بڑے بڑے خوش نویس پیدا ہوئے، تیموریوں کے ابتدائی دور یعنی اکبر کے زمانہ کے بارہ میں ابوالفضل لکھتا ہے:

”از قدردانی وارزشناسی کشور خدائے گوناگوں خطہا پایہ والا گرفت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و ہنر پردازاں نادرۂ روزگار را روز بازار شد، خالصہ نستعلیق روانی دیگر یافت و جادو رقمے کہ در ظل سریر خلافت صاحب ایں نقش، دلپذیر تواں گفت محمد حسین کشمیری است و بخطاب زریں رقمی روشناس آفاق شاگرد مولانا عبدالعزیز از استاد گذرانیدہ، مدات و دوائر متناسب و دوائر او ہم متناسب ہم اندکار آگہاں اورا بہ پایہ میر علی برگیرند و مولانا باقر پسر میر علی مشہور و محمد امین مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالحیٔ، مولانا دوری، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ، نظامی قزوینی، علی چمن کشمیری، نوراللہ قاسم، ارسلان فروغ دولت جاوید طراز نامور گشتند"۔(۱)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

تیموری دور کے خطاط: اکبری دور کے امراء ہیں عبدالرحیم خان خاناں، بڑا صاحبِ ذوق علم پرور اور ہنر نواز امیر تھا، اس کا کتب خانہ اس دور کے نادر اور بیش قیمت کتب خانوں میں تھا، اس کی نگرانی اور انتظام کے لیے پورا عملہ مقرر تھا، نادر اور نایاب کتابوں کی فراہمی کے ساتھ ان کی ظاہری حسن و نفاست میں بھی خان خاناں کو بڑا اہتمام تھا اور اس کے لیے اس نے اپنے زمانہ کے نامور خطاط، نقاش اور مصور جمع کیے تھے، وہ خود اور اس کے لڑکے مرزا ایرج اور مرزا داراب اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے، مولوی غلام محمد ہفت قلم دہلوی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"در خوش نویسی مہارت کمال رسانیدہ و در ہندی خیلے دستگاہ داشت و خط ہندی خوب می نوشت"۔(۲)

ملا عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی میں اس کتب خانے کے ذکر میں اس کے بعض خطاطوں، مصوروں اور نقاشوں کے حالات بھی لکھے ہیں۔(۳)

---

(۱) آئین اکبری، ج ۱، ص ۷۶۔ (۲) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۷۔ (۳) مآثر رحیمی کے دوسرے حصہ میں مختلف مقامات پر ان کے حالات ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامور خطاط یہ تھے:

ملا عبدالرحیم عنبریں رقم: ان کا نام ابوالفضل کی تحریر میں اوپر آچکا ہے، ان کا وطن ہرات تھا، خان خاناں کے دربار سے متوسل تھے، خط نسخ و نستعلیق دونوں میں کمال رکھتے تھے، ان کے زمانہ میں محمد حسین کشمیری کے سوا اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

شجاع: ان کا اصل وطن شیراز تھا، خان خاناں کی سرکار سے متوسل تھے، خط نسخ و نستعلیق کے ماہر تھے، ابتداء میں ان کا تقرر خطاط کی حیثیت سے ہوا تھا، پھر ترقی کر کے کتب خانے کے عہدہ دار مقرر ہو گئے تھے۔(۱)

بہبود مرزا: مشہور خوش نویس تھے اور نقاشی میں بھی کمال رکھتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی خوش نویس، نقاش اور مصور تھے، ان کا ذکر مآثر رحیمی میں ہے۔

مرزا فتح اللہ شیرازی: اکبری دور کے مشہور عالم اور جلیل القدر فاضل تھے، جملہ علوم و فنون میں کمال رکھتے تھے، بعض علوم میں یگانہ عصر تھے، اعلیٰ درجہ کے خوش نویس اور خطاط بھی تھے، ان کے حالات اور کمالات کی تفصیل تیموری عہد کی تمام تاریخوں میں ہے، مولوی غلام محمد ہفت قلم دہلوی نے بھی تذکرہ خوش نویساں میں ان کا مختصر حال لکھا ہے۔(۲)

زین خان کوکہ: اکبری دور کا پنج ہزاری امیر تھا، خطاطی اور مصوری میں کمال رکھتا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی زمرۂ شعراء میں ان کا مختصر حال لکھا ہے۔(۳)

میر معصوم بھکری قندھاری: ترمذ کے سادات میں تھے، ان کے والد سید صفائی نے ترک وطن کر کے بھکر (سندھ) میں سکونت اختیار کر لی تھی، میر معصوم کی پیدائش اور تعلیم و تربیت وہیں ہوئی، علوم ظاہری و باطنی دونوں میں کمال حاصل تھا، اکبری دور میں اس کی جانب سے سکھر کی امین الملکی اور اس کی حجامت کے معزز عہدوں پر ممتاز اور ایک ہزاری منصب سے سرفراز ہوئے، خوش گو شاعر اور اہل قلم مصنف بھی تھے، فارسی کا ایک دیوان، مثنوی معدن الافکار

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۵۔ (۲) ایضاً ص ۸۹۔ (۳) منتخب التواریخ بدایونی، ج ۳، ص ۳۱۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تاریخ سندھ ان کی علمی یادگار ہیں، اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے، ہندوستان، تبریز اور اصفہان کے درمیان بہت سی عمارتوں اور مسجدوں پر ان کے اشعار کندہ ہیں، فتح پور سیکری کے بلند دروازے اور اس کی جامع مسجد کے کتبات انہی کے لکھے ہوئے ہیں۔(۱)

خواجہ عبدالصمد شیریں رقم: اکبری دور کے عہدہ دار اور نامور خوش نویس و مصور تھے، خط نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے، ان کا کمال یہ تھا کہ خشخاش کے دانے پر سورۂ اخلاص لکھ دیتے تھے(۲)، مصوری میں استاد کا درجہ حاصل کیا(۳)، اکبر نامہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں فتح پور سیکری کی ٹکسال کے امین اور صوبہ ملتان کے دیوان رہے۔(۴)

میر محمد اصغر: الملقب بہ اشرف خاں، عرب شاہی سادات میں تھے، ساتوں قلموں کے ماہر تھے، اس لیے ہفت قلم کہلاتے تھے(۵)، اکبر کے میر منشی تھے، ان کے حالات مآثر الامراء وغیرہ میں بھی ہیں۔(۶)

ملا عبدالقادر اخوند: اکبر کے استاد تھے، عربی و فارسی زبان اور ان کے علوم میں کمال رکھتے تھے، خوش نویس بھی تھے، آخر عمر میں ہجرت کر کے بیت اللہ چلے گئے تھے۔(۷)

محمد حسین کشمیری: الملقب بہ زریں رقم، اکبری دور کے سب سے بڑے خوش نویس تھے، ان کے بارہ میں ابوالفضل کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ "اس فن کے ماہران کو ایران کے مشہور کاتب میر علی ہروی کا ہم پایہ سمجھتے تھے" (۸)، مولوی غلام محمد ہفت قلم لکھتے ہیں کہ "نستعلیق کے ہندوستان کے نامور خوش نویس تھے اور اس میں اس زمانہ کے تمام خطاط ان کو استاد مانتے تھے، اکبر نے ان کو زریں رقم کے لقب سے نوازا تھا"۔(۹)

---

(۱) مآثر الامراء، ج ۳، ص ۳۲۶ تا ۳۲۸۔ (۲) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۴۔ (۳) آئین اکبری، ص ۷۷۔ (۴) اکبر نامہ، حالات ۲۲ء، ۱۳ جلوس اکبری۔ (۵) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۶۔ (۶) ملاحظہ ہو مآثر الامراء، ج ۱، ص ۸۹۔ (۷) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۷۹۔ (۸) آئین اکبری، ص ۷۶۔ (۹) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر عبداللہ: شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں تھے، اکبری دور کے نامور خوش نویس تھے، اکبر نے ان کو مشکیں رقم کے لقب سے سرفراز کیا تھا، صاحب دیوان شاعر تھے، وصفی تخلص تھا (۱)، ملا عبدالقادر بدایونی نے زمرۂ شعراء میں ان کے حالات لکھے ہیں، ان کے خط کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"بسیار خوش خط است شاگرد شاہ غیاث مولانا رقمی است و بہ ہفت قلم می نویسد"۔(۲)

ملا علی احمد مہر کن: عہد اکبری کے مشہور مہر کن اور اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے، تمام مروجہ خطوں میں ان کو کمال حاصل تھا، مولوی غلام محمد ہفت قلم آئین اکبری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فولادرا کسے برابر مولانا علی احمد دہلوی نیاراست خط شناساں اورا دریں صنعت بے ہمتائے روزگار دانند، غیر از تعلیق خطوط را بوالا پائیگی رسانید لیکن نستعلیق را بس دلفریب آرائد"۔(۳)

خواجہ حسین احمد چشتی: یہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے خلیفہ اور خط نسخ کے استاد تھے، فتح پور سیکری کے بلند دروازے کا بیرونی جو کتبہ ہے وہ انہی کا لکھا ہوا ہے۔(۴)

جہاں گیر بھی خوش خطی کا قدر دان تھا، اس نے اپنے سب لڑکوں کو اس کی تعلیم دلائی تھی، چنانچہ شاہ جہاں نہ صرف خوش نویس بلکہ اس فن کا بڑا نقاد بھی تھا، اس کے دونوں بھائی خسرو اور پرویز اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے، مولوی غلام دہلوی ہفت قلم لکھتے ہیں:

"شاہزادہ خسرو درفن خوش خطی و انشاء کمال داشت سلطان پرویز در علم عربی و فارسی و نوشتن خطوط بغایت آراستہ و پیراستہ بود، اکثر اوقات او بکتابت کلام اللہ صرف نمود"۔(۵)

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۷۹۔ (۲) تاریخ بدایونی، ج ۳، ص ۳۸۲۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۴۔ (۴) بزم تیموریہ۔ (۵) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۹۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں گیر کے زمانہ میں بیشتر خطاط وہی تھے جو اکبر کے زمانہ میں تھے، ان کے علاوہ جن خطاطوں نے اس کے زمانہ میں نام پیدا کیا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

محمد شریف شیریں رقم: یہ اکبری دور کے مشہور خطاط خواجہ عبدالصمد کا لڑکا اور جہاں گیری دور کا امیر الامراء تھا، اس نے خطاطی اور مصوری باپ سے ترکہ سے پائی تھی، اس کا کمال یہ تھا کہ چاول کے دانے پر خدم وحشم کے جملہ لوازم کے ساتھ مسلح سوار کی تصویر بنا دیتا تھا، اس نے اکبر اور جہاں گیر دونوں کا زمانہ پایا لیکن اکبر کی زندگی ہی میں شاہزادے جہاں گیر کی سرکار سے متوسل ہو گیا تھا، جہاں گیر نے اس کو اپنے زمانہ میں امیر الامراء کے خطاب سے نوازا، شاعر بھی تھا، مآثر الامراء اور بدایونی وغیرہ میں بھی اس کا حال ہے۔

قاضی احمد غفاری: عہد جہاں گیری کا مشہور خوش نویس تھا، نستعلیق میں خاص طور سے مہارت تھی، شاہزادے خسرو کو اسی نے خوش خطی کی تعلیم دی تھی، اس کی وفات کے بعد ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، بدایونی نے بھی شعراء کے زمرہ میں اس کا حال لکھا ہے۔(۱)

مرزا محمد حسین: مصنف حبیب السیر غیاث الدین بن ہمام الدین المعروف بہ خوند میر کا عزیز تھا، ہمایوں کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، اس نے اور اس کے بعد اکبر نے اس کی بڑی قدردانی کی، خط تعلیق، نستعلیق، ثلث اور شکستہ چاروں کا بڑا ماہر تھا، اس سے پہلے خط شکستہ کے کوئی اصول وقواعد نہ تھے اور اس کا شمار کسی خط میں نہ تھا، مرزا محمد حسین نے اس کے اصول وضوابط مقرر کر کے اس کو ایک مستقل خط کی حیثیت دے دی، اس حیثیت سے وہ گویا اس خط کا مؤید ہے، جہاں گیر کے زمانہ میں ۱۰۰۶ھ میں انتقال کیا۔(۲)

احمد علی ارشد: اکبری اور جہاں گیری عہد کا مشہور طغرا نویس تھا، فتح پور سیکری کے بلند دروازے پر اس کا لکھا ہوا طغرا ہے، جس میں خلفائے راشدین اور پنج تن پاک کے نام

---

(۱) منتخب التواریخ بدایونی، ج ۳، ص ۳۱۰، تذکرۂ خوش نویساں، ص ۹۰۔ (۲) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درج ہیں۔(۱)

تیموری سلاطین میں فنون لطیفہ کا سب سے بڑا سرپرست اور قدردان شاہ جہاں تھا، اس لیے وہ خطاطی کا بھی قدردان تھا، خود بھی نستعلیق کا ماہر تھا اور اس نے اپنے سب لڑکوں کو خوش خطی کی تعلیم دلائی تھی، وہ مشہور خوش نویسوں کی خطاطی کے نمونوں کا اتنا شائق تھا کہ جو شخص میر عماد تبریزی کی تحریر کا ہدیہ اس کی خدمت میں پیش کرتا تھا، اس کو اس کے معاوضہ میں یک صدی منصب عطا کرتا تھا (۲)، اس کی اس قدردانی سے اس کے عہد میں خوش خطی نے اور زیادہ ترقی کی اور اس کے بڑے بڑے کاتب پیدا ہوئے، مولوی غلام محمد دہلوی لکھتے ہیں:

> ''شاہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں بادشاہ در تحصیل علم عربی و فارسی و خط نستعلیق نہایت مہارت داشتند ...... درآں عصر از خوش نویساں ملا باقر کشمیری، محمد حسین کشمیری و مقصود علی و میر محمد کاشی و حافظ عبداللہ و شکراللہ و محمد مقیم درخط نستعلیق و شکستہ کوس کتابت می تواختند و مرزایان دفتر بودند''۔

ان خطاطوں اور بعض دوسرے مشہور خوش نویسوں کا مختصر تعارف یہ ہے:

آقا عبدالرشید دیلمی: شاہ جہانی عہد کا سب سے بڑا اور باکمال خوش نویس تھا، وہ ایران کے مشہور خطاط میر عماد کا بھانجا اور شاگرد اور اپنے دور کا یگانۂ روزگار خطاط تھا، مولوی غلام محمد ہفت قلم لکھتے ہیں کہ ''وہ ملک خطاطی کا پیغمبر تھا، گذشتہ تمام خطاطوں پر گوئے سبقت لے گیا، اس کے بعد اس کا کوئی ہمسر نہیں پیدا ہوا اور یہ فن اس پر ختم ہوگیا، شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور شاہزادہ داراشکوہ کی استادی پر مامور ہوا، بیوتات اکبرآباد کا عہدہ بھی اس کے سپرد تھا، یہاں اس نے بہت سی عمارتیں اور سرائیں وغیرہ بنوائیں اور مرنے کے بعد یہیں دفن ہوا، داراشکوہ کے علاوہ محمد اشرف خواجہ سرا، سعیدائے اشرف، عبدالرحمٰن وغیرہ اس

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۵۴۔ (۲) ایضاً، ص ۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ارشد تلامذہ میں تھے (۱)، آقا عبدالرشید دیلمی نستعلیق میں ایک خاص دلکش طرز کا موجد تھا، جو اس قدر مقبول ہوا کہ ہندوستان کے اکثر خوش نویسوں نے اس کی تقلید کی اور یہ خط پورے ملک میں پھیل گیا۔

عبدالباقی حداد: المخاطب یاقوت رقم خان، اس کا وطن بھی ایران تھا، شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آیا، یہ بھی بڑا باکمال خوش نویس خصوصاً خط نسخ کا بڑا ماہر تھا، اس خط کو اپنی جدت طرازی اور حسن مذاق سے عروس الخطوط بنادیا تھا اور اس میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا، اورنگ زیب کی شاہزادگی کے زمانہ میں کلام مجید کے نسخے لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیے، جس میں ایک نسخہ کل تیس اوراق میں تھا، اورنگ زیب نے اس کے صلہ میں یاقوت رقم خان کے لقب سے سرفراز کیا، مگر اس نے ہندوستان میں قیام نہیں کیا اور اپنے چند نامور شاگردوں کو چھوڑ کر ایران لوٹ گیا، اس کے اکثر شاگرد یاقوت رقم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ (تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۲۵)

مرزا جعفر المخاطب بہ کفایت خاں: عہد شاہ جہانی کا امیر اور نامور خطاط تھا، ابتداء میں محاسبی اور منفح نویسی کی خدمت پر مامور ہوا، پھر شاہ جہاں کی نظر توجہ سے ''دیوانی تن وخالصہ شریفہ'' کے معزز عہدہ تک ترقی کی اور کفایت خاں کے لقب سے ملقب ہوا، خوش نویس بھی تھا، خصوصاً شکستہ کا بڑا ماہر تھا اور اپنے حسن مذاق سے تعلیق اور شکستہ میں نیا طرز اور آب ورنگ پیدا کیا، جس میں کوئی دوسرا خوش نویس اس کا ہمسر نہ تھا، اورنگ زیب کے عہد ۱۰۹۵ھ میں انتقال کیا، اس کا ذکر مآثر الامراء میں بھی ہے۔

مرزا عبداللہ خاں المخاطب بہ درایت خاں: یہ کفایت خاں کا بھائی اور دربار شاہی سے درایت خاں کے لقب سے ملقب تھا، یہ بھی خط تعلیق اور شکستہ کا ماہر تھا اور ان دونوں خطوں میں اپنے بھائی سے بھی بازی لے گیا تھا اور خط شکستہ میں ایسا حسن پیدا کردیا تھا کہ اس کو خط

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۹۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نستعلیق کا ہم پایہ بنا دیا تھا، مولوی غلام محمد لکھتے ہیں کہ "اس ایجاد میں اس نے سحر سامری سے کام لیا تھا، اگر ملا میر علی اس کے خط شکست کو دیکھتے تو نستعلیق سے دست کش ہو جاتے، یہ خط کیا تھا گل و ریحان و باغ و بہار تھا، اس کے جیسا جلی و خفی خط شکستہ دیکھنے میں نہیں آیا، اس کا دوسرا بھائی محمد اکبر خاں بھی خوش نویس تھا۔

میر مراد کشمیری: المخاطب بہ شیریں قلم، عہد شاہجہانی کا سحر طراز اور جادو رقم خوش نویس تھا، اس کی تازہ نگاری نے دوسرے خوش نویسوں کی خطاطی پر خط نسخ پھیر دیا تھا، مولوی غلام محمد نے اس کی تعریف و توصیف میں بڑی شاعری سے کام لیا ہے۔

میر محمد صالح و میر محمد مومن: اکبری دور کے خوش نویس میر عبد اللہ مشکین رقم کے لڑکے اور اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے، مولوی غلام محمد ہفت قلم ان کو سحر رقم لکھتے ہیں، شاعر بھی تھے، فارسی اور ہندی دونوں میں کہتے تھے، میر محمد صالح کا فارسی میں کشفی اور ہندی میں سبحانی تخلص تھا، میر مومن کا تخلص عرشی تھا، یہ دونوں ہندی کے ایسے باکمال شاعر تھے کہ ان کے سامنے ہندوستانی شعراء کان پکڑتے تھے۔ (تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۰۱ و ۱۰۲)

اورنگ زیب فنون لطیفہ کا زیادہ قدردان نہ تھا لیکن خوش نویسی سے اس کو بھی ذوق تھا، وہ خود اعلیٰ درجہ کا خوش نویس تھا، اس کے لکھے ہوئے کلام مجید آج بھی اس کی خوش نویسی کے شاہد ہیں، اس لیے اس کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے خوش نویس پیدا ہوئے، ان میں اکثروں نے شاہ جہاں اور اورنگ زیب دونوں کا زمانہ پایا، بلکہ بعض بہادر شاہ اول کے زمانہ تک زندہ رہے، اس لیے ان کا شمار تینوں زمانوں میں ہو سکتا ہے، عمر کا زیادہ حصہ جس کے زمانہ میں گذرا، اس کے زمانہ میں اس کا شمار کیا گیا ہے، اس لحاظ سے اورنگ زیب کے زمانہ میں حسب ذیل مشہور خوش نویس تھے۔

سید علی خاں جواہر رقم: اصل وطن تبریز تھا، اس کو خطاطی سے فطری ذوق تھا اور بڑے ریاض سے اس فن کو حاصل کیا تھا، میر عماد اور خواجہ عبد الرشید دیلمی دونوں کے طرز کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہر تھا، آقا عبدالرشید دیلمی سے اس کو بڑی عقیدت تھی، وہ بھی اس کو بہت مانتے تھے، اورنگ زیب کے ابتدائی دور میں ہندوستان آیا، اس کو اس نے شاہزادوں کی تعلیم پر مامور کیا، پھر ترقی کر کے کتب خانہ شاہی کی داروغگی کے منصب پر فائز ہوا، اس کی عمر کا بڑا حصہ اورنگ زیب کے ساتھ کشمیر اور دکن میں بسر ہوا اور دکن ہی میں اس کا انتقال ہوا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، اس نے اس کو اورنگ زیب کی تعلیم پر مامور کیا تھا، پھر اورنگ زیب نے اس کو اپنے زمانہ میں کتب خانہ کی داروغگی پر مامور اور جواہر رقم کے لقب سے سرفراز کیا۔ (تذکرہ خوش نویساں، ص ۵۷)

ہدایت اللہ خاں زریں رقم: سید علی خاں کا شاگرد رشید اور خوش نویسی میں استاد وقت تھا اور اس فن میں استاد سے بھی سبقت لے گیا تھا، اورنگ زیب نے اس کو بھی شاہزادوں کی استادی پر مقرر کیا تھا، مرزا کام بخش اور محمد اعظم شاہ کے لڑکے اس کے شاگرد اور بہت اچھے خوش نویس تھے، آخر میں یہ بھی کتب خانہ کی داروغگی پر مامور اور زریں رقم کے لقب سے ملقب ہوا، اس نے اورنگ زیب کے لیے دیوان حافظ کے کئی نسخے لکھے تھے۔ (تذکرہ خوش نویساں، ص ۸۵)

میر محمد باقر: اورنگ زیب کا درباری خوش نویس تھا، اس کو محمد باقر کا خط بہت پسند تھا، اپنے اکثر خطوط میں اس کا ذکر کیا ہے، شاہزادہ والا جاہ وغیرہ کی تعلیم بھی اس کے سپرد تھی۔

میر محمد زاہد: اورنگ زیب کے آخری عہد کا باکمال خوش نویس تھا، مصوری میں بھی دستگاہ رکھتا تھا، اورنگ زیب کے بعد تیموری حکومت پر زوال آ گیا، شاہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی، صوبے آزاد ہونے لگے اور حکومت کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا، آئے دن حکومت بدلتی تھی، ایک دو بادشاہوں کے علاوہ کسی بادشاہ کو چند برسوں سے زیادہ حکومت کا موقع نہیں ملا، ایسی حالت میں الگ الگ ہر عہد کے کاتبوں کا حال لکھنا دشوار ہے، جہاں تک ممکن ہو گا ان کے زمانہ کے تعین کی کوشش کی جائے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرزا حاتم بیگ: شاہ عالم بہادر شاہ اول کے زمانہ کا مشہور خوش نویس تھا، خصوصاً خط شکستہ کا بڑا ماہر اور شاعر و انشاء پرداز بھی تھا اور شاہی دربار میں میر منشی کے عہدے پر سرفراز تھا۔

محمد عارف: عالم گیری عہد کے مشہور ایرانی خوش نویس عبد الباقی حداد کا شاگرد اور اپنے دور کا نامور خوش نویس تھا، خط نسخ وثلث میں کمال رکھتا تھا، نسخ میں ایک خاص طرز ایجاد کیا تھا، بہادر شاہ اول کے دربار سے متوسل اور یاقوت رقم کے خطاب سے سرفراز تھا، اس کے شاگردوں میں محمد افضل، محمد عسکری، مرزا افضل اللہ اور زین العابدین وغیرہ استاد کے طرز میں صاحبِ کمال تھے۔

حاجی نامدار: فرخ سیر کے زمانہ کا مشہور خوش نویس تھا، آقا عبد الرشید کے طرز میں خط خفی بہت اچھا لکھتا تھا، اس کے زمانہ کے اکثر شاہزادے خوش نویسی میں اس کے شاگرد تھے۔

دور زوال کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ طویل عہد حکومت محمد شاہ کا تھا اور وہ خوش نویسوں کا قدردان بھی تھا، اس لیے اس کے زمانہ میں بڑے بڑے خوش نویس ہوئے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

محمد حفیظ خاں: محمد شاہی عہد کا بے نظیر استاد تھا، خط نسخ، ثلث، تعلیق اور شکستہ وغیرہ میں کمال رکھتا تھا، دربار شاہی سے "پیادلان کی داروغگی" کے منصب پر فائز تھا، کئی کلام مجید لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے، ان کے فیض تعلیم سے اس کے شاگردوں میں بڑے بڑے خوش نویس پیدا ہوئے، نستعلیق میں میر ابوالحسن عرف میر کلن، قادر بخش، محمد اسماعیل، محمد تقی اور خط شکست میں منشی پچھمن سنگھ، پچھی رام پنڈت، لالہ سکھ رام، منشی محبوب رائے اور منشی کسل سنگھ وغیرہ اپنے دور کے نامور استاد تھے، مولوی غلام محمد دہلوی ہفت قلم بھی انہی کے شاگرد تھے۔ (تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۱۱و۱۱۲)

محمد افضل لاہوری: یہ بھی محمد شاہی دور کا نامور خوش نویس تھا اور آقائے ثانی کے لقب سے مشہور تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد افضل حسینی: اس دور کا نامور خوش نویس تھا، محمد شاہ کے وزیر اعتماد الدولہ نواب قمر الدین کی سرکار سے متوسل تھا۔

میر محمد موسیٰ: سرہند کے عالی نسب سادات میں تھے، میر عماد کے طرز میں بہت عمدہ لکھتے تھے، محمد شاہ کی سرکار میں خوش نویسوں کے زمرہ میں منسلک تھے۔

نواب مرید خاں محمد صادق طباطبائی: عالی خاندان سادات اور محمد شاہی دور کے امراء میں تھے، خط شکستہ، تعلیق اور ثلث میں کمال رکھتے اور ان کو بڑی ترقی دی تھی، خط شکست کئی طرز سے لکھتے تھے، خط ریحان وثلث میں کلام مجید کے کئی نسخے اور خط تعلیق وشکستہ میں گلستان مطلا ومذہب ان کی یادگار تھے۔

نواب مظہر خاں: محمد شاہی امیر روشن الدولہ مظفر خاں کے لڑکے تھے، خط شکست میں نواب مرید خاں کے ہم پایہ مانے جاتے تھے۔

قاضی عصمت اللہ خاں: شاہ عالم ثانی کے دور کے خوش نویس تھے اور خط نسخ میں تمام خطاطوں پر گوئے سبقت لے گئے تھے اور اس میں بڑی خوب صورت ایجادیں کی تھیں، انہوں نے کلام اللہ، حمائل اور قطعات وغیرہ بہ کثرت لکھے، ۱۱۸۶ء میں انتقال کیا، ان کے بھائی فیض اللہ خاں بھی نامور خوش نویس تھے، انہوں نے بھی کلام مجید کے نسخے یادگار چھوڑے، فیض اللہ خاں کے لڑکے عباد اللہ خاں بھی خوش نویسی میں باپ کے خلف الصدق تھے اور ان کے لکھے ہوئے کلام مجید کے ناتمام نسخوں کو مکمل کیا اور ان کے خط سے اپنا خط ایسا ملا دیا تھا کہ بڑے بڑے مبصر دونوں میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔

حافظ محمد علی: قدیم شاہی خوش نویس تھے، خط نسخ کے ماہر اور نستعلیق آقا عبدالرشید دیلمی کے طرز میں بہت اچھا لکھتے تھے، شاہ عالم کے لڑکے مرزا جواں بخت بہادر کے استاد تھے، ان کے لڑکے بقاء اللہ بھی خوش نویسی میں باپ کے خلف الصدق تھے اور اپنی آبائی خدمت شاہزادوں کی استادی پر مامور تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر ابوالحسن عرف کلن: عالی خاندان سادات رضوی میں تھے، خط نسخ و نستعلیق میں محمد حفیظ خاں کے شاگرد اور آقا عبدالرشید کے طرز میں بہت عمدہ لکھتے تھے، ایک زمانہ تک نواب عبدالاحد خاں کی رفاقت میں رہے، پھر اکبر شاہ ثانی کی سرکار سے متوسل ہو گئے تھے، ان کے لڑکے میر محمد حسین بھی خوش نویسی میں باپ کے صحیح جانشین اور لکھنؤ میں مرزا سلیمان شکوہ کے میر منشی تھے۔

غلام علی خاں: یہ خوش نویس ہی کے نام سے مشہور اور اکبر شاہ ثانی کے خوش نویسوں میں تھے، بڑے لسان، خوش گفتار اور علم مجلسی کے ماہر تھے اور دوہہ اور گیت وغیرہ بہت عمدہ پڑھتے تھے۔

حافظ ابراہیم: یہ بھی اکبر شاہ ثانی کے درباری خوش نویس اور شاہزادوں کے استاد تھے۔

میر زین العابدین: عالی نسب سید، شاہ اعزالدین کے شاگرد، طغرا نویسی کے ماہر اور اکبر شاہ ثانی کے ملازم تھے۔

مولائی صاحب: خط نستعلیق کے مشہور استاد تھے، آقا عبدالرشید کے طرز میں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا کہ نقل کو اصل کے مطابق بنا دیا تھا، اکبر شاہ ثانی کے لڑکے مرزا معظم بخت بہادر کے استاد اور آقائے ثانی کے خطاب سے سرفراز تھے۔

مولوی غلام محمد دہلوی ہفت قلم دہلوی: اکبر شاہ ثانی کے زمانہ کے نامور خطاط اور مشہور خوش نویس تھے، خط نسخ، نستعلیق، ثلث، شکستہ، ریحان اور شفیعہ ساتوں خطوں میں کمال حاصل کیا تھا، اس لیے ہفت قلم کہلاتے تھے، فارسی کے اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز تھے، شاعر بھی تھے، اردو، فارسی دونوں میں داد سخنوری دیتے تھے، فن خوش نویسی کے سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خوش نویسوں کا ایک مستقل تذکرہ لکھ کر ان کی تاریخ محفوظ کر دی، انہوں نے اس کتاب میں زیادہ تر انہی خوش نویسوں کے حالات لکھے ہیں جن کی قلم کاری کے نمونے انہوں نے خود دیکھے ہیں اور اپنے زمانہ کے اکثر خوش نویسوں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملے ہیں اور ان سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، یہ تذکرہ عرصہ ہوا ایشیاٹک سوسائٹی کی جانب سے چھپ چکا ہے اور خوش نویسوں کے حالات کا سب سے بڑا ماخذ ہے، اس مضمون میں بھی زیادہ تر اسی سے استفادہ کیا گیا ہے، آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور یہیں ۱۲۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

میر مہدی: یہ خاندانی خوش نویس تھے، کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں خوش نویسی چلی آرہی تھی، طغرانویسی میں خصوصیت کے ساتھ کمال حاصل تھا، اس میں بڑی باریکیاں پیدا کی تھیں، نواب حکیم حسام الدین حیدر خاں کی سرکار میں محرری وخطاطی کے صیغہ میں ملازم تھے۔

نواب عماد الملک غازی الدین خاں: احمد شاہ بن محمد شاہ اور اس کے بعد عالم گیر ثانی کے وزیر ہوئے، عربی وفارسی کے جید فاضل، شعروادب کے ماہر اور صاحب دیوان شاعر تھے، نظام تخلص کرتے تھے، اعلیٰ درجہ کے خطاط اور ہفت قلم تھے، خصوصاً نسخ، نستعلیق اور شکستہ بہت عمدہ لکھتے تھے، عالم گیر ثانی کے بعد خانہ نشین ہو گئے تھے۔

مرزا ارجمند: نواب عماد الملک کے میر منشی تھے، انشاء، شاعری، خوش نویسی اور مصوری وغیرہ میں کمال رکھتے تھے، خط شفیعہ مختلف طریقوں سے لکھتے تھے۔

سید محمد امیر رضوی پنجہ کش: دلی کے عالی خاندان سادات میں تھے اور اپنے دور کے بے نظیر خوش نویس تھے، پنجہ کشی، مصوری، نقاشی، لوح، جدول، صحافی، علاقہ بندی اور سنگ تراشی مختلف فنون وصنائع میں کمال رکھتے تھے، آقا عبدالرشید کے طرز میں ایسا لکھتے تھے کہ دونوں کے خط میں امتیاز کرنا مشکل تھا، چنانچہ ان کی لکھی ہوئی تحریریں، آقا عبدالرشید کے نام سے گراں قیمت پر فروخت ہوتی تھیں، انہوں نے آقا عبدالرشید کا عرس بھی قائم کیا تھا، جس میں دلی کے تمام خوش نویس جمع ہو کر اس فن پر بحث و گفتگو کرتے تھے، ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، مولوی غلام محمد دہلوی کے ہم عصر تھے، ان کے حالات سرسید نے بھی آثار الصنادید میں لکھے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرزا عباد اللہ بیگ: میر پنجہ کش کے شاگرد رشید اور نستعلیق کے مسلم الثبوت استاد تھے، میر صاحب اپنے تمام شاگردوں میں اس کو بہت مانتے تھے، شاہی خوش نویسوں کے زمرہ میں شامل اور زمرد رقم کے خطاب سے سرفراز تھے۔

آغا مرزا: یہ بھی میر پنجہ کش کے نامور شاگرد تھے اور استاد کے طرز میں اتنا کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان کے ہم پایہ سمجھے جاتے تھے۔

اخوند عبد الرسول قندھاری: ان کا وطن قندھار تھا، دلی میں سکونت اختیار کرلی تھی، خط نستعلیق کے استاد سمجھے جاتے تھے۔

امام الدین احمد خاں: نواب دبیر الدولہ خواجہ زین العابدین مصلح جنگ کے فرزند ارجمند اور خوش نویسی میں میر پنجہ کش اور اخوند عبد الرسول کے شاگرد اور اپنے زمانہ کے نامور خوش نویس تھے۔

میر امام الدین: خط نسخ کے ماہر اور ابوظفر بہادر شاہ کے استاد تھے، ان کے زمانہ میں ان سے بہتر خط نسخ لکھنے والا نہ تھا۔(۱)

ان کے علاوہ سرسید نے اس دور کے خوش نویسوں میں حافظ کلو خاں، مولوی حیات علی، بدر الدین علی خاں مہرکن وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔

بہادر شاہ ظفر: آخری تیموری بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے، ان کی لکھی ہوئی وصلیاں آج بھی موجود اور ان کے کمال فن کی شاہد ہیں۔

لکھنؤ کے خوش نویس: دلی کا دربار اجڑنے کے بعد یہاں کے اہل کمال لکھنؤ میں جمع ہوگئے تھے اور خود لکھنؤ میں بھی اعلیٰ درجے کے خوش نویس پیدا ہوئے، ان کا سلسلہ شجاع الدولہ کے عہد سے شروع ہوگیا تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

نواب تفضّل حسین خاں: صاحب علم و استعداد تھے، عربی، فارسی زبان اور منطق و ریاضی

---

(۱) ان سب کے حالات تذکرۂ خوش نویساں اور بعض کے آثار الصنادید سے ماخوذ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ کے فنون میں کمال حاصل تھا، خط تعلیق اور شکست بہت اچھا لکھتے تھے، ابتداء میں بارہہ کے سیدزادوں کے اتالیق تھے، نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں لکھنؤ چلے آئے اور ان کے لڑکے سعادت علی خاں کے اتالیق مقرر ہوئے، انگریزوں کے مزاج میں اس کو بڑا رسوخ حاصل تھا، چنانچہ ان کی سفارش پر لکھنؤ کی نظامت اور آصف الدولہ کی نیابت کے عہدے پر مامور ہوگئے، پھر سعادت علی خاں کے زمانہ میں ان کے وکیل کی حیثیت سے کلکتہ میں ان کا تقرر ہوگیا۔

میر عطا حسین تحسین: مشہور قصہ چہار درویش کے مصنف اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے، خط نسخ، نستعلیق اور شفیعہ تینوں کے ماہر تھے، نواب شجاع الدولہ کے دربار سے متوسل تھے، انہی کے فرمائش سے قصہ چہار درویش لکھی تھی۔

مرزا احمد طباطبائی: نواب مرید خاں کی اولاد میں تھے اور خط نسخ وشکست اپنے موروثی طرز پر بہت اچھا لکھتے، فیض آباد میں قیام تھا۔

حافظ نوراللہ: ان کا اصل وطن دہلی تھا، نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنؤ آئے اور دربار آصفی سے متوسل ہوگئے، اپنے دور کے بڑے باکمال خوش نویس تھے، آقا عبدالرشید کے طرز میں ان سے بہتر لکھنے والا نہ تھا، نواب آصف الدولہ کی فرمائش پر ان کے لیے ہفت بند کاشی لکھی، مولوی غلام محمد ہفت قلم کا بیان ہے کہ اس میں ایسی سحرکاری تھی کہ اس کے دیکھے سے دل سیر نہ ہوتا تھا، ان کے شاگردوں میں لالہ سرب سنگھ اور میاں وجہ اللہ مشہور خوش نویس تھے (۱)، ان کے بھائی حافظ خورشید بھی نستعلیق کے بہت اچھے خطاط تھے، مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم نے ان کو آقا عبدالرشید دیلمی کا شاگرد لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے، عبدالرشید دیلمی کا انتقال ۱۰۸۱ھ میں ہوا ہے اور نوراللہ آصفی عہد (۱۱۸۸ھ-۱۲۱۲ھ) میں تھے، دونوں کے زمانوں میں ایک صدی سے زیادہ کا فرق ہے، لکھنؤ میں نوراللہ کی اتنی قدردانی ہوئی کہ ان کے ہاتھ کے

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھے قطعے موتیوں کے داموں فروخت ہوتے تھے، ان کی معمولی مشق بازار میں ایک روپے حرف کے حساب سے فروخت ہوتی تھی۔(۱)

مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں کہ حافظ نوراللہ کے شاگردوں میں زیادہ ممتاز سب سے اول تو خود ان کے بیٹے ابراہیم تھے، دوسرے منشی سرب سنگھ نام کے ایک ہندو بزرگ تھے، جن کو کوئی کایستھ بتاتا ہے اور کوئی کشمیری پنڈت، تیسرے محمد عباس نام لکھنؤ کے ایک خوش نویس تھے، حافظ ابراہیم نے بھی بڑا نام پیدا کیا، سیکڑوں آدمیوں کو خوش نویس بنادیا اور فن میں مجتہدانہ مرتبہ پیدا کر کے اپنے والد سے جدا ایک شان پیدا کی ...... حافظ ابراہیم کے ممتاز شاگردوں میں ان کے لڑکے سعیدالدین، منشی نظیر حمید، منشی عبدالمجید، منشی ہادی علی اور منشی منسارام کشمیری پنڈت تھے، منشی عبدالمجید شاہی احکام وفرامین نگاری کے منصب پر مامور تھے، منشی ہادی علی اور منشی منسارام سارے لکھنؤ کے استاد مانے جاتے تھے، منشی ہادی علی نستعلیق کے علاوہ نسخ اور طغرا نویسی میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔(۲)

مرزا محمد علی: مرزا خیراللہ فرمان نویس کے لڑکے، اپنے دور کے خطاطی کے مسلم الثبوت استاد اور خفی وجلی دونوں میں جادو رقم تھے، آقا عبدالرشید دیلمی کے طرز میں یگانہ و یکتا مانے جاتے تھے، ابتدا میں نواب عمادالملک کے یہاں ملازم تھے، پھر فرخ آباد میں قیام کیا، آخر میں آصفی عہد میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور مرزا وزیر علی کی استادی پر مامور ہوئے اور ان کے لیے پندنامہ اور گلستاں لکھی اور اس میں اپنے فن کا پورا کمال صرف کر دیا، ان کے شاگردوں میں قاضی نعمت اللہ، خلیفہ بخش اللہ اور میر نثار علی مشہور خوش نویس ہوئے۔(۳)

قاضی نعمت اللہ: ۔ مرزا محمد علی کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ناموری قاضی نعمت اللہ نے حاصل کی، مولوی عبدالحلیم شرر نے ان کو بھی آقا عبدالرشید دیلمی کا شاگرد لکھا

---

(۱) ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ، ص ۱۱۶۔ (۲) ایضاً، ص ۱۱۸ و ۱۱۹۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۶۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، مگران کے اور آقا عبدالرشید کے زمانہ میں بھی وہی فرق ہے جو حافظ نوراللہ اور آقا کے زمانہ میں ہے، اس لیے یہ بھی شاگرد نہیں ہو سکتے، مولوی عبدالحلیم شرر کو اس لیے دھوکا ہوا کہ حافظ نوراللہ اور قاضی نعمت اللہ آقا عبدالرشید دیلمی کے طرز کے مقلد تھے، یہ بھی آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنؤ آئے تھے، انہوں نے ان کو شاہزادوں کے خط کی اصلاح کی خدمت پر مامور کیا اور حافظ نوراللہ کی طرح انہوں نے بھی لکھنؤ میں بڑا نام پیدا کیا، مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں اگرچہ اور بھی پرانے خوش نویس تھے لیکن آقا عبدالرشید کے شاگردوں (اس سے مراد حافظ نوراللہ اور قاضی نعمت اللہ ہیں) نے اپنا ایسا سکہ جمالیا کہ خوش نویسی کے تمام شائق بلکہ سارا شہر اس کی طرف رجوع ہو گیا، جسے خطاطی کا شوق ہوا، انہی کا شاگرد ہو گیا اور تمام خوش نویسانِ سلف کے نام مٹ کے گمنامی کے ناپیدا کنار سمندر میں غرق ہو گئے اور سچ یہ ہے کہ یہ بزرگ اپنے کمال کے اعتبار سے اس کے مستحق بھی تھے (۱)، قاضی نعمت اللہ کے ایک شاگردان کے فرزند مولوی محمد اشرف تھے، دوسرے مولوی قل احمد۔

آخر زمانہ میں سندیلہ کے ایک منشی عبدالحئی بڑے با کمال خوش نویس تھے، جن کے شاگرد منشی امیر اللہ ان کے بڑے بھائی منشی محمد عبداللطیف اور منشی اشرف علی وغیرہ تھے، فی الحال نستعلیق میں منشی شمس الدین صاحب اور نسخ میں منشی حامد علی صاحب کو شہرت ہے اور یہ دونوں منشی ہادی علی صاحب کے شاگرد ہیں، منشی ہادی علی کے ہم عصر نسخ کے ایک مشہور خوش نویس میر بندہ علی مرتعش تھے، ان کے استاد نواب احمد علی نام ایک پرانے وقت کے رئیس اور نسخ کے با کمال استاد تھے، میر بندہ علی کے ہاتھ میں رعشہ تھا، مگر قلم جیسے ہی کاغذ پر لگتا معلوم ہوتا کہ لوہے کا ہاتھ ہے، کیا مجال کہ قابوں سے باہر ہو، ان کی نظر خط پہچاننے میں ایسا کمال رکھتی تھی کہ بڑے بڑے لوگ لوہا مان گئے۔ (۲)

ہندو خوش نویس: جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اس زمانہ میں خوش خطی لازمہ تعلیم و

---

(۱) مشرقی تمدن کا آخری نمونہ، ص ۱۱۶۔ (۲) ایضاً ص ۱۲۰ و ۱۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرافت سمجھی جاتی تھی اور ہندو بھی تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ تھے، سرکاری دفاتر خصوصاً مال اور دیوانی کے شعبہ میں ان کی کثرت تھی اور دفتری کاروبار کے لیے انشاء اور خوش خطی ضروری تھی، اس لیے ہندوؤں میں بہت سے خوش نویس خصوصاً خط نستعلیق اور شکست کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوئے، مولوی غلام محمد نے بہت سے ہندو خوش نویسوں کا حال لکھا ہے، ان میں سے بعض کے نام اوپر گذر چکے ہیں، چند نامور خوش نویسوں کے نام حسب ذیل ہیں:

راجہ ٹودرمل کھتری: اکبری دور کے مشہور امیر اور دربار اکبری کے نورتن راجہ ٹودرمل خوش نویس بھی تھے، مولوی غلام محمد دہلوی لکھتے ہیں "نویسندۂ چابک دست وخطوط بہ خوش خطی ونمکی می نوشت" (۱)، ان کے حالات مغلوں کی تمام تاریخوں میں ہیں اور ان کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے۔

رائے منوہر بن لونی کرن توسنی کچھواہا: راجہ سانبھر کے لڑکے تھے، اکبر کے دامن تربیت میں پرورش پائی اور جہاں گیر کے دور میں ان کی نشو ونما ہوئی (۲)، مرزا راجہ خطاب تھا، اکبر ان کو بہت مانتا تھا، فارسی زبان کے ماہر تھے، شاعر بھی تھے، بدایونی نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں (۳)، خوش نویس بھی تھے، مولوی غلام محمد دہلوی لکھتے ہیں "سلیقہ شاعری و خوش خطی بہم رسانیدہ"۔ (۴)

چندر بھان برہمن: عہد شاہ جہانی کا مشہور شاعر، ادیب اور اہل قلم تھا، مختلف امراء کی سرکاروں میں ملازم رہا، پھر شاہی دربار سے متوسل ہو گیا، داراشکوہ کو اس کی انشاء بہت پسند تھی، اس لیے اس کی زندگی بھر اس کا میر منشی رہا، اس کی متعدد تصانیف ہیں، ان میں چہار چمن، منشآت برہمن اور دیوان زیادہ مشہور ہیں (۵)، اعلیٰ درجہ کا خوش نویس بھی تھا، نستعلیق

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۸۸۔ (۲) طبقات اکبری، ص ۳۸۷۔ (۳) منتخب التواریخ، ج ۳ ص ۲۰۱۔
(۴) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۶۔ (۵) ان کے حالات تاریخ عمل صالح، تذکرہ نشتر عشق، کلمات الشعراء وغیرہ فارسی شعراء کے تمام تذکروں میں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آقا عبدالرشید دیلمی اور شکست میں کفایت خاں کا شاگرد تھا اور دونوں میں استادی کا درجہ حاصل تھا۔(۱)

منشی سج بھان: یہ بھی مذکورہ بالا دونوں اساتذہ کا شاگرد اور نستعلیق وشکست کا ماہر تھا۔(۲)

رائے پریم ناتھ کھتری: ان کے اسلاف شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں ''پیشکارتن'' کے عہدہ پر سرفراز تھے، رائے پریم ناتھ نواب مرید خان کے شاگرد اور اپنے زمانہ کے مشہور خوش نویس تھے، خصوصاً خط شکست بہت عمدہ لکھتے تھے۔(۳)

راجہ امید سنگھ اور راجہ شیر سنگھ: راجہ بہادر کے لڑکے اور مشہور راجہ ناگرمل کے پوتے تھے، دونوں بھائی رائے پریم ناتھ کے شاگرد اور خوش خطی میں استاد کے ہم پایہ سمجھے جاتے تھے اور خاندانی شرافت اخلاق سے آراستہ اور علم وہنر کے بڑے قدردان تھے۔(۴)

کنور پریم کشور فراقی: راجہ جگل کشور کے پوتے مشہور خوش نویس تھے، رائے پریم ناتھ کے طرز میں بہت اچھا لکھتے تھے، کلیات کلیم اور شاہ جہاں نامہ خط شکست میں بہت عمدہ لکھا تھا، اردو کے خوش گوار شاعر تھے، فراقی تخلص تھا(۵) گلشن بے خار اور مولوی کریم الدین کے تذکرہ میں بھی ان کے حالات ہیں۔(۶)

منشی لچھمن سنگھ غیوری: قوم کے اگروال، علم وہنر کے زیور سے آراستہ تھے، عربی، فارسی زبانوں میں پوری مہارت رکھتے تھے، فارسی کے اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز تھے، اپنی انشاء پران کو اتنا ناز تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، طاہر وحید، طاہر دکھنی اور میر جلالا کے طرز میں لکھتے تھے، شاعری میں میر شمس الدین فقیر سے تلمذ تھا، ان کی تصانیف میں شعلہ آہ اور بعض دوسری کتابیں ان کی یادگار ہیں، خوش نویس بھی تھے، خط شکست میں محمد حفیظ خاں اور شفیعہ میں مرزا آقا کے شاگرد تھے، مولوی غلام محمد دہلوی کے ہم عصر تھے، دونوں میں ملاقات ہوئی

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۵۵۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً، ص ۱۱۳۔ (۴) ایضاً، ص ۱۱۵۔ (۵) ایضاً، ص ۱۱۶۔ (۶) گلشن بے خار، ص ۲۱۹، اڈیشن ۱۸۴۳ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی (۱)، احمد علی سندیلوی نے ان کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ایک مرتبہ وہ کچھ کتابیں بیچنے کے لیے لکھنؤ آئے، کسی قدردان کی سفارش سے انگریزوں نے تین سو روپے ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کیا، مگر انہوں نے یہ کہہ کر اس کے لینے سے انکار کر دیا کہ میں کئی پشتوں سے اہل اسلام کا نمک خوار ہوں، اس لیے دشمنان دین کی ملازمت اختیار نہیں کر سکتا، خواہ فاقہ سے جان ہی چلی جائے۔(۲)

راجہ نندرام پنڈت: یہ بھی صاحب علم واستعداد اور خط شکست کے ماہر تھے، دلی کی شاہ گردی کے زمانہ میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور نواب حسن رضا خاں کی سرکار میں منشی گیری کی خدمت پر مامور ہو گئے تھے۔(۳)

لالہ لچھمی رام پنڈت: عربی وفارسی میں مہارت رکھتے تھے، فارسی کے بہترین انشاء پرداز تھے، مصوری میں بھی درک تھا، خط نستعلیق وشکست وغیرہ میں محمد حفیظ خاں کے شاگرد تھے اور نستعلیق استاد کے طرز میں بہت اچھا لکھتے تھے، شاہ عالم کے وزیر نواب ذوالفقار الدولہ نجف علی خاں اور دوسرے امراء کی سرکاروں میں بڑی عزت وتوقیر کے ساتھ زندگی بسر کی۔(۴)

خوش وقت رائے: دانگی قوم کے کھتری، موروثی صاحب دولت ووجاہت اور علم و ہنر اور تہذیب وشائستگی کے زیور سے آراستہ تھے، خوش نویسی میں کمال حاصل تھا، خط شکست میں میر علی سے اور نستعلیق میں شاہ اعز الدین سے اصلاح لی تھی، یہ دونوں عرصہ سے ان کے یہاں مقیم رہے، کھتریوں میں ان کے جیسے صاحب علم، فیاض وسیر چشم اور علم وہنر کے قدرداں کم پیدا ہوئے، ہزاروں روپے صرف کر کے آقا عبدالرشید دیلمی اور کفایت خاں کی دستخطی تحریریں جمع کی تھیں۔(۵)

لالہ درگا پرشاد کایستھ: لکھنؤ وطن تھا، مولوی غلام محمد ہفت قلم کے شاگرد تھے، خط نسخ اور

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۲) مخزن الغرائب، ص ۲۹۳، نسخہ قلمی دارالمصنفین۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۴) ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۵) ایضاً، ص ۱۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی (۱)، احمد علی سندیلوی نے ان کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ایک مرتبہ وہ کچھ کتابیں بیچنے کے لیے لکھنؤ آئے، کسی قدردان کی سفارش سے انگریزوں نے تین سو روپے ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کیا، مگر انہوں نے یہ کہہ کر اس کے لینے سے انکار کر دیا کہ میں کئی پشتوں سے اہل اسلام کا نمک خوار ہوں، اس لیے دشمنان دین کی ملازمت اختیار نہیں کر سکتا، خواہ فاقہ سے جان ہی چلی جائے۔(۲)

راجہ نندرام پنڈت: یہ بھی صاحب علم واستعداد اور خط شکست کے ماہر تھے، دلی کی شاہ گردی کے زمانہ میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور نواب حسن رضا خاں کی سرکار میں منشی گیری کی خدمت پر مامور ہو گئے تھے۔(۳)

لالہ لچھمی رام پنڈت: عربی وفارسی میں مہارت رکھتے تھے، فارسی کے بہترین انشاء پرداز تھے، مصوری میں بھی درک تھا، خط نستعلیق وشکست وغیرہ میں محمد حفیظ خاں کے شاگرد تھے اور نستعلیق استاد کے طرز میں بہت اچھا لکھتے تھے، شاہ عالم کے وزیر نواب ذوالفقار الدولہ نجف علی خاں اور دوسرے امراء کی سرکاروں میں بڑی عزت وتوقیر کے ساتھ زندگی بسر کی۔(۴)

خوش وقت رائے: دانگی قوم کے کھتری، موروثی صاحب دولت و وجاہت اور علم و ہنر اور تہذیب وشائستگی کے زیور سے آراستہ تھے، خوش نویسی میں کمال حاصل تھا، خط شکست میں میر علی سے اور نستعلیق میں شاہ اعز الدین سے اصلاح لی تھی، یہ دونوں عرصہ سے ان کے یہاں مقیم رہے، کھتریوں میں ان کے جیسے صاحب علم، فیاض و سیر چشم اور علم و ہنر کے قدرداں کم پیدا ہوئے، ہزاروں روپے صرف کر کے آقا عبدالرشید دیلمی اور کفایت خاں کی دستخطی تحریریں جمع کی تھیں۔(۵)

لالہ درگا پرشاد کایستھ: لکھنؤ وطن تھا، مولوی غلام محمد ہفت قلم کے شاگرد تھے، خط نسخ اور

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۲) مخزن الغرائب، ص ۲۹۳، نسخۂ قلمی دارالمصنّفین۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۴) ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۵) ایضاً، ص ۱۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی (۱)، احمد علی سندیلوی نے ان کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ایک مرتبہ وہ کچھ کتابیں بیچنے کے لیے لکھنؤ آئے، کسی قدردان کی سفارش سے انگریزوں نے تین سو روپے ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کیا، مگر انہوں نے یہ کہہ کر اس کے لینے سے انکار کر دیا کہ میں کئی پشتوں سے اہل اسلام کا نمک خوار ہوں، اس لیے دشمنان دین کی ملازمت اختیار نہیں کر سکتا، خواہ فاقہ سے جان ہی چلی جائے۔(۲)

راجہ نندرام پنڈت: یہ بھی صاحب علم واستعداد اور خط شکست کے ماہر تھے، دلی کی شاہ گردی کے زمانہ میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور نواب حسن رضا خاں کی سرکار میں منشی گیری کی خدمت پر مامور ہو گئے تھے۔(۳)

لالہ لچھمی رام پنڈت: عربی و فارسی میں مہارت رکھتے تھے، فارسی کے بہترین انشاء پرداز تھے، مصوری میں بھی درک تھا، خط نستعلیق و شکست وغیرہ میں محمد حفیظ خاں کے شاگرد تھے اور نستعلیق استاد کے طرز میں بہت اچھا لکھتے تھے، شاہ عالم کے وزیر نواب ذوالفقار الدولہ نجف علی خاں اور دوسرے امراء کی سرکاروں میں بڑی عزت وتوقیر کے ساتھ زندگی بسر کی۔(۴)

خوش وقت رائے: دانگی قوم کے کھتری، موروثی صاحب دولت و وجاہت اور علم و ہنر اور تہذیب و شائستگی کے زیور سے آراستہ تھے، خوش نویسی میں کمال حاصل تھا، خط شکست میں میر علی سے اور نستعلیق میں شاہ اعز الدین سے اصلاح لی تھی، یہ دونوں عرصہ سے ان کے یہاں مقیم رہے، کھتریوں میں ان کے جیسے صاحب علم، فیاض و سیر چشم اور علم و ہنر کے قدرداں کم پیدا ہوئے، ہزاروں روپے صرف کر کے آقا عبدالرشید دیلمی اور کفایت خاں کی دستخطی تحریریں جمع کی تھیں۔(۵)

لالہ درگا پرشاد کایستھ: لکھنؤ وطن تھا، مولوی غلام محمد ہفت قلم کے شاگرد تھے، خط نسخ اور

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۲) مخزن الغرائب، ص ۲۹۳، نسخۂ قلمی دارالمصنفین۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۸۔ (۴) ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۵) ایضاً، ص ۱۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکست اتنا عمدہ لکھتے تھے کہ موتی پروتے تھے(۱)، شاعر بھی تھے، مضطرب تخلص تھا، گلشن بے خار میں بھی ان کا ذکر ہے۔(۲)

شنکر ناتھ: کشمیری پنڈت دہلوی مشہور خوش نویس تھے، خط نستعلیق و شفیعہ میں مولوی غلام محمد دہلوی کے اور خط شکست میں مولوی حیات علی کے شاگرد تھے، شاعر بھی تھے، مؤدب تخلص تھا(۳)، سرسید نے آثار الصنادید میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔(۴)

لالہ سرپ سنگھ دیوانہ: خوش خطی میں حافظ نور اللہ کے شاگرد رشید تھے، شاعر بھی تھے اور اردو، فارسی، ہندی تینوں زبانوں میں کہتے تھے، کئی دیوان یادگار چھوڑے(۵)، خوش خطی میں استاد کا چربہ ایسا اڑایا تھا کہ سیکڑوں وصلیاں لکھ کر ان کے نام سے پھیلا دیں جن میں بڑے بڑے ماہر تمیز نہیں کر سکتے تھے(۶)، ان کا تذکرہ روز روشن، انیس العاشقین، گلشن ہند وغیرہ تمام تذکروں میں ہے۔

محمد حفیظ خاں کے شاگردوں میں پچھمی سنگھ اور پچھمی رائے پنڈت کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، لالہ سکھ رام، منشی محبوب رائے اور منشی کسل سنگھ خط شکست میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔(۷)

یہ ان خوش نویسوں کے نام ہیں جن کا ذکر مولوی غلام محمد دہلوی نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی ہندو خوش نویس تھے، جن کا ذکر کہیں نہیں ملتا، لکھنؤ میں اس کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز تھی، مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں کہ "یہ اس خاندان (حافظ نور اللہ و قاضی نعمت اللہ) کی برکت ہے کہ لکھنؤ میں ہزاروں مسلمان اور ہزاروں کایستھ جن سے نوبستہ اور اشرف آباد کے محلے بھرے ہوئے ہیں اور سیکڑوں کشمیری پنڈت خوش نویس ہو گئے، مگر

---

(۱) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۲۱۔ (۲) گلشن بے خار، ص ۴۶۹، ایڈیشن ۱۸۴۳ء۔ (۳) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۲۲۔ (۴) آثار الصنادید، ص ۲۲۵۔ (۵) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۶۵۔ (۶) مشرقی تمدن کا آخری نمونہ، ص ۱۱۸۔ (۷) تذکرۂ خوش نویساں، ص ۱۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افسوس کشمیری پنڈتوں نے انگریزی تعلیم کے شوق میں اور خوش نویسی کی کساد بازاری کو دیکھ کر اس فن کو مطلق چھوڑ دیا، اب جتنے اچھے لکھنے والے ہیں سب مسلمان ہیں یا کایستھ۔(۱)

کتبہ نگار اور طغرا نویس: مسلمان سلاطین جو اہم عمارتیں بھی بنواتے تھے، ان میں ان کی تعمیر کی تاریخ کے علاوہ عمارت کی مناسبت سے آیات و احادیث اور فارسی اشعار وغیرہ بھی تحریر ہوتے تھے، یہ عبارتیں اتنے خوب صورت خط میں اور اس حسن وتناسب سے لکھی جاتی تھیں، خصوصاً ان کے طغرے، حسن وصناعی کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہوتے تھے کہ نقش ونگار کا بھی کام دیتے تھے، ان کے لکھنے والے مخصوص خوش نویس اور طغرا نگار ہوتے تھے، جن کی تنخواہیں بیش قرار ہوتی تھیں، مغلوں کی کوئی اہم اور تاریخی عمارت اس قسم کی تحریروں سے خالی نہیں ہے، خصوصاً تاج محل، سکندرہ اور فتح پور سیکری کی عمارتوں اور جامع مسجد دہلی کے کتبات اور طغرے حسن وصناعی کا اعلیٰ نمونہ ہیں، جن کو دیکھ کر آج بھی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

سکندرہ اور تاج محل کے بیشتر کتبات اور طغرے امانت خاں شیرازی کے لکھے ہوئے ہیں، یہ جہاں گیری دور کا طغریٰ نویس تھا، اس کا اصل نام عبدالحق ہے، امانت خاں خطاب تھا، اس کی تنخواہ ایک ہزار ماہوار تھی، اس کے لکھے ہوئے کتبات میں اس کا نام تحریر ہے، تاج محل کی تحریروں کے خطاطوں میں ستار خاں، محمد خاں اور عبدالغفار خاں کے نام بعض کتابوں میں ملتے ہیں، ان کی تنخواہ پانچ پانچ سو ماہوار تھی، تاج محل کی تحریروں میں جو حسن و دلکشی ہے، اس کا اندازہ ایک ظاہر بیں بھی کرسکتا ہے۔

فتح پور سیکری کے بلند دروازوں کے مختلف حصوں میں کئی کتبے ہیں، ان میں سے بعض کتبے حضرت سلیم چشتیؒ کے خلیفہ خواجہ احمد چشتی کی عقیدت کا نتیجہ ہیں، جو اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے اور بعض کتبے میر معصوم بھکری قندھاری اور احمد علی ارشد کے لکھے ہوئے ہیں، اول الذکر دونوں کے حالات تذکرۂ خوش نویساں میں بھی ہیں، بھکری کے حالات اوپر

---

(۱) مشرقی تمدن کا آخری نمونہ، ص ۱۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھے جا چکے ہیں۔

جامع مسجد دہلی کے بیرونی درجہ کی محرابوں کے اوپر جامع مسجد کی تعمیر کی جو مفصل تاریخ تحریر ہے، وہ شاہ جہانی دور کے مشہور مہندس استاد احمد معمار کے لڑکے نور اللہ احمد کی لکھی ہوئی ہے۔(۱)

اس قسم کے کتبات اور تحریروں سے مغلوں کی کوئی عمارت بلکہ امراء کی بنائی ہوئی عمارتیں بھی خالی نہیں مگر اس کی تفصیل مقصود نہیں، صرف چند مشہور عمارتوں کے کتبات کا اجمالی ذکر کر دیا گیا۔

www.KitaboSunnat.com

(۱) ان تمام کتبات اور تحریروں پر ان کے کاتبوں کے نام درج ہیں، اس کے علاوہ تاریخ فتح پور سیکری مولوی محمد سعید مارہروی، واقعات دارالحکومت دہلی مؤلفہ مولوی بشیر احمد خاں دہلوی اور تاریخ تاج محل معین الدین احمد اکبرآبادی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے قابل قدر مضمون ''تاج محل اور اس کے معمار'' میں بھی اس کی تصریح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ